اہل شریعت و اہل عقیدت

محمد اسلم

قرطاس

Marfat.com

يَلُوحُ الَخطُّ فی القِرطَاس دهراً
وکاتبهُ رَمیمٌ فی الترابِ

[تحریر کاغذ (قرطاس) میں عرصہ تک چمکتی رہتی ہے
جب کہ اسے لکھنے والا مرکر مٹی میں بوسیدہ ہو جاتا ہے]

Marfat.com

اہل شریعت و اہل عقیدت

محمد اسلم

قرطاس

M-30045
DATA ENTERED

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

قرطاس

سلسلۂ مطبوعات - ۱۳۳

طبع اول --- مارچ ۲۰۱۷ء

297-3

ISBN: 978-969-9640-37-7

قیمت : ۳۰۰ روپے

قرطاس

فلیٹ نمبر A-15، گلشن امین ٹاور، گلستان جوہر بلاک 15، کراچی

موبائل: 0321-3899909 ای میل: saudzaheer@gmail.com

ویب سائٹ: www.qirtas.co.nr

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	❁ پیش گفتار	۹
	❁ فصل اوّل: تاریخ وتعارف	۱۲
۱	برصغیر کی مذہبی تاریخ	۱۲
۲	مولانا محمد قاسم نانوتوی	۱۷
۳	دارالعلوم دیوبند	۱۹
۴	مولانا احمد رضا بریلوی	۲۰
۵	دارالعلوم منظر الاسلام	۲۲
	❁ فصل دوم: عقائد	۲۴
۶	توحید	۲۴
۷	شرک	۲۷
۸	نبوت ورسالت	۳۱
۹	بشریت	۳۴
۱۰	نور	۳۷
۱۱	سایہ	۳۹
۱۲	علم غیب	۴۱
۱۳	بریلوی دلائل	۴۷
۱۴	دیوبندی دلائل وبریلوی جوابات	۵۰

Marfat.com

۱۵	حاضر وناظر	۵۵
۱۶	مختار کل	۶۳
❁	**فصل سوم: قرآنِ کریم**	۷۱
۱۷	تفسیری اصول اوران کی اہمیت	۷۴
۱۸	اہم عربی تفاسیر کا مختصر تعارف	۷۴
۱۹	قرآنی ترجمے میں اختلاف	۸۴
۲۰	تفسیری اختلاف	۹۳
۲۱	حدیث	۹۷
۲۲	حدیث میں اختلاف	۹۹
❁	**فصل چہارم: فقہی اختلاف**	۱۰۱
۲۳	ما اهل لغير الله	۱۰۱
۲۴	حرف 'ض' کا مخرج اور آواز	۱۰۳
۲۵	مقتدی کب اٹھیں	۱۰۶
۲۶	صاع کا وزن	۱۰۷
۲۷	جنازہ کے مسائل	۱۰۸
۲۸	ایصال ثواب	۱۱۰
❁	**فصل پنجم: ذکر نبی ﷺ**	۱۱۲
۲۹	صلوٰۃ وسلام	۱۱۲
۳۰	محبت	۱۲۰
۳۱	نعت	۱۲۵
۳۲	نسبت وقرابت	۱۲۹
۳۳	تبرکات وباقیات	۱۳۳
۳۴	**فصل ششم: بدعت**	۱۴۱

PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

۳۵	حضرت عبدالقادر جیلانی اور گیارہویں شریف	۱۵۲
۳۶	عید میلادالنبی	۱۶۰
۳۷	ولادت نبوی کی تاریخ	۱۶۸
۳۸	وسیلہ	۱۷۰
۳۹	استعانت	۱۷۵
۴۰	قبور اور عرس	۱۸۱
۴۱	جعلی قبور	۱۸۵
۴۲	قبور وعرس	۱۸۷
❁	**فصل ہفتم: تصوف کے محاسن**	۱۹۱
۴۳	تصوف اور اس کے اہم مباحث	۱۹۱
۴۴	فقہ اور تصوف	۱۹۵
۴۵	نفس اور مثالی اجسام	۱۹۸
۴۶	روح	۲۰۰
۴۷	رجال الغیب (غوث وقطب)	۲۰۵
۴۸	عالم غیب	۲۰۹
❁	**فصل ہشتم: اغلاط واصلاح**	۲۱۱
۴۹	خطائے بزرگان	۲۱۱
۵۰	انسداد تکفیر کے اصول	۲۱۵
۵۱	نفاذ	۲۲۷
۵۲	تکفیر کا پس منظر	۲۲۹
۵۳	بریلوی علماء کی چند اصلاح طلب عبارات	۲۴۳
۵۴	تکفیر کے نقصانات	۲۵۰
۵۵	محرکات	۲۵۲

Marfat.com

۵۶	منافرت کے خاتمے کے لئے تجاویز	۲۵۸
۵۷	مراجع ومصادر	۲۶۰

Marfat.com

پیش گفتار

صغرسنی کے وہ معصوم لمحے آج بھی مجھے یاد ہیں۔ جب بھائیوں کے ہمراہ ماں کے پہلو میں بیٹھے بزرگوں کی کرامتوں کے قصے سنتے، بالخصوص وہ واقعہ بھی ذہن میں منقش ہے۔ جب ماموں کی انگلی پکڑے عشاء کی نماز پڑھنے مسجد گیا۔ نماز کے بعد تقریر میں لفظ وہابی کا وہ مفہوم سنا جو سخت گالی کا مترادف تھا۔ لیکن سامعین نے اس پر خفگی کے بجائے قہقہوں سے اظہار مسرت کیا۔ اس دور میں عمومی دیہی علاقوں کا یہی مذہبی ماحول تھا۔ جہاں قدامت پسندی اور فرقہ بازی کی فضاؤں میں یہ آوازیں آتیں ''صرف ہم مسلمان ہیں۔''

میرے ننھیال اور ددھیال دونوں ہی بزرگوں کے شدید عقیدت مند تھے۔ البتہ والد مرحوم نسبتاً وسیع المشرب تھے۔ اسی ماحول میں تعلیمی منازل طے کرتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ عربی ادب اور تفاسیر کے مطالعہ سے ذہن کے دریچے کھلے، نئی دنیا، نیا سماں، کشادہ راہیں، کشادہ نگاہیں۔ روشن خیالی اور وسعت ظرفی کے اس عالم میں ہر سمت سے یہ صدائیں محسوس ہوتیں ''ہم سب مسلمان ہیں۔''

زیر مطالعہ کتاب، دیوبندی اور بریلوی مسلک میں تقارب کی ایک کوشش ہے، کہ باہمی فاصلوں کو کیسے سمیٹا جائے۔ نفرت و عداوت کے شعلوں کو کس طرح ٹھنڈا کیا جایئے۔ اونچی دیواروں اور رکاوٹوں کو کیونکر ہٹایا جائے۔ عربوں نے اسرائیل کو تسلیم کرلیا۔ چین و امریکہ کی تلخی ختم ہوگئی۔ پوری دنیا سمٹ گئی۔ قومیں متحد ہوئیں اور اقوام متحدہ بن گیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ

Marfat.com

ایک قرآن، ایک حدیث اور ایک فقہ کو ماننے والے ایک نہیں ہو سکتے۔

یہ کتاب تین بڑے مباحث پر مشتمل ہے۔ عقائد، بدعت، تکفیر۔

عقائد میں بظاہر بڑا اختلاف نظر آتا ہے مگر اتنا نہیں، جتنا معلوم ہوتا ہے، یعنی چائے کی پیالی میں طوفان ہے۔ بدعت میں حقیقی اختلاف ہے، جس کا خاتمہ مشکل ہے۔ مگر اسے سمیٹ کر محدود کیا جا سکتا ہے۔ ایک صدی قبل رونما ہونے والا تکفیری فتویٰ ایک زلزلہ تھا، مگر اب اس میں ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ کیونکہ اب شدت پسندی کا زمانہ ہے نہ اجارہ داری کا دور۔ حالات بدلنے سے تقاضے بھی بدل جاتے ہیں۔ دیگر مذاہب میں خونریزیاں ہوئیں، عیسائیوں نے باہمی قتل وغارت کا انجام دیکھا اور عبرت حاصل کر لی، ہمارے ہاں کیا رکاوٹ ہے۔ چودھراہٹ، حسد، تعصب، مذہبی ماحول، یعنی تعلیم وتربیت کا وہ مخصوص پس منظر جو عام مدارس میں پایا جاتا ہے۔

دیوبندی حضرات، بریلویوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع کا فتویٰ ہے ''مولوی احمد رضا کے متعلقین کو کافر کہنا صحیح نہیں۔ (فتاویٰ دارا لعلوم دیوبند، ۲:۱۴۲۔)

بریلوی حضرات دوسروں کی تقلید پسند نہیں کرتے۔ انہیں اس بات پر فخر ہے کہ ''جامعہ رضویہ کے فضلاء مذہبی تعصب (شدت) میں نظیر نہیں رکھتے۔'' (محدث اعظم پاکستان، ۵۰۳۔)

اپنے موقف کی تائید میں دعائے قنوت کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں وَ نَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُک (ہم فاجروں سے الگ ہیں)، مگر اس معاملے میں دوسرا رخ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ حضرت عثمان غنیؓ بلوائیوں کے پیچھے نماز پڑھتے۔ (ملفوظات، ۳۳۰۔) طالبان نے افغانستان میں بت شکنی کی اور اس پر فخر کا مظاہرہ کیا، مگر یہ نہ سوچا کہ محمود غزنوی نے اپنے ملک کے ان بتوں کو کیوں نہ توڑا۔ حالانکہ وہ نہایت طاقتور حکمران تھا۔ اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

قرآن کریم کا حکم ہے، مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ مگر نبی اکرم ﷺ کی سیرت بتلاتی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے دو صد مشرکوں کو پکڑا اور قتل کرنے کی بجائے انہیں چھوڑ دیا۔

کسی معاملہ کی ایک جہت اپنانا اور دوسری جہت کو نظر انداز کرنا، بنیادی خطا ہے۔

Marfat.com

اسلام جامعیت کا علم بردار ہے۔ لہٰذا تصویر کے دونوں رخ دیکھنا ضروری ہیں۔ ورنہ نیم ملاں خطرہ ایمان کا محاورہ ہے۔ مُدّعی ومدّعیٰ علیہ دونوں کے بیان سے ہی حقیقت نمایاں ہوتی ہے۔ اس کتاب میں بھی دونوں جہتوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر تحریر کی روشنی تب ہی فائدہ دے سکتی ہے جب تعصب کا اندھیرا چھٹے گا۔ اگر آنکھوں میں نور نہ ہو تو بیرونی روشنی بیکار ہوتی ہے۔ امید ہے یہ ابتدائی اور حقیری کاوش بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوگی۔

اس کتاب میں فریقین کے اہم نظریات، دلائل، تاویلات اجاگر کی گئی ہیں تا کہ مسلک کی پوری ترجمانی ہوسکے۔ پھر ہر بحث کے آخر میں تقارب کے عنوان سے خلاصہ اور تجزیہ ہے۔

بریلوی مکتب فکر کی طرف سے زیادہ تر حوالہ جات احمد رضا خان بریلوی اور مفتی احد یار گجراتی سے لیے گئے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی کتب میں وسیع مواد پیش کیا ہے۔ دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے زیادہ تر حوالہ جات مفتی محمد شفیع اور ان کے فرزند مفتی رفیع کی کتب سے اخذ کیے گئے، جبکہ اس سلسلہ کے بزرگ مولوی سرفراز احد گکھڑ نے اہم کتب تصنیف کی ہیں۔

طوالت سے بچنے کے لئے متعدد مقامات پر عبارات کی تلخیص کی گئی ہے۔ مطبع کی تبدیلی سے کتاب کے صفحات تبدیل ہوجاتے ہیں، اس لئے کوشش کی گئی ہے کہ آیت نمبر اور باب نمبر لکھنے کا طریقہ زیادہ اختیار کیا جائے۔

اس سلسلے کا آخری پیام یہ ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی طرف پلٹیں، ائمہ مجتہدین کی کتب دیکھیں۔ یہ لوگ تعصب سے پاک، تکفیر سے بیزار اور صلح وامن کے علم بردار تھے۔ موجودہ دور میں حاجی امداد اللہ، پیر مہر علی شاہ اور خواجہ قمر الدین سیالوی کے افکار بھی ہم سب کے لئے روشنی کا مینار بن سکتے ہیں۔ مثلاً حاجی امداد اللہ کی بے تعصبی وصلح جوئی دیکھئے کہ آپ ان دونوں جماعتوں کو اہل شریعت واہل محبت کے ناموں سے ذکر کرتے ہیں۔ اگر ان ناموں کو باقاعدہ اختیار کیا جائے تو فرقہ واریت اور نفرت از خود ختم ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

فصل اوّل: تاریخ وتعارف

برصغیر کی مذہبی تاریخ

دیوبندی وبریلوی دونوں جماعتوں کا تعلق برصغیر پاک وہند سے ہے۔لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر کی مذہبی تاریخ بیان کی جائے۔

پہلا دور:

قبل از تاریخ اس علاقے میں دراوڑ قوم آباد تھی۔جن کا مذہب مظاہر پرستی تھا۔یعنی سورج، چاند، دریا، پہاڑ وغیرہ کی پرستش۔ پھر وسط ایشیا سے آریہ قوم ترک وطن کر کے ادھر آئی اور فاتحانہ انداز میں اس علاقے میں غالب آ گئی۔ یہاں کی مقامی قوم سے میل میلاپ کے نتیجہ میں نئے مذہب کی تشکیل ہوئی۔ان کی اہم مذہبی کتب کا نام وید ہے، جن کی تعداد چار ہے۔ یہ کتب آسمانی نہیں، بلکہ الہامی ہیں، جو دعاؤں اور گیتوں پر مشتمل ہیں۔ان ویدوں میں سے چوتھی کتاب کا نام اتھروید ہے۔اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا ذکر ہے۔ جسے پُرش میدھ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ [1] نیز اس میں مقدس گھر، اس کے آٹھ پہاڑوں اور نو راستوں کا ذکر ہے۔ یہ مذکورہ احوال مکہ کے سوا کسی مقام پر منطبق نہیں ہوتے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین ابراہیمی کے پیروکاروں کا کوئی ایسا گروہ یا قبیلہ تھا، جو عراق وشام سے ہجرت کر کے ادھر آیا، اور پھر اسی قوم میں جذب ہو گیا۔

مؤرخین، آریہ قوم کی آمد اور مذہبی کتب کی تدوین کا کوئی سن متعین کرنے سے قاصر ہیں۔البتہ ایک ہزار سال سے پندرہ سو سال قبل مسیح کا اندازہ لگاتے ہیں۔

ہندو مسلک میں توحید ہے۔مگر وہ بت پرستی اور کثرت پرستی کے ساتھ مخلوط بھی ہے

Marfat.com

اور مغلوب بھی۔ برہما یعنی خالق کائنات معطل خدا ہے۔ وشنو، رحم کا خدا اور شیو خوف کا خدا ہے۔ یہ ہندو مذہب کی تریمورتی یعنی تثلیث ہے۔ پھر بہت سے اوتار، دیوتا اور کروڑوں بت ہیں، یعنی ہر مقامی رہنما اور قبیلہ کے بڑے سربراہ کو دیوتا قرار دے دیا۔ ہوا، آگ، پانی، سمندر وغیرہ کو بھی دیوتا ٹھہرا دیا۔ انسان کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے برہمن کو اعلیٰ ذات قرار دیا اور مذہبی رسوم کی ادائیگی اس کا فریضہ ٹھہرایا۔

قبل مسیح گوتم بدھ بھی ہمالہ کی وادی..... میں عظیم مبلغ وداعی بن کر آیا۔ سندھ کی وادی تک پہنچا۔ توحید کی تبلیغ کی[۲]، مگر چند سالوں بعد ہندومت نے اس کی شخصیت کو اپنے اندر جذب کر کے اسے ہندومت کا اوتار قرار دے دیا۔ جس سے اس کی انفرادیت مجروح ہوگئی۔

دوسرا دور:

۷۱۱ء میں محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتا ہوا ملتان تک پہنچا اور یہ تمام علاقہ مشرف باسلام ہوا۔ اس کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اہل سندھ نے اسے دیوتا قرار دیا۔ گیارہویں صدی کے شروع میں محمود غزنوی کے طوفانی حملوں نے ہندوستان کو روند ڈالا۔ اس کے بعد محمد غوری نے ۱۱۹۲ء میں پرتھوی راج کو شکست دی اور آپ کے غلام قطب الدین ایبک نے برصغیر میں پہلی باقاعدہ سلطنت قائم کی۔

مسلمان اس علاقہ میں فاتحانہ انداز میں آئے تھے۔ اس لئے ان کی شان وشوکت اور فوجی دھاک اہل ہند کے اذہان پر مسلط تھی۔ مسلم حکمرانوں نے اسلام کی اشاعت سے مجرمانہ غفلت برتی، تاہم چونکہ ان کی حاکمانہ برتری اور عسکری قوت کی وجہ سے اہل ہند، اسلام سے مرعوب تھے۔ اس طرح نئے دین پھیلانے کے لئے زمین تیار تھی۔ ان حالات میں مسلم صوفیا یعنی حضرت گنج بخش علی ہجویری، سخی سرور، خواجہ معین الدین اجمیری، بابا فرید الدین وغیرہ کی سعی وکوشش اور ان کی سیرت وکردار سے اسلام کی خاصی اشاعت ہوئی۔

سولہویں صدی کے نصف آخر میں بادشاہ اکبر کی غلط پالیسیوں سے اسلام کو نقصان

Marfat.com

پہنچا اور ہندوؤں کو شہ ملی۔ جس کا ایک حد تک ازالہ مجدد الف ثانی اور اورنگ زیب عالم گیر نے کیا، مگر اس کے بعد مسلمانوں کا ایسا زوال شروع ہوا جو بڑھتا ہی گیا۔ حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء میں مسلم حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

تیسرا دور:

جب زوال شروع ہوتا ہے تو کسی بھی قوم میں توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی بسیرا کرنے لگتی ہے۔ اپنی علمی پسماندگی اور کچھ ہندوؤں سے میل جول کے نتیجہ میں یہ وبا مسلمانوں میں بھی پیدا ہوگئی، مشرکامہ خیالات بھی در آئے۔ اس کی مثال شیخ سدو کی بدروح ہے، جس کی تردید سیّد اسماعیل دہلوی، احمد رضا خان بریلوی اور مفتی محمد شفیع کی کتب میں موجود ہے۔ گویا ڈیڑھ سو سال تک یہ شخصیت مسلمانوں میں مقبول رہی اور اس کی نذر و نیاز دیتے رہے۔

۱۸۵۷ء میں ہندو مسلم اتحاد نے آزادی کی جنگ لڑی مگر ناکام رہے۔ عسکری محاذ پر ناکامی کے بعد علماء نے دینی مدارس کی شکل میں علمی تحریک چلائی، مثلاً دارالعلوم دیوبند، احمد رضا خان کا مدرسہ منظر الاسلام، ندوۃ المصنّفین، سرسیّد کی تحریک علی گڑھ وغیرہ۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ خود کو دیوبندی کہلاتے اور بریلی مدرسہ کے فارغ یا ان کے نظریات سے ہم آہنگ خود کو بریلوی کے نام سے موسوم کرتے۔

بنیادی طور پر اگرچہ دونوں جماعتیں سنی نظریات کی حامل تھیں، قرآن، حدیث، عقائد اور فقہ کی کتب بھی مشترکہ تھیں، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فاصلے بڑھتے چلے گئے۔ ۱۳۲۴ھ کے تکفیری فتویٰ کے بعد اختلاف نے عداوت کی شکل اختیار کرلی۔ سرِ عام منبروں پر سخت کلامی کا سلسلہ چل نکلا۔ فرقہ وارانہ فسادات بھی ہوئے۔ حالانکہ برصغیر کے اسلامی دورِ حکومت میں ہندو مسلم فسادات بھی نہیں ہوتے تھے۔

وہابی:

Marfat.com

قیام پاکستان تک عام لوگ وہابی اور دیوبندی کو ایک جماعت خیال کرتے، حالانکہ یہ بات غلط تھی۔ بقول مفتی محمد شفیع ''شیخ عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں کو وہابی کہا جاتا ہے۔ یہ بدعات کے ردّ میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ بعض ایسی چیزوں کو بھی بدعت کہہ دیتے ہیں، جو شرعاً بدعت نہیں۔ شخصی تقلید کو بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ بعض ناواقف لوگ دیوبندی کو وہابی کہہ دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں۔''[۳]

یہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ۱۷۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ سعود قبیلہ نے ان کی پیروی کی۔ یہ لوگ قلم کی بجائے تلوار کے دھنی تھے۔ تھوڑی مدت میں حجاز پر قابض ہوگئے۔ پھر ترکوں نے انہیں پسپا کردیا۔ بیسویں صدی کے شروع میں اس تحریک نے دوبارہ زور پکڑا۔ ۱۹۰۲ء میں ریاض پر قبضہ کرلیا۔ شاید احمد رضا خاں بریلوی کو اس کا علم نہ تھا۔ آپ نے ان کی حکومت کا یہ کہہ کر انکار کیا کہ ''وہابیوں کی کہیں ایک پڑیا بھی نہیں۔''[۴] پھر ۱۹۲۵ء میں ان لوگوں نے مکہ اور جدہ پر قبضہ کرلیا۔ بریلوی حضرات ان کے شدید مخالف تھے۔ اس لئے انہوں نے حج کے فریضہ کو ساقط کردیا۔

قیام پاکستان کے بعد حالات بدلنے شروع ہوئے۔ دیوبندی اور بریلوی منافرت کم ہونے لگی جس کی وجوہات یہ تھیں۔

۱۔ غیروں کی سازشیں ختم ہوگئیں۔ نسلیں تبدیل ہوگئیں۔ تکفیری فتویٰ کے زخم مندمل ہوگئے۔

۲۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں دونوں جماعتیں اکٹھی ہوئیں۔ مولوی ابوالبرکات کی صدارت پر اتفاق ہوا۔ پھر ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں دونوں جماعتیں متفق ہوئیں۔ بعدازاں ۱۹۷۷ء میں بھٹو کے خلاف سیاسی تحریک چلی۔ مفتی محمود کی سیاسی قیادت کو تسلیم کیا۔ احمد شاہ نورانی کو پارلیمانی انتخاب میں دونوں جماعتوں نے ووٹ دیا۔ اس سیاسی اتحاد کی بدولت دونوں جماعتوں کی مذہبی رقابت کا دبنا اگرچہ وقتی عمل تھا، مگر مستقبل میں اتفاق کے لئے یہ روشن مثال ہے۔

۳۔ عمومی خوشحالی اور سفری سہولتوں کے باعث لوگوں میں حج وعمرہ کی سعادت حاصل

Marfat.com

کرنے کا شوق بڑھا۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ حرمین جانے، ان کے پیچھے نماز پڑھنے اور وہاں ملازمتیں کرنے سے مذہبی شدت پسندی کا گراف گر گیا۔ اکیسویں صدی کے شروع میں شمالی علاقہ کے طالبان نے انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا۔ مگر اب حالات پرسکون ہیں۔ مذہبی معاملات میں ٹھہراؤ ہے۔

❀•❀

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ اتھروید، کانڈ نمبر ۱۰، سوکت ۲، منتر ۲۶ تا ۳۳۔
۲۔ مروج الذھب، جلد ۲، باب ۲۹۔
۳۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۱:۲۴۲۔
۴۔ احکام شریعت، ۲:۱۲۲۔

❀•❀

Marfat.com

محمد قاسم نانوتوی

آپ کی ولادت ۱۸۳۲ء/ ۱۲۴۸ھ کو سہارن پور کے نواحی قبضہ نانوتہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ بچپن سے نہایت ذہین، طباع، محنتی اور سعادت مند تھے۔ ساتھیوں میں نمایاں رہتے۔ دیوبند میں فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا مملوک علی کے ہمراہ ۱۲۶۰ھ میں دہلی پہنچے۔ شاہ ولی اللہ کے چھوٹے صاحبزادے شاہ عبدالغنی سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔ حاجی امداداللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی سلسلہ سے منسلک ہوئے۔ قیام دہلی کے دوران کچھ عرصہ دہلی کالج میں ریاضی سیکھی۔

آپ کے مرشد حاجی امداداللہ کا آپ کے بارے میں قول ہے ''ایسے لوگ کبھی کبھار پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے۔'' آپ خوش طبیعت، حد درجہ سادہ، منکسر المزاج، شہرت سے گریزاں، بڑائی اور ریاکاری سے متنفر تھے۔

کارنامے:

آپ کی مختصر زندگی سہ گونہ جہاد پر مشتمل تھی۔ فکری جہاد، علمی جہاد، عملی جہاد۔

ا۔الف: **فکری جہاد:** آپ کا عظیم کارنامہ ہندوستان میں علوم دینیہ کی نشأۃ ثانیہ کے لئے تعلیمی تحریک کا احیاء اور مدارس دینیہ کے لئے رہنما اصول وضع کرنا تھا۔ جن پر مدارس دینیہ کی بقاء کا انحصار ہے۔ ان کی توجہ اور ترغیب سے مختلف مقامات پر دینی مدارس جاری ہوئے۔

ب: درس حدیث میں مذہب حنفیہ کے اثبات وترجیح کا وہ طریقہ اور انداز جو آج دارلعلوم دیوبند کا امتیاز اور تقریباً تمام مدارس میں رائج ہے۔ اس کے فروغ میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔

Marfat.com

ورنہ تیرہویں صدی ہجری کے وسط تک درسِ حدیث میں، حدیث کا ترجمہ اور مذاہب اربعہ کا بیان ہوتا۔ جس کی وجہ سے اہل حدیث طبقہ کے لوگ، حنفیہ پر الزام لگاتے کہ ان کا مذہب حدیث کے موافق نہیں۔

۲۔ **لسانی جہاد:** ہندوستان میں انگریزی اقتدار سے شہ پا کر عیسائیت نے فروغ پانا شروع کیا۔ ہندوستانی عوام خصوصاً مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی زبردست کوشش شروع ہوئی ملک کے طول وعرض میں مسیحی تبلیغی ادارے قائم ہوئے، پادری لوگ بازاروں، میلوں اور عام مجمعوں میں اسلام اور نبی اکرم علیہ السلام پر اعتراضات کرنے لگے۔ جواباً حضرت نانوتوی نے شاگردوں سے کہا کہ وہ بھی اسی طرح بازاروں میں کھڑے ہوکر وعظ کریں اور پادریوں کا رد کریں۔ ایک مرتبہ خود مجمع میں پہنچے اور پادری تارا چند سے مناظرے میں اسے شکست دی۔ میلہ خداشناسی جہاں پور اور مناظرہ رڑکی اسی قسم کے واقعات کا حصہ ہیں۔

۳۔ **عملی جہاد:** ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف لڑے اور ضلع مظفر گڑھ کی تحصیل شاملی فتح کی۔ مگر حالات نے آگے بڑھنے کی مہلت نہ دی۔

تصانیف: تصانیف کی تعداد دو درجن سے زائد ہے۔ آپ نے اس وقت کے زیر بحث مسائل پر قلم اٹھایا۔ شرعی مسائل کو عقلی انداز سے ثابت کرنے اور فلاسفہ کے مسائل کو عقلی انداز سے رد کرنے میں آپ کو زبردست کمال حاصل تھا۔

وفات: ۱۸۸۰ء/ ۱۲۹۷ھ میں ۴۹ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اور دارالعلوم دیوبند کی شمالی جانب تدفین ہوئی۔

Marfat.com

دارالعلوم دیوبند

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دس سال بعد اس مدرسہ کا آغاز بھارت کے صوبہ اتر پردیش ضلع سہارن پور کی تحصیل قصبہ دیوبند سے ہوا۔ پہلے سرپرست کا نام مولانا محمد قاسم نانوتوی تھا، جو کہ وقت کے زبردست مقرر، ہندو اور عیسائیوں کے خلاف مناظر بھی تھے۔ مدرسہ کا آغاز مسجد سے ہوا۔ باقاعدہ تعمیر ۱۸۷۶ء میں شروع ہوئی اور جلد ہی دور دور تک اس کی شہرت پھیل گئی۔ اس وقت ۱۵۰۰ طلباء کی رہائش کا انتظام ہے۔ ۱۹۲۷ء میں ۵۰ ممالک کے ۱۳۰۰ طلباء زیر تعلیم تھے۔ اس کا اپنا عظیم کتب خانہ، دارالافتاء کا الگ شعبہ، انتظام کے لئے مجلسِ شوریٰ اور مجلس انتظامیہ ہے۔ امداد کے لئے اصول ہے کہ امیروں کی بجائے متوسط اور غریب لوگوں سے قبول کی جائے۔

اس کے مقاصد قرآن و حدیث کی تعلیمات کی اشاعت و عمل، ان کے متعلقہ علوم کی تدریس، طب اور کچھ پیشہ ورانہ فنون بھی ہیں۔ کچھ عرصہ دیوبند اور علی گڑھ میں باہمی تعاون بھی رہا۔ قیام پاکستان کے بارے یہ لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ کچھ کانگریس اور متحدہ ہندوستان کے حامی تھے۔ کچھ علماء تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے لئے سرگرم تھے، مثلاً شبیر احمد عثمانی، اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع وغیرہ۔ اس ادارے سے ہر سال علماء کی بڑی تعداد تیار ہوتی ہے۔ نامور علماء کی تعداد بھی سینکڑوں میں ہے، جو اپنے علاقے کی قیادت کرتی ہے۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ ہزاروں مدارس پاک و ہند میں وجود میں آئے۔ پاکستان میں دیوبندی مدارس کا امتحانی نظام متحدہ بورڈ کے تحت ہے۔ وفاق المدارس کے نام سے یہ ادارہ ملتان میں واقع ہے۔ اس کے منتظم اعلیٰ قاری محمد حنیف مہتمم خیر المدارس ملتان ہیں۔

اہم عقائد: خالص توحید، قرآن اور حدیث سے وابستگی، جمہور ائمہ سلف کی پیروی، بدعت، رسوم، عرس، قوالی سے بیزاری، تکفیر میں محتاط، قلم و سیف سے جہاد۔

Marfat.com

مولانا احمد رضا بریلوی

آپ ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو بریلی شہر، یوپی انڈیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد غزالی زماں مولانا نقی علی اور جدامجد مولانا رضا علی خان اپنے دور کے اکابر علماء اور اولیاء میں سے تھے جو قندھار، افغانستان سے ہجرت کر کے لاہور اور پھر بریلی میں مقیم ہو گئے۔

فاضل بریلوی نے تمام مروجہ علوم وفنون اپنے والد سے حاصل کیے۔ تقریباً چودہ سال کی عمر میں سند فضیلت حاصل کی اور سند تدریس وافتاء کو زینت بخشی۔ دیگر اساتذہ کے نام علامہ احمد زینی، علامہ عبدالرحمٰن علی حسین بن صالح، شاہ ابوالحسن احمد نوری قابل ذکر ہیں۔

چودہ سال کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا اور پھر آخر عمر تک فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد رہا۔ آپ اپنے دور کے عبقری فقیہ تھے۔ تمام مروجہ اسلامی علوم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ ریاضی، علم طب، علم جفر میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ نے پچاس کے قریب علوم میں تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا۔

آپ کی تصانیف کی تعداد اہل علم کے ہاں ۱۰۰۰ تک بیان کی جاتی ہے۔[۱] مگر یہ قول عقید تمندانہ مبالغہ سے خالی نہیں، کیونکہ آپ کے اپنے بیان کے مطابق ۱۹۲۰ء میں آپ کی کتب کی تعداد ۴۰۰ تھی، جن میں سے دو صد کتب اس وقت تک شائع ہو چکی تھیں۔[۲] آخر عمر میں بینائی بھی متاثر تھی، ۱۹۲۱ء میں آپ کی وفات ہو گئی۔

آپ کی شاہکار تصنیف فتاویٰ رضویہ ہے جس کا اصل نام العطایا النبویہ فی فتاویٰ الرضویہ ہے، جو کہ پہلے بارہ جلدوں میں مطبوع تھا۔ پھر ترجمہ وتخریج اور ۲۰۶ رسائل کی شمولیت سے ۳۰ جلدوں میں مطبوع ہوا۔ رضا فاؤنڈیشن جامع نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ

Marfat.com

لاہور سے شائع ہوا۔ تصانیف میں دوسرا بڑا کام قرآن کریم کا اردو ترجمہ ہے، جو کنز الایمان کے نام سے مطبوع اور بریلوی حلقوں میں نہایت مقبول ہے۔ شعر وادب میں آپ کا شمار قادر الکلام اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے حمد باری تعالیٰ، نعت اور منقبت کو منتخب کیا۔ قصیدہ معراجیہ، قصیدہ نوریہ اور مقبولیت عامہ حاصل کرنے والا اسلام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

بریلوی مسلک میں آپ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تمام عقائد ونظریات میں آپ کی کتب اور تشریحات کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

آپ عمر بھر سیاسی سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہے۔ ہندو مسلم اتحاد سے بیزار، تحریکوں سے کنارہ کش بلکہ مخالف تھے۔ حکومت مخالف سرگرمیوں میں حصہ لینے کی بجائے آپ سلامت روی کے قائل تھے۔ عدم استطاعت اور کمزوری کی وجہ سے ایسے اقدامات کو مسلمانوں کے لئے نقصان دہ خیال کرتے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ فتاویٰ رضویہ، ۳۰:۲۰۔

۲ ایضاً، ۲۹:۵۹۶۔

Marfat.com

دارالعلوم منظر الاسلام

مدرسہ کا یہ تاریخی نام ہے اور بریلی شہر کے محلّہ سوداگراں کی طرف واقع ہے۔ بھارت میں بریلی نام کے دوشہر ہیں۔ رائے بریلی، جہاں سے سید احمد شہید نے اپنے تحریک کا آغاز کیا تھا۔ دوسرا بانس بریلی۔ یہ شہر دہلی سے ایک سوتیس میل جنوب مشرق کی سمت ہے۔

اس مدرسہ کا اجراء ۱۹۰۴ء میں ہوا۔ حکیم سید محمد امیر اللہ نے ترغیب دلائی کہ دیوبندیت کا مقابلہ کرنے کے لئے مدرسہ کا اجراء ضروری ہے۔ خان بریلوی نے اپنی تصنیفی مصروفیات کے باعث اس سے انکار کیا۔ مگر شدید اصرار کی بناء پر آپ نے ہاں کردی۔

مدرسہ کے پہلے مہتمم حسن رضا متعین ہوئے جو کہ خان بریلی کے چھوٹے بھائی تھے۔ پھر خان بریلوی مہتمم بن گئے۔ مگر اپنی علمی مشغولیات کے باعث انتظامی ذمہ داریوں سے دست بردار ہوگئے، اور اپنے بڑے بیٹے حامد رضا کو مہتمم بنادیا۔ ایک معاون [1] شخص کے ذاتی مکان میں دوطلبہ سے تدریس کا آغاز کیا۔ خان بریلوی نے بخاری شریف پڑھائی۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۳۵ء تک بہار شریعت کے مولف امجد علی صدر مدرس رہے۔ فیصل آباد کے مشہور بزرگ محدث اعظم پاکستان نے یہاں سے تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد اسی جگہ مدرس اور پھر صدر مدرس رہے۔ خان بریلوی اپنی جیب خاص سے طلباء کی دعوت وضروریات پوری کرتے۔ تقسیم ہند کے بعد بریلی شہر کی اکثر آبادی ہجرت کر کے پاکستان آگئی، جس سے مدرسہ کے طلبہ اور عملہ کی تعداد پر منفی اثر پڑا۔ بعدازاں مدرسہ مالی بحران کا شکار بھی ہوا۔

پاکستان کے طول وعرض میں چھوٹے بڑے بریلوی مدارس کا وسیع سلسلہ ہے۔ امتحانی نظام کو یکجا کرنے کے لئے، اتحاد المدارس کے نام سے بورڈ ہے جو کہ کراچی میں واقع

۱۶۰۰۲۴

Marfat.com

ہے، اس کے موجودہ سرپرست مفتی منیب اللہ ہیں۔ اہم عقائد، انبیاء کرام سے گہری عقیدت و نسبت، ان کے کسی وصف کو معمولی چیز سے تشبیہ دینے کو توہین اور کفر قرار دینا۔ صوفیا و اولیاء کو امت کے ستون سمجھنا، بلند آواز سے درود و ذکر، میلہ و میلاد، عرس، قوالی، پختہ قبور اور نذر و نیاز کو درست خیال کرنا، فضائل و کرامات کو اہمیت دینا۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ محدث اعظم پاکستان، ۱:۹۸۔

Marfat.com

فصل دوم: عقائد

توحید

اسلام کے تصور الٰہ کے مطابق، اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ بدیع السموات والارض ہے۔ اس نے کسی نقشے اور مادے کے بغیر اس کائنات کو وجود بخشا۔ اس کے علاوہ تمام اشیاء حادث ہیں۔ مادہ اور ارواح بھی اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ ارض وسماء کی تخلیق کے بعد ہر چیز پر اس کا اقتدار نافذ ہے۔ اسلام میں نہ تو معطل خدا کا تصور ہے، نہ ہی کسی ذیلی الٰہ کی گنجائش ہے۔ وہ رب العالمین اور ارحم الراحمین ہے۔ ہر آن اس کی نئی شان ہے۔

صمد:

اسلام کے تصور الٰہ میں سب اس کے محتاج اور وہ ہر طرح سے بے نیاز ہے۔ وہ مجبور یا مسلوب الاختیار نہیں۔ کیونکہ اِلٰہ وہ ہوتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ بے شک اس کے دوست ''اولیاء'' ہیں۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ کمزور ہے۔ آیت ہے ولم یکن له ولیٌ من الذل [1] مدد تین قسم کے افراد سے لی جاتی ہے۔ اس آیت میں تینوں کی نفی ہے۔ وہ چھوٹا ہو جیسے اولاد، مساوی ہو جیسے شریک، وہ بڑا ہو جیسے والد، سربراہ اور اللہ سے برتر کوئی نہیں۔ اسی لئے حکم ہے، صرف اسی کی برتری بیان کرو۔ و کبره تکبیراً [2]

کبریائی:

اللہ تعالیٰ اکبر اور کبیر ہے۔ وہ ملک الملوک ہے، آسمان و زمین کی ہر چیز اس کی مملوک اور غلام ہے۔ خان بریلی، بخاری شریف سے نقل کرتے ہیں ''کوئی شخص بغیر اللہ کی

Marfat.com

رحمت کے، اپنے اعمال سے جنت میں نہیں جا سکتا۔'' صحابہ نے عرض کیا ''نہ آپ؟'' ارشاد فرمایا ''اور میں بھی، جب تک میرا رب رحمت نہ فرمائے۔''[۳]

اسی مفہوم کو سلطان المشائخ نے دوسرے انداز سے بیان کیا۔ مذہب اشعری میں جائز ہے کہ حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ کو دوزخ میں لے جائے اور ہمیشہ دوزخ میں رکھے اور کافر کو ہمیشہ کے لئے جنت میں ہی رکھے۔[۴]

تصوف کی کتب میں اس قسم کی متعدد روایات ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تصوف کی کتب کا زیادہ تر حصہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بیان پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، تذکرۃ الاولیاء، وغیرہ۔

توحید:

اسلام کے تصور الٰہ میں وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ اس کی بیوی ہے نہ اولاد، ثنویت کی گنجائش ہے نہ تثلیث کا خیال، دیوتا کا تصور ہے نہ کسی اوتار کا تخئیل، حلول کا نظریہ ہے نہ حد بندی کا گمان۔ یہاں تمثیل کی اجازت نہیں۔ اللہ مَلِک بادشاہ ہے، مگر بے وزیر۔[۵]

نبی اکرم علیہ السلام نے جس ماحول میں توحید کا اعلان کیا، وہاں ہر طرف بت پرستی اور کثرتِ اِلٰہ کا دور دورہ تھا۔ اس لئے اسلام نے عقیدہ توحید کو اس قدر نکھار کر پیش کیا کہ شرک کی آمیزش کے لئے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ چنانچہ اللہ کی ذات، اونگھ اور نیند، تشبیہ وتخئیل سے پاک ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ۔اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ آنکھ اس کے ادراک سے عاجز، عقل اس کے فہم سے قاصر، اس کی پہچان صرف اس کی صفات ہیں۔ وہ تمام کمالی، جمالی اور جلالی صفات کا مالک ومظہر ہے۔

یہ توحید، عالم ارواح کے وعدہ الست کی یاد و پکار، اسلام کا پہلا سبق اور بنیادی عقیدہ، تمام انبیاء کرام کی تبلیغ کا مرکز ومحور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۔[۶] کوہ صفا پر نبی اکرم علیہ السلام کی

Marfat.com

پہلی آواز کی یہی گونج تھی۔ آج قرآن کا ایک تہائی حصہ اسی مضمون پر ہمارے سامنے ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں ''التوحید رأس الطاعات''۔ توحید تمام عبادتوں کی اصل ہے۔

توحید کی اسی اہمیت کی بناء پر مفتی احمد یار خان گجراتی کا بیان ہے ''اگر کسی کو نبوت کے احکام نہ پہنچیں تب بھی اسے توحید کا اقرار ضروری ہے، کیونکہ ہر ذرہ توحید کی گواہی دے رہا ہے۔ ۷

توحید کی اسی اہمیت کا یہ تقاضا ٹھہرا کہ مخلوق کی عبادت حرام، سجدہ تعظیمی بھی حرام، غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ حرام، حتیٰ کہ نذر و نیاز بھی حرام۔

معبود:

اللہ تعالیٰ سب کا معبود اور کائنات کی ہر چیز اس کی طرف ساجد اور عابد ہے۔ قرآن کا فرمان ہے: ''جن وانس کی پیدائش کا مقصد صرف اسی رحمٰن کی عبادت ہے۔

تمام عبادات اور دعائیں اسی کے نام سے شروع ہوتی ہیں۔ نماز میں سورہ فاتحہ کا تکرار اسی کی عظمت کا اظہار ہے۔ انسان جس قدر عبادت وانکساری کرے گا، اللہ کے ساتھ تعلق اتنا ہی گہرا ہوگا۔ حدیث قدسی ہے ''اے ابن آدم! اگر تُو زمین بھر کر گناہ لائے۔ پھر تو مجھے اس طرح ملے کہ شرک سے پاک ہو تو میں اسی قدر تیری طرف مغفرت لاؤں گا۔'' ۸

حواشی وحوالہ جات:

۱ بنی اسرائیل:۱۱۱۔
۲ تفسیر عثمانی، بنی اسرائیل:۱۱۱۔
۳ ملفوظات، ۳:۴۲۰۔
۴ سیر الاولیاء، ۸۵۵
۵ فتاویٰ رضویہ، ۲۹:۳۴۰۔
۶ الانبیاء:۲۵۔
۷ تفسیر نور العرفان، المائدہ:۹۳۔ ۸۔ ترمذی، ابواب الدعوات۔

Marfat.com

شرک

توحید کا متضاد شرک ہے، جس کے لفظی معنی ہیں حصہ داری اور ساجھا پن۔ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد ہے، اللہ کی ذات، صفات اور تقاضوں میں کسی دوسرے کو شامل کرنا۔ شرک کی یہ تین عمومی اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

پہلے دو معنی کے اعتبار سے کوئی مسلمان شرک کا ارتکاب نہیں کرتا۔ البتہ تیسرا مفہوم یعنی تقاضوں میں شرک کا وصف بعض مسلمانوں میں موجود ہے کہ غیر اللہ کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کرنا چاہئے۔ مثلاً نذر و نیاز وغیرہ۔

قرآن وحدیث میں شرک کی شدید ترین مذمت مذکور ہے۔ مثلاً اِنَّ اللہ لَا یغفِرُ اَنْ یُّشرَکَ بِہٖ[1]۔ بے شک اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ جسے چاہے گا معاف کردے گا۔ دوسری آیت ہے، اِنَّ الشِّرکَ لَظُلمٌ عظِیمٌ[2] بلاشبہ شرک بڑا ظلم ہے۔ اسی بناء پر شرک کو کبیرہ گناہوں میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے مشرک کا ذبیحہ حرام، اس سے نکاح حرام، اور اس کا مقام خلود فی النار، نیز کفر کی اقسام میں سے شرک کو بدترین کفر قرار دیا گیا۔

آغاز، وجوہات:

اس سلسلے کی ایک بحث یہ ہے کہ شرک کا آغاز کیونکر ہوا۔ جبکہ کائنات کا پہلا انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام تو موحد تھے۔ مذہب و تاریخ کے مطالعہ سے اس کی درج ذیل وجوہات سامنے آتی ہیں:

۱۔ **غلو:** شرک کا باقاعدہ آغاز حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے ہوا۔ جیسا کہ امام بخاری

Marfat.com

نے سورہ نوح کی تفسیر میں لکھا کہ وُدّ، سواع، یغوث اور نسر اس قوم کے صالحین کے نام تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی یاد تازہ کرنے کے لئے قوم نے ان کے ناموں سے بت بنائے۔ پھر اگلی نسل نے شیطان کے بہکاوے میں آکر ان بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ فاضل بریلوی نے بھی اسی تفسیر کو بیان کیا۔[۳]

۲۔ **حکمران:** گذشتہ دور کے ظالم و سرکش بادشاہوں نے اپنی عظمت اور دہشت پیدا کرنے کے لئے خدائی دعوے کیے۔ پھر عوام نے بھی انہیں خدا تسلیم کرلیا۔ مثلاً فرعون ونمرود وغیرہ۔

۳۔ **ماحول:** انسانی مزاج اور فطرت پر ماحول بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنواسرائیل مصر کے مشرکانہ ماحول میں ایک مدت تک مقیم رہی۔ فرعون کی غرقابی کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر آگے بڑھے، تو ایک مقام پر بت پرستی کا منظر و ماحول دیکھ کر انہوں نے آپ سے مطالبہ کر دیا کہ ہمارے لئے بھی ویسا ہی معبود بنا، جس طرح ان کے معبود ہیں۔ **اِجْعَل لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُم اٰلِهَةٌ**[۴]

۴۔ **تقلید:** بڑوں کی تقلید کرنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا قوموں کا مزاج ہے۔ اہل مکہ سے جب کہا گیا، اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب پر ایمان لاؤ، تو انہوں نے جواب دیا "ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر اپنے آباءواجداد کو پایا۔[۵]

شرک کی صورتیں:

ا۔ **بت پرستی:** یہ شرک کی سب سے بڑی اور پہلی قسم ہے۔ دنیا کے ہر حصے میں موجود تھی اور آج بھی بہت سے علاقوں میں موجود ہے۔

۲۔ **ملائکہ پرستی:** عرب کے لوگ انہیں خدا کی بیٹیاں کہتے۔ ہندوستان میں دیوی سمجھا گیا۔ اسی کے قریب ارواح پرستی ہے، جو کہ ہندوستان اور چین کا بڑا مذہب تھا۔ عرب میں جن پرستی کا تصور بھی ایک حد تک تھا۔

Marfat.com

۳۔ **مناظر پرستی:** مختلف اقوام میں فطری مناظر کی پوجا بھی تھی۔ مثلاً دریا، پہاڑ، سورج، چاند، درخت وغیرہ۔

۴۔ **شخصیات:** قوم کے بڑے رہنماؤں یعنی ہیروز کو عموماً خدا ٹھہرا دیا جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال تو واضح ہے۔ اس کی دوسری مثال گوتم بدھ ہے، جو وادی نیپال سے اٹھا اور مختلف علاقوں میں تبلیغ کرتا رہا۔

۵۔ **قبر پرستی:** شرک کی یہ صورت یہود و نصاریٰ میں تھی، نبی اکرم علیہ السلام نے اس کی مذمت کی اور اس پر لعنت بھیجی۔ آپ نے دعا مانگی **اَللّٰھُمَّ لا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَ ثناً یُعْبَدُ** .....[۶] اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا۔ اس قوم پر اللہ کا شدید غضب نازل ہوا جنہوں نے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔

اس بارے میں نصرانی زیادہ بدتر ہیں۔ فاضل بریلوی کے بقول، یہود سے عبادت غیر خدا معروف نہیں۔ لہٰذا علماء نے فرمایا کہ یہودیت سے نصرانیت زیادہ بدتر ہے کہ نصاریٰ کا خلاف توحید میں ہے اور یہود کا صرف رسالت میں۔[۷]

تقارب:

دیوبندی و بریلوی دونوں مکتب فکر، توحید کی اہمیت اور شرک کی مذمت پر متفق ہیں۔ مگر دیوبندی مکتب فکر کا رجحان توحید کی طرف زیادہ ہے۔ جبکہ برصغیر کے بعض علماء شرک کے معاملے میں متشدد بھی ہیں۔ مثلاً سیّد اسماعیل دہلوی نے قرآن کی قسم اٹھانے کو بھی شرک قرار دیا، مگر اب یہ خوشگوار تبدیلی آرہی ہے کہ ان کی کتاب **تقویۃ الایمان** کے جدید ایڈیشن کے حاشیہ میں اس عبارت کو سہو قرار دیا اور یہ وضاحت کی کہ قرآن کی قسم کھانے سے شرک واقع نہیں ہوتا۔[۸]

اس طرح مختلف مواقع پر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو سدِّ ذرائع کے طور پر شرک لکھ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مفضی الی الشرک ہوتی ہیں، گو بذات خود شرک نہیں۔ مثلاً تعظیمی سجدہ منع ہے مگر شرک نہیں۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات:

۱ النساء:۴۸۔

۲ لقمان:۱۳۔

۳ فتاویٰ رضویہ،۲۴:۵۱۹۔

۴ الاعراف:۱۳۸۔

۵ البقرہ:۱۷۰۔

۶ موطاء امام مالک۔

۷ فتاویٰ رضویہ،۲۲:۴۵۷۔

۸ تقویۃ الایمان،۴۱۔

Marfat.com

نبوت ورسالت

انسانی پیدائش کے ساتھ ہی رب کریم نے اس کی رہنمائی کا انتظام کیا۔ یعنی نبوت و رسالت ایک خداداد منصب ہے، جو اعلیٰ صفات وکمالات کے حامل نفوسِ قدسیہ کو عطا کیا جاتا ہے۔ یہ انبیاء کرام، معصوم عن الخطاء، امین اور واجب الاطاعت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا براہ راست رابطہ ہوتا ہے اور اسی سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ اس سلسلے کی آخری کڑی نبی اکرم ﷺ ہیں۔ آپ کی بعثت کا مقصد، قرآن کی تلاوت، اس کی تعلیم، حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی۔ رَبّنا وَ ابعَث فِیھم رَسولاً.....[1]

قرآن کریم نے آپ علیہ السلام کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر کہا۔ دیگر انبیاء علیہم السلام سے آپ کی مدد کا عہد لیا۔ آپ انبیاء علیہم السلام کے امام اور روز قیامت شفاعتِ کبریٰ کا استحقاق آپ کا اعزاز ہوگا۔ قرآن کے الفاظ ہیں واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ تواباً رحیماً، (اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتے، تو وہ اللہ کو معاف کرنے والا پاتے)۔

بقول مفتی شفیع، اس سے عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آپ کی خدمت میں حاضری جیسے دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی ہے، آج بھی روضۂ اقدس پر اسی حکم میں ہے۔[2]

آپ علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر ہمارے ایمان کا حصہ اور آپ کی اطاعت واتباع اخروی نجات کا ذریعہ ہے۔ آپ سے متعلقہ آداب سورہ حجرات میں مذکور ہیں کہ اللہ و رسول سے پیش قدمی نہ کرو۔ گفتگو کے وقت اپنی آواز، نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، ورنہ تمہارے اعمال

Marfat.com

ضائع ہوجائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔[۳]

دوسرا رخ:

نبی اکرم ﷺ کے مقام ومرتبہ میں افراط وتفریط سے بچنا، یعنی نبوت ورسالت کی حدود ملحوظ رکھنا اور غلو سے احتراز کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ آپ عبد ہیں معبود نہیں، مخلوق ہیں خالق نہیں، آپ احکام الٰہی کے پابند ہیں۔ قرآن کریم میں آپ کے لئے عتاب وتنبیہ پر مشتمل آیات بھی ہیں۔ انسانوں کی یہ کمزوری ہے کہ وہ پیکر محسوس کے خوگر ہیں۔ کسی بھی عظیم محسوس وجود کو بالخصوص اپنے رہنما کو ہدایت کے منصب سے بلند کر کے خدائی منصب سے نواز دیتے ہیں۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بذات خود الٰہ ٹھہرا دیا۔ دینِ ابراہیمی میں توحید اس قدر ٹھوس اور واضح تھی کہ آپ کے متبعین، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفت الوہیت سے متصف نہ کر سکے۔ اہل مکہ اپنے ابراہیمی ہونے پر فخر کرتے، مگر انہیں خدا قرار دینے کا خیال دل میں لا سکے۔ اسی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی کے طور پر نبی اکرم علیہ السلام دینِ ابراہیمی کا آخری ایڈیشن لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ شخصیات رخصت ہوجاتی ہیں۔ پھر ان کی تعلیمات بھی مکدر ہوجاتی ہیں، مگر اسلام کی تعلیمات، قرآن وحدیث کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ اور موجود ہیں۔

معجزہ: نبی کا ایک امتیازی وصف معجزہ ہوتا ہے۔ یعنی وہ کام جسے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی تائید کے لئے اس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے لوگ ایسا کام کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ یہ عجیب امور خلافِ معمول اور خوارقِ عادت ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام کی صداقت کی علامت ہوتے ہیں، مگر نبوت کا لازمہ نہیں ہوتے۔

تقارب: نبی اکرم ﷺ کی مذکورہ بالا حیثیت ومرتبت پر دیوبندی و بریلوی دونوں جماعتوں کا مکمل اتفاق ہے، مگر بریلوی مکتب میں نبی اکرم علیہ السلام سے عقیدت ومحبت کا جذبہ زیادہ ہے۔ ان کی تقاریر، خطبات اور کتب میں آپ علیہ السلام کے فضائل، کمالات اور معجزات کے بیان پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ضعیف احادیث کو بھی خوش دلی سے قبول کرلیا

Marfat.com

جاتا ہے۔ مثلاً خان بریلوی لکھتے ہیں ''حضور ﷺ کے والدین کو زندہ فرمایا، وہ ایمان لائے۔ یہ ضعیف حدیث ہے اور مخالف حدیث کے لئے ناسخ ہے کہ اس میں منقبت ہے۔ اگرچہ ہم نسخ کے قائل نہیں۔'' ۴ یعنی آپ کی عقیدت نے گوارا نہ کیا کہ نبی علیہ السلام کے والدین کے بارے میں عدم ایمان کا لفظ بولا جائے۔ اسی طرح قرآنی آیت ہے کہ ''اگر زمین کے تمام درخت قلم اور سمندر سیاہی بنے .....تو اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔'' اس پر مفتی احمد یار کی تشریح ہے ''اس میں اللہ کی حمد اور حضور کی نعت دونوں شامل ہیں۔'' ۵ حالانکہ آیت میں صرف اللہ کا ذکر ہے۔

دیوتا: سامی ادیان یعنی یہود، عیسائیت اور اسلام میں الٰہ کے بعد نبوت کا تصور ہے۔ جس کا اطلاق ایسے مقدس انسان پر کیا جاتا ہے، جس کی طرف وحی آتی ہو، اس میں الوہی صفات نہیں ہوتیں۔ اس کے برعکس ہندی مذہب میں دیوتا کا تصور ہے، یعنی ایسی ہستی جس کے متعلق خیال ہو کہ اس میں خرقِ عادت طاقت ہوتی ہے۔ یعنی خدا، فرشتہ، صنم، کوئی جانور وغیرہ۔ (جسے مقدس سمجھیں، مثلاً سانپ، بزرگ۔) معلوم ہوا کہ ان دونوں تصورات میں واضح فرق ہے۔ نبی کا انسان ہونا ضروری ہے اور معجزہ بھی لازمی نہیں جبکہ دیوتا غیر انسان بھی ہوسکتا ہے مگر اس میں چونکہ الوہی صفات ہوتی ہیں، اس لئے اس کی تعظیم بھی الوہی انداز میں کی جاسکتی ہے، جس سے شرک کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ البقرہ:۱۲۹۔
۲ تفسیر معارف القرآن، النساء:۶۴۔
۳ الحجرات:۲۔
۴ فتاویٰ رضویہ، ۵:۵۹۷۔
۵ تفسیر نور العرفان، لقمان:۲۷۔

Marfat.com

بشریت

انبیاء علیہم السلام کی بشریت قرآن وحدیث سے واضح ہے، لہٰذا قطعی الثبوت ہے۔ اس میں شک کی مجال ہو ہی نہیں سکتی۔ فرشتہ اگر رسول ہوتو اسے ملک رسول، اور اگر انسان رسول ہوتو اسے بشر رسول کہتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام از آدم تا حضور اکرم علیہم السلام، انسان تھے۔ آیت ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِن قَبلِکَ اِلّا رِجَالاً نُّوحِی اِلَیْھِم ۔[1] (آپ سے پہلے ہم نے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا جن ک طرف وحی اتارا کرتے۔)

قرآن نے نبی اکرم کا پیغام سنایا ھل کنتُ الّا بشراً رَّسولا ۔[2] (میں تو انسان ہوں رسول بنایا گیا۔) دوسری آیت ہے۔ انما انا بشر مثلکم ۔[3] (میں تمہاری طرح انسان ہوں۔) نماز میں بھولنے کے موقعہ پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''میں تمہاری طرح انسان ہوں، جیسے تم بھولتے ہو، میں بھی بھولتا ہوں، مجھے یاد کرادیا کرو۔''[4]

حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کان بشراً من البشر یُفلی ثوبہٗ .....[5] (انسانوں کی طرح انسان تھے.....)

فاضل بریلوی کا قول ہے ''آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں، ابوبکر وعمر ایک مٹی سے بنے ہیں، اسی میں دفن ہوں گے۔''[6]

مفتی محمد شفیع کا قول ہے ''اللہ کا رسول جن لوگوں کی طرف بھیجا جائے، وہ انہی لوگوں میں سے ہونا ضروری ہے۔''[7]

پیر کرم شاہ لکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ صفت بشریت سے متصف ہیں اور حضور علیہ کی بشریت کا انکار سرتا پا غلط ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بشر کہنے میں تعظیم ہے یا

Marfat.com

تنقیص۔ پیر مہر علی شاہ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ بشر مفہوماً اور مصداقاً متضمن بکمال ہے۔۸

مفتی احمد یار کے بقول بشر مثلکم کے معنی ہیں حضور علیہ السلام خالص بشر ہیں۔ نہ خدا، نہ خدا کے بیٹے، خالص بندے ہیں۔ لہٰذا بشریت، نورانیت کے خلاف نہیں۔"۹

انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے، لہٰذا نبوت کے لئے بشریت باعث کمال ہے نہ کہ باعث حقارت۔ کافر لوگ انبیاء علیہم السلام کو بشر کہتے، مگر اس قول سے ان کا مقصد نبوت کا انکار ہوتا، کیونکہ ان کے خیال میں نبوت و بشریت کا ایک جگہ جمع ہونا محال تھا۔ وہ سمجھتے کہ رسول صرف ملائکہ ہی ہوسکتے ہیں۔ کوئی انسان رسول نہیں ہوسکتا۔ قرآن نے بتلایا کہ تمہارا خیال غلط ہے۔

خلاصہ یہ کہ وہ لوگ نبی کو بشر کہنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے بلکہ نبوت و رسالت کے انکار کی وجہ سے کافر ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ ان کے ہاں نبی کو بشر کہنے میں تحقیر مقصود نہ تھی۔ اس نظریہ حقارت کی تردید فرعون کے سرداروں کے اس قول سے ہوتی ہے انو من لبشرین مثلنا ۔۱۰(کیا اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں۔) اس فقرے میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو اپنی مثل بشر کہا، اگر ان دونوں نبیوں کی تحقیر مقصود ہوتی تو اپنی مثل بشر کہہ کر خود اپنی تحقیر نہ کرتے۔

یہاں چند پہلو قابلِ توجہ ہیں۔

۱۔ انبیاء علیہم السلام کا خود کو بشر کہنا تواضع نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کیونکہ ان بیانات کے مخاطب کفار ہیں۔ نبی کفار کے سامنے تواضع نہیں کرتا بلکہ حقیقت کا اعلان کرتا ہے۔ نبی کی تواضع صرف اللہ کے حضور ہوتی ہے، کیونکہ اللہ سب سے بڑا ہے۔

۲۔ اگر بشر کے الفاظ تواضع پر محمول کریں تو فقرے کا اگلا حصہ یعنی رسول اور وحی کی آمد کا ذکر بھی عاجزی کے مفہوم پر مشتمل ہوجائے گا، جس سے پورے فقرے کا مفہوم مسخ ہوجائے گا کہ خود کو نبی کہنا بھی تواضع ہے۔

۳۔ نبی کا خود کو بشر کہنا درحقیقت مجانست کے اظہار کے لئے ہوتا کہ کھانے پینے اور دیگر لوازمات کے بارے میں، میں تمہاری طرح ہوں۔ اس سے موانست پیدا ہو اور قوم

Marfat.com

اپنے نبی کی بات توجہ سے سنے۔

۴۔ نبی کا خود کو بشر کہنا صرف صوری یا لباسی نہیں تھا، بلکہ حقیقی تھا۔ پیر مہر علی شاہ لکھتے ہیں ''جیسے اور لوازمات بشریہ مثلاً کھانا، پینا، مریض ہونا من حیث الانسانیت، ذاتِ مبارکہ کے ساتھ لگا ہوا تھا، اسی طرح سحر کا اثر بھی من حیث البشریہ ہے نہ من حیث النبوہ۔۱۱

شاید یہی وجہ تھی کہ فاضل بریلوی نے دوسری جگہ اس آیت انما انا بشرٌ مثلکم کا ترجمہ اس طرح کیا ''آدمی ہونے میں، میں تمہیں جیسا انسان ہوں۔''۱۲ یعنی ظاہری صورت کا سابقہ نہیں لگایا۔ نیز آپ کی کتاب میں شرح عقائد نسفی کا بھی حوالہ ہے کہ نبی اس بشر کو کہتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو۔۱۳

اس تمام بحث کو مختصر لفظوں میں اس طرح سمیٹ سکتے ہیں کہ تنقیص کی نیت سے نبی کے لئے بشر کا لفظ بولنا نبی کی توہین اور گستاخی ہے۔ اسی طرح نبی کی بشریت کا انکار کرنا بھی نص قطعی کا انکار ہے، جو کہ کفر ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، تفسیر روح المعانی، ۴:۱۰۱۔

حواشی وحوالات:

۱۔ النحل:۴۳
۲۔ بنی اسرائیل:۹۳۔
۳۔ الکہف:۱۱۰۔
۴۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ۔
۵۔ شمائل ترمذی، باب تواضع رسول اللہ۔
۶۔ السنیہ الانیقہ، ۸۵۔
۷۔ معارف القرآن، بنی اسرائیل:۹۵۔
۸۔ ضیاء القرآن، الکہف:۱۱۰۔
۹۔ تفسیر نعیمی، المائدہ:۱۵۔
۱۰۔ المومنون:۴۷۔
۱۱۔ فتاویٰ مہریہ، ۱:۱۰۱۔
۱۲۔ کنز الایمان، حٰم السجدہ:۶۔
۱۳۔ ملفوظات، ۴۲۱، حاشیہ۔

Marfat.com

نور

بریلوی حضرات نبی علیہ السلام کی نورانیت کی طرف مائل ہیں۔ان کی دلیل یہ آیت ہے قَد جَاء کُم مِنَ اللہ نُورٌ وّ کتابٌ..... ۔[1] (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نوراور کتابِ مبین آئی۔اللہ اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔) اس آیت میں دو چیزیں عطف کے ساتھ موجود ہیں۔معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت ہوتی ہے۔لہٰذا نور سے مراد نبی اکرم ہیں،جیسا کہ متعدد مفسرین کا قول ہے۔

دیو بندی حضرات اسے تفسیری عطف بنا کر قرآن مراد لیتے ہیں، کیونکہ بعد ازاں یہدی یہ میں واحد کی ضمیر ہے نہ کہ تثنیہ کی۔اگر نور سے مراد نبی اکرم مراد ہوتے تو تثنیہ کی ضمیر آتی۔نیز نور کا لفظ قرآن کی سورہ مائدہ میں جگہ جگہ کتاب کے لئے آیا ہے۔مثلاً و انزلنا الیکم نوراً مبیناً.....۔انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدیً وّ نور۔لہٰذا نور سے مراد کتاب ہے۔

بریلویوں کی دوسری دلیل حدیث ہے۔''اے جابر! اللہ نے پہلے تیری نبی کا نور پیدا کیا.....۔''[2] مگر دیوبندیوں کے ہاں یہ حدیث موضوع اور غیر مستند ہے۔اس میں عبدالرزاق نامی راوی شیعہ ہے۔ پھر یہ روایت دوسری بہتر سند والی حدیث سے معارض ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔[3] نیز یہ روایت قرآنی آیت سے بھی معارض ہے کہ سب سے پہلے دھواں تھا۔وَھِیَ دَخان۔[4] پھر زمین وآسمان کو پیدا کیا۔

اگر پہلی تخلیق دھواں تھا تو وہ نور نہیں ہوسکتا۔البتہ اسے مادہ کہہ سکتے ہیں۔ پھر اس سے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔جدید سائنسی تحقیق اس مضمون کی تائید کرتی ہے۔

تقارب:

Marfat.com

۱۔ نبی اکرم ﷺ بشر تھے، کیونکہ تمام انسانی لوازمات میں آپ موجود تھے۔ نیز آپ نور بھی تھے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں متعدد مفسرین نے نور سے، نبی اکرم ﷺ کو مراد لیا ہے۔ دیکھئے جلالین وغیرہ۔

تمام اہل سنت حضرت عثمانؓ کو ذوالنورین کہتے ہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی دو بیٹیاں ان کے عقد میں آئیں۔ تو پھر ان کے والد یعنی حضور اکرم کو نور کیوں نہیں کہہ سکتے۔

۲۔ اللہ نے قرآن میں چاند کو نور کہا والقمر نوراً ۔۵ حالانکہ وہ بھی زمین کی طرح مٹی اور پتھر سے بنا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ مٹی اور نور میں تضاد نہیں۔ لہٰذا بشریت اور نورانیت دونوں کا اجتماع ایک جگہ ہوسکتا ہے۔

البتہ یہاں خاں بریلی کی یہ ہدایت ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ''ذاتی نور کہنے سے نور رسول کو جزو ذات یا عین ذات یا ٹکڑا ذاتِ خدائے تعالیٰ کا کہنا لازم آتا ہے۔ یہ کلام کفر ہے۔''۶ لہٰذا اس انداز اور مفہوم سے گریز کریں۔

۳۔ اولیت۔ خان بریلی کی تشریح ہے کہ اللہ نے زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد نبی اکرم ﷺ کو پیدا فرمایا۔۷ (نور سے مراد روح)، اس طرح تینوں امور یعنی بشر، نور اور اولیت پر دونوں جماعتوں میں تقارب بلکہ توافق ہوسکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ المائدہ:۱۵۔
۲ فتاویٰ دار العلوم، کراچی، ۱:۹۵۔
۳ ترمذی، باب القدر۔
۴ حٰم السجدہ:۱۱۔
۵ یونس:۵۔
۶ فتاویٰ رضویہ، ۳۰:۲۸۱۔
۷ ملفوظات، ۵۷۔

Marfat.com

سایہ

۱۔ دیوبندی حضرات نبی اکرم ﷺ کی بشریت کی طرف مائل ہیں۔اس لئے وجود سایہ کے بھی قائل ہیں۔ پھران کی دلیل حضرت صفیہ بنت حیَ کی روایت ہے کہ ربیع الاوّل کے مہینے میں آپ علیہ السلام اس کے ہاں داخل ہوئے۔ میں نے آپ کا سایہ دیکھا تو دل میں کہا یہ تو انسان کا سایہ ہے اور میرے ہاں نبی اکرم آتے نہیں (اونٹ نہ دینے کی وجہ سے ناراض ہیں)، پھر یہ کون شخص ہے، تو نبی اکرم داخل ہوئے۔[۱] یہ روایت مستند ہے۔

حضرت جابر سے منقول ہے کہ" ان کے والد کو میدان جنگ سے اٹھانے تک فرشتوں نے اپنے پروں سے سایہ کیے رکھا۔"[۲] معلوم ہوا کہ فرشتوں جیسی محض نورانی مخلوق کا سایہ ہوتا ہے تو پھر نبی اکرم ﷺ کا سایہ بھی بنتا ہے۔

قرآن نور ہے اس کا سایہ ہوتا ہے، چاند کو قرآن نے نور کہا، اس کا بھی سایہ ہوتا ہے۔یعنی سورج گرہن کے وقت جو اندھیرا ہوتا ہے وہ اس کا سایہ ہے۔

بریلوی حضرات نبی اکرم کی نورانیت کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ اس لئے وہ عدم سایہ کے قائل ہیں۔ جیسا کہ روایت ہے دھوپ اور چاندنی میں آپ کا سایہ نظر نہ آتا۔[۳] یہ روایت گوضعیف ہے مگر متعدد کتب میں موجود ہے۔

۲۔ بریلوی حضرات کی عقیدت پر مبنی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ سایہ پاؤں کے نیچے آنے سے آپ کی توہین ہوتی ہے۔ جبکہ دیوبندی حضرات کے خیال میں سایہ جسم کا حصہ نہیں بلکہ الگ وجود ہوتا ہے، لہٰذا توہین نہیں بنتی۔ نیز کسی بھی چیز کا سایہ پاؤں کے نیچے نہیں آتا، بلکہ پاؤں کے نیچے پاؤں کا سایہ ہوتا ہے۔ اگر توہین بنتی ہے تو پھر قرآن کی بھی توہین ہوتی ہے،

Marfat.com

کیونکہ اس کا سایہ بھی پاؤں کے نیچے آتا ہے۔

۳۔ بالفرض نور ہونے کی وجہ سے سایہ نہ ہو، تو پہنے ہوئے کپڑوں کی بنا پر سایہ ہوگا۔ آپ علیہ السلام کے متروکات یعنی، کپڑے، ناخن، بال وغیرہ اب بھی موجود ہیں جن سے تحقیق ہوسکتی ہے۔ آپ علیہ السلام آئینہ میں اپنا عکس دیکھتے، وہ بھی سایہ کی کیفیت تھی۔

تقارب:

مذکورہ بحث سے نبی اکرم ﷺ کی بشریت ونورانیت کے اختلاف کی حقیقت واضح ہوگئی، کہ بنیادی طور پر دونوں باتیں درست ہیں، تاہم پھر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس معاملے میں دونوں جماعتوں کے درمیان شدید تناؤ کیوں ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ماضی میں دونوں جماعتوں کے درمیان شدید منافرت رہی۔ دیوبندیوں کا خیال تھا کہ بریلوی لوگ نبی اکرم ﷺ کو محض نور مان کر انہیں الوہی یا دیوتائی درجہ دینا چاہتے ہیں۔ جبکہ بریلویوں کا خیال تھا کہ دیوبندی لوگ نبی اکرم ﷺ کو عام بشر سمجھ کر آپ کی گستاخی کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ خیالات حقیقت کی بجائے محض تعصب پر مبنی تھے۔۔ سائے کے بارے اختلاف ہے، مگر یہ اختلاف معمولی بات ہے، عقیدت پسند افراد عدم سایہ اور حقیقت پسند افراد سایہ کا موقف اختیار کر سکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ مسند امام احمد، ۶:۱۳۲۔

۲ صحیح بخاری، کتاب الجنائز۔

۳ فتاویٰ رضویہ، ۳۰:۶۹۶۔

Marfat.com

علم غیب

علم انسان کا ایک امتیازی وصف ہے۔اسی کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کا ظہور ہوا۔آپ نبی تھے،اور نبی کا علم، عام لوگوں سے زیادہ بھی ہوتا ہے اور قطعی بھی، کیونکہ اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔تاہم اللہ تعالیٰ اور نبی کے علم میں متعدد وجوہ سے فرق ہے۔

۱۔ **ذاتی اور عطائی کا فرق:** اللہ تعالیٰ بذات خود قائم ہے۔اس لیے اس کی ہر صفت ذاتی ہے۔جبکہ انسان اپنے وجود کے اعتبار سے عطائی ہے۔لہٰذا اس کی ہر صفت عطائی اور علم بھی عطائی ہے۔

۲۔ **اللہ کی ذات لامتناہی ہے:** اس کی ہر صفت لامتناہی اور علم بھی غیر محدود اور لامتناہی ہے۔جبکہ انسان اپنے وجود کے اعتبار سے عطائی ہے، لہٰذا اس کی ہر صفت محدود ہے اس حد کو ناپنے کا کوئی آلہ نہیں، مگر حضرت خضر کے ایک واقعہ سے اس کی تشریح ہوسکتی ہے۔جب چڑیا نے سمندر سے پانی پیا تو حضرت خضر نے فرمایا۔اے موسیٰ! میرے اور تمہارے علم کو اللہ کے علم سے وہی نسبت ہے جو چڑیا کی چونچ میں پانی کو سمندر کے پانی سے ہے۔[۱]

مفتی احمد یار کے بقول ''انبیاء واولیاء کا علم، رب کے علم کے سامنے سمندر کا قطرہ ہے۔[۲]

۳۔ **نبی اور غیر نبی کے علم کا فرق:** جیسے اللہ اور نبی کے علم میں کوئی نسبت نہیں۔اسی طرح نبی اور غیر نبی کے علم میں کوئی موازنہ نہیں۔اگرچہ ان کے لئے یکساں الفاظ آئیں۔مثلاً نبی اکرم ﷺ کے لئے الفاظ ہیں وَ عَلَّمَکَ مَا لم تَکُن تعلم [۳] (تجھے وہ کچھ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا)۔یہود کے لئے بھی ایسے الفاظ ہیں وعلمتم ما لم تعلموا۔[۴]

Marfat.com

اس جگہ ''علم'' اور ''ما'' کے یکساں الفاظ ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی وجہ سے دونوں کا علم بھی یکساں ہو۔ لفظ 'ما' اگرچہ عموم کے لئے بھی ہے، مگر اس سے کلیت ثابت نہیں ہوتی۔

۴۔ لفظ کل اگر مخلوق کے لئے ہو تو اس سے حقیقی کلیت مراد نہیں ہوتی، بلکہ محاوراتی مفہوم کے تحت اس سے مراد ہے ضرورت کی چیز۔ مثلاً حضرت ذوالقرنین کے لئے قرآنی الفاظ ہیں و اٰتیناہ من کل شیء سبباً۔ ۵ اس پر مفتی احمد یار کی تفسیر ہے، ضروریات سلطنت میں سے یہ ضروری چیزیں ہم نے اسے بخشیں۔ ۶ ملکہ بلقیس کے لئے بھی یہ الفاظ ہیں و اوتیت من کل شیء۔ ۷ اسے ہر چی دی گئی، حالانکہ وہ صرف یمن کی حکمرانی تھی۔ حدیث کے الفاظ ہیں کل بدعۃ ضلالۃ۔ ہر بدعت گمراہی ہے۔ حالانکہ بعض بدعات حسنہ ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ لفظ کل حقیقی حصر کے لئے نہیں ہوتا۔

خطا، سہو ونسیان:

مفتی احمد یار کا قول ہے ''نبی کے اجتہاد میں خطا بھی ہو سکتی ہے تو غیر نبی کے اجتہاد میں بدرجہ اولیٰ خطا کا احتمال ہے۔'' ۸ نیز آپ کا قول ہے ''انبیاء کو بھول چوک ہو جاتی ہے۔'' ۹

مسلک کا اختلاف:

بریلوی مسلک کے مطابق انبیاء کرام کا علم، اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت گو بعض ہے۔ مگر عام لوگوں کی نسبت کلی ہے۔ چنانچہ خان بریلی نے سورۃ رحمٰن کی آیت نمبر ۴ کا ترجمہ کیا 'انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔'' بریلی بزرگوار امجد علی کا قول ہے ''اللہ نے انبیاء کو اپنے غیوب پر اطلاع دی، زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے۔'' ۱۰ دوسری طرف دیوبندی بزرگ مفتی محمد شفیع کا قول ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ

Marfat.com

کو ہزاروں لاکھوں چیزوں کا علم دیا۔ بلکہ تمام فرشتوں اور اولین وآخرین کو جتنا علم دیا۔ ان سب سے زیادہ حضور اکرم کو عطا فرمایا۔ ۱۱ یعنی آپ، نبی اکرم ﷺ کے لئے علم کثیر کے قائل ہیں، کلی اور محیط کے قائل نہیں۔

دونوں جماعتوں کے دلائل قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں۔ نیز ایک دوسرے کے دلائل کا جواب دینے کے لئے تاویلات کرتے ہیں، جس کی وجہ سے علم غیب کی بحث خاصی پیچیدہ ہوجاتی ہے۔

ا۔ ذاتی اور عطائی کی تاویل:

اگر نبی کے لئے علم غیب کا اثبات ہو تو عطائی علم مراد لیا جاتا ہے اگر علم غیب کی نفی ہو تو ذاتی کی نفی مراد لی جاتی ہے۔ یعنی نفی کے باوجود اثبات قائم رہتا ہے۔ یہ تاویل کئی وجوہ سے قابل غور ہے۔

الف: جب انسان کا وجود ہی عطائی ہے تو اس کے لئے کسی بھی صفت کا اثبات ہو یا نفی، عطائی انداز ہی مراد ہوگا۔ کیونکہ ذاتی صفات کا وہ محل ہی نہیں، لہٰذا یہ بحث ہی فضول ہے۔

ب: **جھوٹ کی اجازت**۔ اس تاویل کو ماننے سے جھوٹ کا دروازہ کھلتا ہے۔ مثلاً کسی مالکِ کتاب سے پوچھیں۔ آپ اس کتاب کے مالک ہیں، وہ کہہ سکتا ہے ''نہیں۔'' یعنی وہ ذاتی طور پر مالک نہیں بلکہ عطائی طور پر مالک ہے۔ حالانکہ یہ بات جھوٹ ٹھہرتی ہے۔ اسی طرح عدالت میں گواہ سے پوچھا جائے، 'اس واقعہ یا مجرم کو آپ جانتے ہیں؟' وہ کہہ سکتا ہے 'میں نہیں جانتا۔' یعنی ذاتی طور پر نہیں جانتا۔ اس بنیاد پر ہر جاننے والا شخص انکار کرسکتا ہے، مگر وہ درحقیقت جھوٹ ہوگا۔ آیت ہے **ما کنت تعلمها انت و لا قومک من قبل هذا** ۔۱۲ حضرت یعقوب کا قول ہے **انی اعلم من الله مالا تعلمون** ۔۱۳ ابلیس کا قول ہے **انی ارای ما لا ترون** ۱۴ ان تمام پر نفی کے باوجود اثبات قائم رہتا ہے اور جملوں کا حقیقی مقصد سرے سے ختم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا

Marfat.com

ادھوری نفی کی بجائے پوری نفی کی جائے۔قرآن کا مقصد ادھوری نفی نہیں۔

ج: **شرک کا راستہ۔** ادھوری نفی والی تاویل کی بدولت شرک کی راہ نکل سکتی ہے۔مثلاً و **یعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم** ۔۱۵ اس کا مطلب بن سکتا ہے کہ وہ معبودان باطل ذاتی طور پر نفع ونقصان نہیں دے سکتے، البتہ عطائی طور پر دے سکتے ہیں۔

د: **محاورہ کے خلاف۔** اثبات میں عطائی اور نفی میں ذاتی مراد لینا، یہ تفریق محاورہ کے خلاف ہے۔عام گفتگو میں یہ تفریق نہیں ہوتی بلکہ یکسانیت چلتی ہے۔لہٰذا علم، اختیار، ملکیت وغیرہ میں مخلوق کے لئے اثبات اور نفی دونوں ہی جگہ عطائی مراد بنتے ہیں۔

۲۔ تواضع:

بریلوی حضرات عدم علم کی آیت کو تواضع پر محمول کرتے ہیں مثلاً **ولا اقول لکم عندی خزائن** ''میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا۔'' یعنی یہ نفی بطور عاجزی ہے، بحوالہ مدارک وجمل۔دوسری طرف دیوبندی حضرات اسے تواضع پر محل کرنا درست خیال نہیں کرتے۔بحوالہ روح المعانی شرح مواقف، **لا نسلم انہ فی معرض التواضع**۔۱۶ ''ہم نہیں مانتے کہ کہ تواضع کے مؤقف میں ہے۔''

۳۔ اٹکل اور قیاس:

اگر عدم علم کا وہ بیان ''لا ادری'' کے الفاظ سے ہو، تو بریلوی حضرات اس سے قیاس و اندازے والے علم کی نفی مراد لیتے ہیں، یعنی نبی کا علم اندازے والا نہیں، بلکہ قطعی ہے۔ ۱۷ دیوبندیوں کے ہاں یہ تاویل درست نہیں۔کیونکہ درایت کا لفظ یقینی علم کے لیے آتا ہے۔

۴۔ آخری عمر:

Marfat.com

جس بیان سے نبی اکرم ﷺ کا عدم علم ثابت ہوتو اسے آخری عمر سے قبل کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔ فاضل بریلی کا قول ہے "ہمارے نبی کو دنیا سے نہ لیا گیا، یہاں تک کہ جو کچھ حضور سے مخفی تھا، اس کا سب علم، حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا۔ ان بعض کی نسبت حکم دیا گیا کہ کسی کو نہ بتائیں اور بعض کے بتانے کا حکم دیا۔ ۱۸

دیوبندیوں کے ہاں یہ تاویل بلا دلیل ہے۔ اس میں رافضہ کی جھلک ہے۔ نیز آخری عمر میں اس علم کا کیا فائدہ؟

دیوبندی تاویلات:

الف: **محاوراتی مفہوم:** جن بیانات سے نبی اکرم ﷺ کے عمومی علم غیب کا اثبات ہو۔ اس سے عربی محاورہ کے موافق کثرت کا مفہوم مراد لیتے ہیں۔ جیسے فرعون کے لئے آیت ہے ولقد اریناہٗ ایاتنا کلھا ۱۹ (ہم نے اسے تمام نشانیاں دکھائیں۔) یہاں لفظ کل سے حقیقی کلیت مراد نہیں کہ فرعون کو ساتوں آسمانوں اور زمین کی تمام نشانیاں دکھائیں بلکہ مراد ہے ضرورت کے مطابق نشانیاں دکھائیں۔

جبکہ بریلوی حضرات لفظ "کل" سے عموماً حقیقی کلیت مراد لیتے ہیں۔

ب: **قطعی دلیل:** دیوبندی حضرات نبی کا علم ثابت کرنے کے لئے قرآن، حدیث صحیح یا بڑے امام اور مجتہد کے قول کو مستند مانتے ہیں۔ ضعیف احادیث، اشعار اور کسی عام درجہ کی کتاب کو غیر معتبر خیال کرتے ہیں۔

بریلوی حضرات ضعیف احادیث، عالم کے قول، اشعار وغیرہ مثلاً قصیدہ بردہ سے بھی استدلال کر لیتے ہیں۔ مجموعی طور پر بریلوی مسلک کا دعویٰ بڑا ہے۔ اس لئے انہیں زیادہ تاویلات کی ضرورت پڑتی ہے۔ جبکہ دیوبندی حضرات کا دعویٰ نسبتاً چھوٹا ہے، جسے ثابت کرنا آسان ہے۔ منطقی اصطلاح کے مطابق، موجبہ کلیہ، سالبہ جزئیہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات:

۱ بخاری، کتاب العلم۔

۲ تفسیر نور العرفان، النحل:۲۴۔

۳ النساء،۱۱۳۔

۴ الانعام:۹۱۔

۵ الکہف:۸۴۔

۶ تفسیر نور العرفان، الکہف:۸۴۔

۷ النمل:۲۳۔

۸ تفسیر نور العرفان، الانبیاء:۷۹۔

۹ تفسیر نور العرفان، الکہف:۷۳۔

۱۰ بہارِ شریعت، ۱۷۔

۱۱ معارف القرآن، الانعام،۵۱۔

۱۲ ہود:۴۹۔

۱۳ یوسف:۸۶۔

۱۴ الانفال، ۴۸۔

۱۵ یونس:۱۸۔

۱۶ روح المعانی، ۷:۱۳۷۔

۱۷ جاء الحق، ۹۷۔

۱۸ خالص الاعتقاد،۵۲۔

۱۹ طٰہٰ:۵۶۔

Marfat.com

بریلوی دلائل

۱۔ پہلی دلیل یہ حدیث ہے فتجلّیٰ لی کل شیء۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا تو آپ کے لئے ہر شئے روشن ہوگئی اور آسمان وزمین کی ہر چیز کو جان لیا۔[۱] مفہوم واضح ہے۔

دیوبندی تشریح کے مطابق اس حدیث کا سیاق وسباق بتلاتا ہے کہ اس کا تعلق غیر مادی دنیا یعنی سردار فرشتوں سے تھا، جبکہ وہ گناہوں کے کفارے میں جھگڑا کر رہے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ہاں اس کا تعلق دین اور اس کے کلیات سے ہے۔[۲] پھر یہ حدیث مضطرب[۳] ہونے کی وجہ سے نا قابلِ حجت ہے۔ آخری بات یہ کہ مذکورہ حدیث سورۃ ص کی تفسیر ہے یعنی مکی ہے۔ اگر مکہ میں تمام امور نبی اکرم علیہ السلام کو معلوم ہوگئے تو بعد کی زندگی میں آپ علیہ السلام سینکڑوں واقعات سے کیونکر بے خبر رہے اور نقصان اٹھایا۔

۲۔ قام فینا رسول اللہ خطیبا۔[۴] نبی اکرمؐ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور قیامت تک کے ہونے والے تمام واقعات بیان کیے۔ معلوم ہوا کہ روئے ارض کے تمام واقعات آپ کو معلوم تھے۔

دیوبندی تشریح۔ یہ خطاب زیادہ سے زیاد آٹھ دس گھنٹوں پر مشتمل ہوگا۔ اس محدود وقت میں پیش کردہ معلومات بھی محدود ہی ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا کلی علم ثابت نہیں ہوتا۔ آٹھ گھنٹے کی خطابت تو دیگر علماء ومقررین سے بھی ثابت ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علم کلی کے مالک تھے۔ درحقیقت نبی اکرم ﷺ کے اس خطبہ میں اہم فتنوں اور قیامت تک کے اہم واقعات وعلامات کا بیان تھا۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک موقعہ پر قیامت سے قبل کے واقعات بیان کیے، پھر فرمایا لا تسئلونی عن شیء الا اخبرتکم۔[۵] (تم جو پوچھو گے میں بتلاؤں گا۔ جب تک میں اس

Marfat.com

جگہ ہوں۔) معلوم ہوا کہ آپ ہر چیز جانتے تھے اور ہر سوال کا جواب انہیں معلوم تھا۔

دیوبندی تشریح۔ کسی خاص وقت میں نبی کی روحانی قوت زوروں پر ہوتی، یعنی اللہ سے رابطہ ہوتا ہے اور جبریل موجود ہوتے ہیں۔ یہ کیفیت کچھ وقت رہتی ہے اور ختم ہوجاتی ہے۔ اس جگہ مذکورہ جملے میں واضح طور پر محدود وقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک میں اس جگہ ہوں۔

بسا اوقات استاذ شاگردوں سے کہتا ہے جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ استاذ کائنات کی ہر چیز کا عالم ہے اور ہر چیز بتادے گا۔ محاوراتی مفہوم مراد ہوتا ہے، اسی میں محدود رہنا چاہئے۔

۴۔ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ ۔۶ نبی اکرم نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اس آیت سے بھی نبی اکرم علیہ السلام کی علمی وبصری وسعت ثابت ہوتی ہے۔

دیوبندی تشریح کے مطابق اس آیت میں بعض نشانیاں دیکھنے کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہاں ''من'' کا حرف ہے، نہ کہ ''کل'' کا لفظ۔ جبکہ فرعون کے لئے لفظ ''کل'' تھا۔۷ کہ اس کو تمام نشانیاں دکھائیں۔

۵۔ الا من ارتضیٰ من رسول۔۸ ''اللہ اپنے رسول کو علم غیب پر مطلع کرتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کو علمِ غیب عطا کرتا ہے۔

دیوبندی تشریح۔ آیت میں پہلے اللہ کے علم غیب کا ذکر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ تمام علم تو رسول کو نہیں دیا گیا۔ نہ ہی کسی کا یہ عقیدہ ہے۔ ورنہ تو اللہ اور رسول کے علم میں مساوات پیدا ہوجائے گی۔ لہٰذا اس سے بعض علم ہی مراد ہے، جیسا کہ اس جگہ علامہ آلوسی کی تشریح ہے، علیٰ بعض الغیوب المتعلقہ برسالۃٍ۔ یعنی رسالت سے متعلقہ بعض غیب کے امور پر، سیوطی نے بھی بعض ہی مراد لیا ہے۔

۶۔ الم تر الی ربک کیف مد الظل ۔ ۹ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے سایہ کو کیسے پھیلایا۔ مفتی احمد یار کی تفسیر ہے۔ پتہ لگا آپ نے قومِ عاد کا عذاب دیکھا.....

غرضیکہ نبی کی نظر موجود، معدوم، چھپی، غائب چیزوں کو مشاہدہ فرمالیتی ہے۔۱۰

Marfat.com

دیوبندی تشریح۔ عربی محاورے میں یہ لفظ دوسرے سے بذریعہ خبر معلوم کرنے کے لئے آتا ہے اور یہ لفظ قرآن میں جگہ جگہ کفار کے لئے مذکور ہے۔ مثلاً اولم یرو الی الطیر مسخراتٍ فی جو السماء۔ ۱۱ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہو کر فضا میں ہیں۔

۷. انا ارسلنا ک شاھداً ۱۲ ''ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا۔'' گواہ وہ ہوتا ہے جس کو معاملہ کا پوری طرح علم ہو۔ معلوم ہوا کہ نبی اکرم علیہ السلام ہر امتی پر گواہ اور اس کے تمام احوال سے باخبر ہیں۔

دیوبندی تشریح۔ گواہ کا مطلب ہوتا ہے کسی خاص واقعہ یا اس کے خاص حصہ کو جانتا ہو۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ دنیا بھر کے واقعات سے آگاہ ہوتا ہے۔ اگر گواہ کے لفظ سے علم غیبِ کلی ثابت ہوتا ہے، تو قرآنی آیت ہے لتکونوا شھداء علی الناس۔ ۱۳ تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔ اس آیت سے پوری امت ہی علم غیب کلی کی مالک بن جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے اس لفظ کی نفی بھی قرآن میں موجود ہے۔ وما کنت من الشاھدین۔ ۱۴ آپ گواہوں میں سے نہ تھے۔

❀◆❀

حواشی وحوالہ جات:

۱ ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ ص۔ ۲ لمعات شرح مشکوٰۃ، ۲: ۴۳۷۔
۳ میزان الاعتدال، ۲: ۱۰۸۔ ۴ صحیح مسلم، کتاب الفتن۔
۵ بخاری، کتاب الاعتصام، باب ۴۔ ۶ نجم: ۱۸۔
۷ طٰہٰ: ۵۶۔ ۸ جن: ۲۷۔ ۹ الفرقان: ۴۵۔
۱۰ نور العرفان، الفرقان: ۴۵۔ ۱۱ النحل: ۷۹۔
۱۲ الاحزاب: ۴۵۔ ۱۳ البقرہ: ۱۴۳۔ ۱۴ القصص: ۴۴۔

❀◆❀

Marfat.com

دیوبندی دلائل و بریلوی جوابات

۱۔ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے من اخبرک ..... جو تجھے بتلائے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، یا آپ نے کوئی ایسی بات چھپائی، جس کے اظہار کا حکم تھا، یا وہ پانچ علومِ خمسہ جانتے تھے، تو اس نے بہتان باندھا۔ [۱]

بریلوی جواب۔ خان بریلی کا قول ہے "یہ غلط فہمی ہے۔" [۲]

۲۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا "روز قیامت میری امت کے کچھ افراد کو پکڑ کر شمال کی جانب لے جایا جائے گا، تو میں کہوں گا۔ اے میرے رب! یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تو نہیں جانتا انہوں نے تیرے بعد کیا کیا۔" [۳] معلوم ہوا کہ روز قیامت کو بھی آپ کئی امور سے ناواقف ہوں گے۔

جواب۔ مفتی احمد یار کا قول "حضور اکرم کا انہیں صحابی کہنا بطور طعن کے ہوگا، کہ انہیں آنے دو، یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں۔ [۴]

۳۔ ایک دفعہ نبی اکرم علیہ اسلام نے نماز کے دوران جوتے اتار دیئے، صحابہ نے بھی اتار دیئے۔ پھر آپ علیہ السلام نے وجہ بتلائی کہ جبرائیل نے مجھے بتلایا تھا کہ جوتوں میں گندگی ہے۔ [۵] یعنی آپ کو گندگی کا علم نہ تھا۔

جواب۔ بقول عمر اچھروی۔ جوڑہ پاک اتار دیا اور دائیں طرف رکھ دیا۔ اس فرمان سے یہ کب ثابت ہوا کہ آپ کو اپنے جوڑے پاک کے میل کا علم نہ تھا۔ [۶]

۴۔ خان بریلی لکھتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کل کی حاضری کا وعدہ کر گئے، مگر حاضر نہ ہوئے، پھر نہ آنے کی وجہ بتلائی کہ رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا

Marfat.com

یا تصویر ہو، تو نبی اکرم اندر تشریف لائے سب طرف تلاش کیا، کچھ نہ تھا، پلنگ کے نیچے ایک کتا کا پلا نکلا، اسے نکالا تو حاضر ہوئے ۷ ملخص۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم کو اپنے گھر کے اندر کی معلومات بھی نہیں تھیں۔

۵۔ شاہ عبدالعزیز کا قول ہے، رسول اللہ ﷺ، دیگر اقوام کے لغت معانی، بلکہ حروف کے مخارج وکلام کا لہجہ ہرگز نہیں جانتے تھے۔ ۸

۶۔ علامہ سیّد شریف لکھتے ہی الاطلاع علی جمیع المغیبات ..... نبی اکرم علیہ السلام کو تمام مغیبات کا علم ہونا ضروری نہیں۔ جیسا کہ نبی کا فرمان ہے ولو کنت اعلم الغیب. و البعض ای الاطلاع علیٰ البعض لایختص به۔ اور بعض مغیبات کا علم نبی کی خصوصیت نہیں۔ ۹ ملخص۔

۷۔ حضرت عائشہؓ پر افک کا مشہور واقعہ ہے، جو نبی اکرم علیہ السلام کے عدم علم کا مظہر ہے۔ کیونکہ کوئی ہوش مند شخص یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کی بیوی غیر محرم شخص کے ساتھ بیٹھے یا سفر کرے۔ اس واقعہ پر ملا علی قاری کا یہ تبصرہ ہے۔

''حضرت عائشہؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور بہتان بازوں نے ان کو متہم کیا۔ تو نبی اکرم ﷺ کو حقیقت کا علم نہ ہوسکا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی برائت میں وحی اتاری۔ مگر اس غالی فرقہ کا خیال ہے کہ آپ علیہ السلام بلاشبہ حقیقتِ حال سے آگاہ تھے۔ اس کے باوجود لوگوں سے حضرت عائشہ کی جدائی اور طلاق کا مشورہ کرتے رہے، یعنی علم کے باوجود کہا، اے عائشہ! اگر تجھ سے گناہ سرزد ہوگیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ۔ حالانکہ آپ کو یقینی علم تھا کہ عائشہ میں کوئی عیب نہیں ..... یہ لوگ رسولِ خدا کے سب سے زیادہ نافرمان اور آپ کی سنت کے سب سے زیادہ مخالف ہیں ان میں نصاریٰ کی مشابہت ہے۔ ان لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ خالص، جعلی اور جھوٹی روایات کو تسلیم کریں اور صحیح احادیث کی تحریف کریں۔'' ۱۰

Marfat.com

مفتی احمد یار کی طرف سے جواب ہے ''لوگوں سے دریافت کرنا قانونی کارروائی تھی، امت کی تعلم کے لئے۔''[11]

تقارب:

۱۔ اس وسیع کائنات میں، عالم لاہوت، عالم ملکوت اور تشریعی علوم کے بارے میں نبی کی ذات تمام علوم کا منبع اور سرچشمہ ہوتی ہے۔

۲۔ نبی کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں، اس کی زندگی کا تقریباً ۹۰ فی صد حصہ عالم ناسوت سے وابستہ ہوتا ہے۔ زندگی کا یہی حصہ اور حالت و کیفیت، اس کی امت کے لئے نمونہ ہوتی ہے۔ وہ ماتحت الاسباب زندگی گذارتا ہے۔ دیوبندی حضرات نبی کی اس زندگی اور کیفیت کو زیادہ ملحوظ رکھتے ہیں۔

نبی کی زندگی کا ۱۰ فیصد عالم لاہوت سے متعلق ہوتا ہے۔ اس وقت نبی کی روحانیت زوروں پر ہوتی ہے، یعنی اللہ سے رابطہ ہوتا ہے۔ غیبی اخبار اور معجزات اس دور میں ظاہر ہوتے ہیں۔ بریلوی حضرات نبی کی اس کیفیت کو زیادہ ملحوظ رکھتے ہیں۔

۳۔ نبی کی زندگی کا تعلق دنیوی تجرباتی امور سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جنگ بدر میں ایک جگہ پڑاؤ کیا، پھر صحابی کے مشورہ دینے سے جگہ بدل لی، کیونکہ پہلی جگہ موزوں نہ تھی۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں آپؐ نے ایک مرتبہ صحابہ کو کھجوروں کی پیوندکاری سے روکا، مگر اس کے نتیجہ میں پیداوار کم ہوئی تو آپ نے فرمایا ''دنیوی امور کو تم زیادہ جانتے ہو۔''[12] اس طرح کئی مواقع پر آپ نے رائے تبدیل کی، کیونکہ دوسری رائے بہتر تھی۔ اس سے علم غیب کلی کی نفی ہوتی ہے۔

آیت ہے لو کنت اعلم الغیب لا سکثرت من الخیر۔ ''اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بھلائی جمع کرلیتا۔'' اس کی تفسیر میں امام رازی کا قول ہے وعلمه قلیل ۔[13] یعنی آپ نے نبی کے علم کو قلیل کہا، مگر پھر بھی آپ دونوں جماعتوں کے مسلمہ امام ہیں اور آپ پر اعتراض نہیں۔

Marfat.com

ہدہد پرندے نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا احطت بما لم تحط بہٖ ''مجھے وہ کچھ معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں۔'' یعنی نبی کے سامنے اپنی علمی برتری کا دعویٰ کیا۔ اس جگہ امام رازی اور آلوسی دونوں کا بیان ہے کہ ادنیٰ جانور کو بعض وہ باتیں معلوم ہوتی ہیں جو سلیمان کو معلوم نہ تھیں۔ ۱۴ تفسیر مظہری کا بیان ہے، اس میں تنبیہ ہے کہ سلیمان کو اپنے علم پہ ناز نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ سمجھنا چاہئے کہ میرا علم بہت ناقص ہے۔ ۱۵

اسی طرح چیونٹی نے حضرت اور ان کی فوج کے لئے بے شعور کا لفظ بولا۔ ۱۶ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ ان تمام بیانات کو علماء نے قبول کیا اور انبیاء کے لئے ان الفاظ کے اطلاق پر کوئی تنقید نہیں کی۔

دوسری طرف دیوبندی حضرات نبی اکرم علیہ السلام کے لئے علم کثیر کے قائل ہیں، جیسا کہ حوالہ گزر چکا۔ نیز ان کا قول ہے ''سیّد الانبیاء علیہ السلام، جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارض کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے..... تکوینیات کے علم میں حضور تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔'' ۱۷

ان دو طرفہ بیانات پر غور کرنے سے دیوبندیوں اور بریلویوں میں خاصی حد تک تقارب نظر آتا ہے۔ بالخصوص خاں بریلوی کا یہ قول دیکھیں ''ہم عطاء الٰہی سے بھی بعض علم ہی مانتے ہیں۔'' ۱۸

البتہ یہ اشکال باقی ہے کہ بریلوی حضرات نبی اکرم علیہ السلام کے لئے علم غیب کلی کا لفظ بولتے ہیں۔ مگر دیوبندی یہ لفظ اختیار نہیں کرتے۔ اس کے جواب کے لئے مفتی احمد یار کی یہ عبارت دیکھیں۔

''ہر چھوٹی بڑی چیز لوح محفوظ میں ہے، دوسرے ساری لوح محفوظ تفصیل وار قرآن شریف میں ہے۔ تیسرے سارا قرآن اور قرآنی علوم، حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔'' ۱۹

اگر علم غیب کلی کی یہی تشریح ہے، تو پھر قرآنی علوم کا حامل ہر شخص، علم غیب کلی کا مالک

Marfat.com

ہے اور اختلاف کا خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ ہر عالم شخص، علم غیب کلی کا مالک ٹھہرتا ہے۔ جبکہ نبی کا مقام تو بہت ہی اعلیٰ ہے۔

ﷺ◆ﷺ

حواشی وحوالہ جات:

۱ ترمذی،۲:۱۶۰۔
۲ ملفوظات،۳۷۱۔
۳ بخاری،۲:۹۶۶۔
۴ جاء الحق،۱۱۹۔
۵ ابوداؤد، سنن۔
۶ مقیاس حنفیت۔۴۱۲
۷ ملفوظات،۴۱۵۔
۸ فتاویٰ عزیزی،۱۳۲۔
۹ شرح مواقف،۶۶۳۔
۱۰ الموضوعات الکبیر،۱:۱۲۰۔
۱۱ تفسیر نور العرفان، الاعراف:۸۔
۱۲ صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔
۱۳ تفسیر کبیر، الاعراف:۱۸۸۔
۱۴ روح المعانی، النمل:۲۲۔
۱۵ تفسیر مظهری، النمل:۲۲۔
۱۶ النمل:۱۸۔
۱۷ تفسیر عثمانی، الاعراف:۱۸۸۔
۱۸ فتاویٰ رضویه،۲۹:۴۳۷۔
۱۹ تفسیر نور العرفان، یونس:۶۱۔

Marfat.com

حاضر وناظر

اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ونظر اور موجود ہے۔ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات یعنی سمع، بصر اور قدرت کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔ آیت ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُم (الحدید:۴) ''وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے تم جس جگہ بھی ہو۔'' مفتی محمد شفیع کی تفسیر کے مطابق، ''اس کی مشیت وقدرت سے ہی سب کچھ ہوتا ہے، جو ہر حال اور ہر جگہ میں اس کے ساتھ ہے۔'' [۱]

متکلمین کا قول ہے کہ یہ معیت، علم کے ذریعہ ہے یا حفظ کے ذریعے، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ مکان اور جہت کے اعتبار سے نہیں۔ [۲]

اصل بحث یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ، حاضر وناظر ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو اس سے کیا مراد ہے۔ مثلاً

۱۔ آپ اپنے جسم کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں یا ہو سکتے ہیں۔

۲۔ مثالی جسم کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں یا ہو سکتے ہیں۔

۳۔ روحانی حضوری مراد ہے کہ روح ایک جگہ ہے، مگر اس کا فیضان ہر طرف ہے، جیسے سورج اور اس کی روشنی۔

۴۔ حقیقت محمدیہ کی حضوری مراد ہے، تو حقیقت محمدیہ کیا ہے؟ کائنات کا مادہ یا کچھ اور، کیونکہ قرآنی بیان کے مطابق مادہ ابتدائی شکل میں دھواں تھا۔ [۳] اس بناء پر دھویں کو حقیقت محمدیہ کہنا مناسب نہیں۔

۵۔ ذہنی حضوری مراد ہو، یعنی ذہن میں خیالی صورت۔

Marfat.com

بریلی مسلک میں حاضر و ناظر کے مفہوم کی متعین تشریح نہیں۔ بلکہ ابہام ہے اور مختلف قسم کی عبارات ملتی ہیں۔ مثلاً خان بریلی ایک واقعہ لکھنے کے بعد نتیجہ نکالتے ہیں ''کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہوتا۔ ہر آن ساتھ ہے۔'' ۴ آپ کا دوسرا بیان ''کرشن کنہیا کافر تھا، ایک وقت میں کئی سو جگہیں موجود ہو گیا۔'' ۵

پھر فرمایا ''کیا تم گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک موجود تھے باقی جگہ مثالیں۔ حاشا بلکہ شیخ بذات خود ہر جگہ موجود تھے۔'' آپ کا مزید بیان ہے، ''انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔'' ۶

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ آپ کے ہاں ہر جگہ حاضری سے مراد اصلی جسم کے ساتھ حاضری ہے۔

مفتی احمد یار کا ایک موَقف بھی اسی کے قریب ہے، مثلاً ''ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت نہیں۔ خدائے پاک جگہ اور مکان سے پاک ہے۔ خدا کو ہر جگہ ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہے۔'' ۷

دوسرا قول ہے ''حاضر و ناظر ہونا بعض بندوں کی صفت ہے۔'' ۸

آپ کا دوسرا موقف ہے ''بعض علماء فرماتے ہیں کہ نکیرین قبر میں حضور اکرم علیہ السلام کی تصویر دکھا کر سوال کرتے ہیں۔ ۹

اس کا مطلب ہے کہ جسم یا روح کے ذریعے حاضری مراد نہیں بلکہ تصویر ہوتی ہے جیسا کہ موجودہ دور میں ٹیلی ویژن پر دکھائی جاتی ہے۔ خود خان بریلوی کا قول ہے ''معلوم نہیں سرکار قبر میں خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ ہٹایا جاتا ہے۔ شریعت نے کچھ تفصیل نہیں بتلائی۔ ۱۰

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم کا بذات خود ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ان کا عقیدہ نہیں۔

تیسرا موَقف، تشہد میں ایہا النبی، حرفِ ندا ہے جو حاضر کے لئے آتا ہے۔ مولوی

Marfat.com

عبدالسمیع نے اس کی تشریح میں لکھا ''یہ کہنا کہ لفظ ''یا'' نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے اور خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو، حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے، کلام صحابہ میں غائب کو خطاب اور ندا موجود ہے۔[۱۱] ملخص۔

نیز آپ کا قول ہے، جو اشعار شوقیہ رسولِ خدا کی جناب میں بطور خطاب حاضر کیے، اس لئے ہیں، چونکہ تصور آپ کا دل میں بندھا ہوا ہے۔ غلبہ اشتیاق میں خطاب حاضرانہ بباعث حضور فی الذہن کرتے ہیں..... اگرچہ آپ کو ہم سے بعد مکانی ہو لیکن آپ مثل حاضر و ناظر ہیں۔[۱۲]

اس سے معلوم ہوا کہ حاضر و ناظر کا مطلب ذہنی حضوری ہے۔

دلائل:

۱۔ **انا ارسلناک شاھدا** ۔اس کی بحث علم غیب میں گزر چکی ہے۔

۲۔ قبر میں نبی اکرم علیہ السلام کے بارے میں سوال ہوگا، ''یہ شخص کون ہے؟'' معلوم ہوا کہ آپ ہر جگہ موجود ہیں۔

دیوبندی تشریح۔ قبر میں تصویر دکھائی جاتی ہے، جیسا کہ مفتی احمد یار کی عبارت گزر چکی۔ نیز اگر آپ ہر جگہ اور ہر وقت حاضر ہوں تو اس میت کو عذاب نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ آپ کی موجودگی میں عذاب نہیں ہوسکتا۔

۳۔ تشہد میں نبی اکرم سے خطاب ہے ایہا النبی، معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام ہر جگہ موجود ہیں۔

دیوبندی جواب۔ یہ بحث مولوی عبدالسمیع کے حوالے سے گزر چکی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ الفاظ ہم روایتاً پڑھتے ہیں، یعنی اسی طرح منقول ہیں۔ جیسا کہ سورۃ التحریم کے الفاظ ہیں۔ **یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک**۔ ''اے نبی! جس کو اللہ نے حلال کیا، آپ اسے کیوں حرام کرتے ہیں؟'' ان الفاظ میں نبی اکرم علیہ السلام کو ڈانٹ ہے۔ کوئی امتی اپنے طور پر یہ الفاظ نہیں بول سکتا، البتہ نقلاً یہ الفاظ ادا کرسکتا ہے۔

Marfat.com

۴۔ وما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔[۱۴] ''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔'' یہ رحمت تب ہی ہوگی جب آپ خود موجود ہوں گے۔

دیوبندی تشریح۔ اس میں صفت رحمت کا ذکر ہے، نہ آپ کی ذات کا۔ لہٰذا اس رحمت سے مراد آپ کی تعلیمات اور پیش کردہ نظام ہے۔ قرآن رحم ہے اور سب کے لئے ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ موجود ہے۔ عمومی محاورہ ہے، والدین رحمت ہیں۔ مگر یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر جگہ موجود ہیں۔

۵۔ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔[۱۵] ''نبی اکرم مومنوں کی جان سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔'' یعنی ہر مومن کے قریب اور اس کے ساتھ موجود ہیں۔

دیوبندی تشریح۔ قرآن کی بہترین تشریح وہ ہے جو قرآن سے کی جائے۔ قرآن میں اولیٰ کا معنی ہے مستحق۔ جیسا کہ دوسری آیت ہے و اولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض۔[۱۶] ''رشتہ دار آپس میں زیادہ حقدار ہیں۔'' اگر اولیٰ کا معنی قریب ہو تو پھر رشتہ دار بھی حاضر و ناظر ٹھہریں گے۔

۶۔ و فیکم رسولہٗ۔[۱۷] ''تم میں اللہ کا رسول ہے۔'' یہی الفاظ سورہ حجرات [۱۸] میں بھی ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں۔

دیوبندی تشریح۔ سیاق وسباق بتلاتا ہے کہ ان آیات میں ان صحابہ سے خطاب ہے جن کی موجودگی میں قرآن نازل ہوا اور نبی اکرم براہ راست ان کی اصلاح و تربیت کرتے۔ لہٰذا موجودگی سے مراد صرف ان کے درمیان موجودگی ہے، نہ کہ ہر جگہ۔ جیسے دوسری آیت ہے و فی الارض قطع متجٰورٰت .....[۱۹] ''زمین میں ملے ہوئے ٹکڑے ہیں۔'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ اس قسم کے ٹکڑے اور باغات ہیں۔

۷۔ ملا علی قاری کی عبارت ہے لانّ روح النبی حاضرۃٌ فی بیوتِ المسلمین۔[۲۰]
''نبی اکرم ﷺ کی روح تمام مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہے۔

دیوبندی تشریح۔ اس سے مراد برکات ہیں، جو مسلمانوں کے گھروں میں اللہ، رسول

Marfat.com

اور قرآن کی بدولت نازل ہوتی ہیں۔ کفار کے گھر اور بقیہ زمین ان برکات سے محروم ہے۔ کیونکہ اس عبارت میں صرف مسلمانوں کے گھروں کی قید لگائی ہے۔

دیو بندی دلائل مع جوابات:

۱۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ہر جگہ موجود نہیں تو پھر کوئی مخلوق اپنے ایک جسم کے اعتبار سے ہر جگہ کیسے موجود ہوسکتی ہے۔ بقول آلوسی، ایک بدن کے ساتھ کئی نفسوں کا ہونا محال ہے، ایسے ہی ایک نفس کا کئی بدنوں کے ساتھ متعلق ہونا محال ہے۔[۲۱] اس میں آپ نے مثالی اجسام کے تعدد کی تردید کی۔

۲۔ آپ کے تمام سفر بتلاتے ہیں کہ ایک وقت میں آپ ایک ہی جگہ ہوتے۔ آپ مکہ سے مدینہ اور دیگر اطراف منتقل ہوئے۔ جو ہر جگہ موجود ہو اسے نقل مکانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کسی صحابی سے منقول نہیں کہ آپ بیک وقت کئی جگہ ہوتے۔

۳۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا الشاھد یریٰ ما لا یراہ الغائب۔ [۲۲] ''حاضر وہ کچھ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھتا۔'' یہاں غائب سے مراد نبی اکرم علیہ السلام بذات خود ہیں۔

۴۔ فتح مکہ کے موقعہ پر نبی اکرم نے حضرت وحشی سے فرمایا ''میری پچھلی طرف بیٹھنا، تاکہ تجھے دیکھ کر مجھے اپنا چچا حمزہ یاد نہ آئے۔'' [۲۳] معلوم ہوا کہ آپ پچھلی جانب نہیں دیکھتے تھے۔

۵۔ آیت ہے وما کنت لدیھم اذ یختصمون۔[۲۴] ''ان کے جھگڑے کے وقت آپ ان کے پاس موجود نہ تھے۔'' اس قسم کی متعدد آیات ہیں، جن میں آپ کی موجودگی کی واضح تردید ہے۔

اشکال:

متعدد بزرگوں سے منقول ہے کہ ''انہوں نے حالت بیداری میں نبی اکرم کو دیکھا۔

Marfat.com

اگر آپ موجود نہیں، تو اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟''

جواب۔ اس قسم کے واقعات متعدد اولیاء سے منقول ہیں۔ مگر ان کی حقیقت یہ ہے کہ ریاضت اور مراقبہ کرنے والوں کی اپنی قوت متخیلہ اس قدر طاقتور ہوجاتی ہے کہ ان کا اپنا تخیل اور تصور بعض اوقات جسمانی صورت میں نظر آتا ہے، یعنی اپنا خیال مجسم بن جاتا ہے۔ اسے ارتکازِ توجہ کا کرشمہ کہئے کہ وہ اپنے خیالات کا عکس دیکھنے لگتا ہے۔ پھر وہ اسے حقیقی وجود خیال کرتا ہے۔ حالانکہ وہ محض خیالی وجود ہوتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اسے بیداری کا خواب بھی کہہ سکتے ہیں۔ عام لوگ تو نیند میں خواب دیکھتے ہیں، مگر چلہ کش لوگ بیداری میں اس کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کی نیند ہلکی ہوتی ہے۔ یعنی بیداری سے متصل حالت ہوتی ہے جس سے نیند اور بیداری میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ تصوف کی اصطلاح میں اس کیفیت کو فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول سے تعبیر کرتے ہیں کہ انہیں اپنے شیخ یا نبی اکرم ﷺ کی شکل محسوس ہوتی ہے اور کبھی اس سے فیضان بھی محسوس ہوتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تجلی فرمائی، جو کہ صرف خواص کو نظر آتی ہے، مگر در حقیقت یہ ان کی قوت متخیلہ کی جھلک ہوتی ہے، جو ارتکاز توجہ، مراقبہ، ریاضت وغیرہ سے پیدا ہوجاتی ہے۔ تاہم یاد رہے کہ بزرگوں کی یہ کیفیات شرعاً حجت نہیں۔

تقارب:

نبی اکرم ﷺ کی حضوری کے بارے میں مذکورہ نظریات ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں، جن کی وجہ سے اس معاملے میں واضح تردد اور ابہام ہے، جس کا ازالہ ضروری ہے۔ البتہ اگر ہم اس بحث کو بریلوی بزرگ مولوی عبدالسمیع کے بیانات سے حل کریں تو معاملہ واضح بھی ہوجاتا ہے اور تقارب بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ آپ کے بقول ''جب چاند، سورج ہر جگہ موجود اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے، تو یہ صفت خاص خدا کی کہاں ہوئی، اور تماشہ یہ کہ

Marfat.com

اصحابِ محفلِ میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک وناپاک، مجلس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ ﷺ کا نہیں دعویٰ کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک وناپاک، کفر وغیر کفر میں پایا جاتا ہے۔ ۲۵

آپ کی دوسری عبارت ہے ''روح نبی ساتویں آسمان پر موجود ہے۔ وہاں سے فیضان ہوتا ہے، جیسے سورج چوتھے آسمان پر۔ ۲۶

حضور فی الذہن کے حوالے سے ایک تشریح پہلے گذر چکی ہے۔ ان تینوں تشریحات کے لحاظ سے دونوں جماعتوں میں تقارب ممکن ہے۔

۲۔ دیوبندی بزرگ حاجی امداد اللہ کی اس عبارت سے بھی تقارب پیدا ہوسکتا ہے۔

یہ اعتقاد کہ مجلس مولد میں حضور پرنور ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں، اس اعتقاد کو کفر و شرک کہنا حد سے گزرنا ہے۔ آپ کی روحانی وسعت یا درمیانی حجاب اٹھنے سے یہ امر نقلاً وعقلاً درست ہے۔ بلکہ اس کا وقوع بھی ہے۔ ۲۷

مزید بحث آگے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ معارف القرآن و تفسیر مظہری، سورۃ الحدید:۴۔

۲ تفسیر کبیر، ایضاً۔

۳ حم السجدہ:۱۱۔

۴ ملفوظات، ۲:۴۹ قدیم ایڈیشن۔

۵ ایضاً، ۱۷۷ جدید ایڈیشن۔

۶ ایضاً، ۳:۳۰۲۔

۷ جاء الحق، ۱۵۳۔

Marfat.com

۸ تفسیر نور العرفان، الاعراف: ۳۷۔

۹ تفسیر نعیمی، البقرہ: ۲۴۷۔

۱۰ ملفوظات، ۵۲۶۔

۱۱ انوار ساطعہ، ۲۲۸۔

۱۲ ایضاً، ۲۲۷۔

۱۳ تفسیر نعیمی، الفاتحہ: ۴۔

۱۴ الانبیاء: ۱۰۷۔

۱۵ الاحزاب: ۶۔

۱۶ ایضاً۔

۱۷ آل عمران: ۱۰۱۔

۱۸ الحجرات: ۷۔

۱۹ رعد: ۴۔

۲۰ فتاویٰ رضویہ، از شرح شفا۔

۲۱ تفسیر روح المعانی، نازعات: ۵۔

۲۲ البدایہ، ۵: ۳۰۴۔

۲۳ اسد الغابہ، ۳۳۴۔

۲۴ آل عمران: ۴۴۔

۲۵ انوار ساطعہ، ۵۷۔

۲۶ ایضاً، ۵۵۔

۲۷ کلیات امدادیہ، ۷۹۔

Marfat.com

مختار کل

قادرِ مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ کائنات کی ہر چیز پر اس کا اختیار کلی بھی ہے اور ذاتی بھی۔ دوسری طرف انسانوں کو بھی اختیارات حاصل ہیں، کیونکہ انسان مجبور محض نہیں، بلکہ بااختیار ہے۔ ہر انسان غریب ہو یا امیر، آزاد ہو یا غلام، کسی نہ کسی درجہ میں صاحب اختیار ہوتا ہے، لیکن اگر وہ حکمران ہو تو زیادہ صاحبِ اختیار ہوتا ہے۔ تاہم ایک تو وہ محدود اختیارات کا مالک ہوگا۔ دوسرے اس کے اختیارات عطائی ہوں گے نہ کہ ذاتی (ذاتی اور عطائی کی بحث علم غیب میں گزر چکی ہے)۔ پھر یہ انسانی اختیارات تحت الاسباب ہوں گے۔ جبکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے اختیارات مافوق الاسباب نوعیت کے ہیں۔

بعض اوقات نبی کے ہاتھ پر مافوق الاسباب کا ظہور ہوتا ہے، جسے معجزہ کہتے ہیں، مگر وہ خدا کا فضل ہوتا ہے۔ اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے حتیٰ کہ خود نبی بھی اس سے بے خبر ہوسکتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی پہلی مرتبہ سانپ بنی تو حضرت موسیٰ خوفزدہ ہوگئے۔

بریلوی مسلک:

بریلوی مسلک کے مطابق نبی اکرم ﷺ مختار کل ہیں۔ یعنی غیر محدود اختیارات کے حامل ہیں۔ خان بریلی کا قول ہے، حضور اقدس ﷺ خزانۂ سرالیٰ اور جائے نفاذِ حکم خدا ہیں۔ رب العزت نے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان، حضور کے قبضے میں کر دیئے۔ جس کو چاہیں دیں اور جس کو نہ چاہیں نہ دیں۔ کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے۔ کوئی نعمت، کوئی دولت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور علیہ السلام کی سرکار سے۔ [1]

Marfat.com

پھر خان بریلی کے ہاں اس نظریہ کا تعلق صرف دنیوی زندگی سے نہیں، بلکہ بعد از موت بھی یہی کچھ ہے۔ چنانچہ خان بریلوی کا قول ہے۔ ''عالم میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء قدّست اسرارہم کا تصرف، حیاتِ دنیوی، اور بعد وصال بھی بعطاءِ الٰہی جاری ہے اور قیامت تک ان کا دریائے فیض موجزن رہے گا۔[۲]

مفتی احمد یار کا قول ہے۔ اللہ کے مقبول بندوں کی زبان کن کی کنجی ہوتی ہے۔ رب کی وہ مانتے ہیں، رب ان کی مانتا ہے۔[۳]

تمام عالم حضور کا محتاج ہے، حضور صرف رب کے محتاج ہیں۔[۴]

بریلوی دلائل مع جوابات:

۱۔ حدیث ہے انما انا قاسمٌ و اللہ یعطیٰ۔ [۵] ''میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا کرتا ہے۔'' یعنی سب کچھ حضور ﷺ کے دربار سے ملتا ہے، گو اصل دینے والا اللہ ہے۔

۲۔ اغنا ھم اللہ و رسولہ من فضلہ۔ [۶] ''اللہ اور رسول نے اپنے فضل کے ذریعہ انہیں غنی کر دیا۔'' معلوم ہوا، اللہ اور رسول کا غنی کرنا ایک چیز ہے کیونکہ دونوں کا ذکر ایک فعل سے کیا، یعنی نبی کا ہر کام اللہ کا کام ہوتا ہے۔

دیوبندی تشریح۔ ان آیات واحادیث کا تعلق خاص مواقع سے ہے کہ مال غنیمت آتا تو لوگوں میں تقسیم کر دیتے اس سے مختار کل ہونے کا ثبوت نہیں نکلتا، کیونکہ ہر منصف اور نیک حکمران اس قسم کے کام کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے متعدد مواقع پر اور زیادہ مقدار میں مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ اگر فتوحات یا مالِ غنیمت وغیرہ کی تقسیم سے کوئی شخص مختار کل بنتا ہے، تو حضرت عمرؓ زیادہ مختار کل ٹھہرتے ہیں۔

اس جگہ دوسرا پہلو بھی مدنظر رکھیں کہ جنگ تبوک کے موقعہ پر لوگوں نے نبی اکرم سے جہاد کی خاطر سواریاں مانگیں، تو آپ نے فرمایا لا اجد ما احلکم علیہ۔[۷] ''میرے پاس سواری کے لئے جانور نہیں۔'' تو وہ لوگ روتے ہوء غمگین واپس ہوئے، نبی اکرم ﷺ ان کی

Marfat.com

مشکل کشائی نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا کسی فعل میں نبی اور صحابہ کو اکٹھے کرنا بطور اعزاز ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ سب مختار کل یا مشکل کشا بن گئے۔ مثلاً آیت ہے فلم تقتلو هم و لکن الله قتلهم ۔۸ ''تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا ہے۔'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ صحابہ کا ہر کام، اللہ کا کام ہوتا ہے۔

۳۔ حدیث ہے ''مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں۔'' ۹ معلوم ہوا کہ آپ تمام خزانوں کے مالک و مختار ہیں۔

دیوبندی تشریح۔ آپ علیہ السلام ان خزانوں کے امین تھے۔ حکمران، امین اور منتظم ہوتا ہے۔ مالِ غنیمت میں آپ کو پانچواں حصہ ملتا، باغِ فدک کے آپ مالک نہیں بلکہ منتظم تھے۔ آپ کے بعد ابوبکر و عمر بھی اسی طرح امین و منتظم تھے۔

۴۔ انا اعطینک الکوثر ۔ ''ہم نے آپ کو بہت کچھ دیا۔'' رب سب کچھ حضور کو دے چکا۔ حضور لے چکے، دنیا نے حضور سے لیا ہے، دیا نہیں۔ حضور تمام دنیا کے مالک ہیں۔ ۱۰

دیوبندی تشریح۔ کوثر سے مراد حوضِ کوثر ہے، یا حکمت مراد ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت ہے ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً ۔ ''جسے حکمت دی گئی، اسے خیر کثیر دے دی گئی۔'' سب کچھ دینا اس کا مفہوم نہیں بنتا۔ یہ غالیانہ مفہوم ہے۔

۵۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا، پتھروں کا کلمہ پڑھنا، جانوروں کا سجدہ کرنا۔ اُحد پہاڑ کا جھومنا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کائنات آپ کے ماتحت ہے اور آپ مختار کل ہیں۔

دیوبندی تشریح۔ ان تمام واقعات کا تعلق معجزات سے ہے، جو کبھی کبھار نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ورنہ اگر پتھر نبی اکرم علیہ السلام کے فرماں بردار تھے، تو سفر طائف میں آپ زخمی کیوں ہوئے، جنگ احد میں ان پتھروں کی وجہ سے دانت ٹوٹے اور آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ ایک وقت میں اونٹ نے آپ کو سجدہ کیا۔ ۱۱ دوسرے وقت حالتِ احرام میں بچھو نے کاٹا اور ایک مرتبہ تہجد کی نماز میں کاٹا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس پر لعنت کی اور پھر زخمی جگہ کا

Marfat.com

علاج کیا۔۱۲ کسی وقت نبی اکرم کی دعا کی برکت سے کھانا وسیع ہوگیا۔ مگر شعب ابی طالب میں خوراک کی قلت سے درختوں کے پتے کھانے پڑے۔ خلاصہ یہ کہ معاملات کے دونوں رخ پیش کرنے چاہئیں، اکا دکا واقعات کو سامنے لانا اور عمومی زندگی کو نظر انداز کرنا بے انصافی ہے۔

دوسرا موقف:

دیوبندی مسلک کے مطابق خان بریلی کا مذکورہ دعویٰ بہت بڑا ہے، اس میں نبی اکرم ﷺ کے لئے شانِ الوہیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے لئے نہ قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت ہے نہ ائمہ سلف سے کوئی دلیل۔ بلکہ اس میں رافضی فرقہ کے نظریات کی عکاسی ہے کہ جو کچھ وہ اپنے ائمہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، وہی خیالات خان بریلی نے نبی اکرم ﷺ کے لئے اختراع کر دیئے۔

دیوبندی نظریہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ ہدایت کے سرچشمہ ہیں، مگر مختار کل یا مشکل کشا نہیں۔ کیونکہ آپ بذاتِ خود مشکلات میں مبتلا رہے مکی زندگی میں شعب ابی طالب میں محصوری اور پھر طائف کا سفر ان مشکلات کی نمایاں مثالیں ہیں۔ بعد ازاں آپ کی درد بھری دعا بے بسی کا زندہ ثبوت ہے۔

مدنی زندگی میں نبی اکرم ﷺ بڑی حد تک خود مختار اور صاحب اقتدار تھے، مگر مشکلات بھی ساتھ تھیں۔ جنگ بدر کے موقعہ پر آپ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ پکڑنا چاہتے تھے مگر وہ ہاتھ سے نکل گیا۔۱۳ بئرِ معونہ میں ۷۰ افراد دھوکہ سے قتل ہوگئے۔ آپ ایک ماہ سے زائد عرصے تک ان کے لئے بددعا کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بددعا سے روک دیا اور جن کے لئے بددعا کرتے رہے، وہ مسلمان ہوگئے۔۱۴ آپ ابوطالب کے اسلام کی خواہش رکھتے تھے، مگر وہ کفر پر فوت ہوگئے۔ حضرت وحشی کا قتل چاہتے تھے، مگر وہ اسلام لا کر بچ گئے۔ آپ پر جادو ہوا اور کئی ماہ تک پتہ نہ چلا۔ یہ سب آپ کی منشاء کے خلاف ہوا۔

بریلوی جواب۔ یہ سب کچھ نبی اکرم علیہ السلام کی آزمائش اور ترقی درجات کا حصہ

Marfat.com

ہیں، کہیں امت کی تعلیم وتربیت کا ذریعہ ہیں۔

بے بسی اور بے اختیاری کی یہی کیفیت مرض الموت میں بھی رہی کہ بیماری اور کمزوری سے ٹانگیں وزن نہ اٹھا سکیں تو حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے گھسٹتے پاؤں سے نماز پڑھنے گئے۔۱۵ پھر بقول عائشہؓ آپ سے بڑھ کر مرض الموت کی شدت میں مبتلا کسی کو نہیں دیکھا۔۱۶ آخری دنوں میں حضرت عائشہؓ نے آپ کی کمزوری کی بنا پر مسواک بھی نرم کر کے دی۔۱۷ تا کہ آپ کو مشکل نہ ہو۔طبری کے مطابق ان ایام میں شدت ضعف سے آپ کی زبان بھی متاثر ہوئی۔۱۸

مجدد الف ثانی کے بقول، جب صحت وفراغت کی حالت میں سہو ونسیان بمقتضائے بشریت جائز ہے تو مرض الموت میں درد کے غلبہ کے وقت بتقاضائے بشری، نبی اکرم ﷺ سے بے قصد و بے اختیار کلام صادر ہونا کیوں جائز نہیں۔۱۹ یعنی آپ علیہ السلام گفتگو میں بے اختیار ہو سکتے ہیں۔

امام رازی نے قرآنی آیت لو کنت اعلم الغیب کا تفسیری خاتمہ ان الفاظ سے کیا۔ان قدرته، قاصرة و علمه قلیل۔۲۰ ان بڑے معجزات کو لانا اور غیب کی خبر دینا کسی بشر کی طاقت نہیں۔ میں رسولوں کی جنس سے ہوں، ان چیزوں پر قادر نہیں جو تم چاہتے ہو۔۔۔ آپ نے ذکر کیا کہ آپ کی قدرت تھوڑی ہے اور علم قلیل ہے۔

دنیوی زندگی سے بحث کے بعد، دوسری بحث یہ ہے کہ بعد از وفات نبی اکرم علیہ السلام یا دیگر اولیاء مشکل کشائی کرتے ہیں؟ یا ان کی روح کائنات میں تصرف کرتی ہے۔ اس بارے میں نبی اکرم علیہ السلام، حضرت علی اور عبدالقادر شاہ جیلانی کے بارے میں بہت سی روایات ہیں۔قرآن و حدیث سے تو کوئی ثبوت نہیں۔بعض متاخرین اور رافضہ سے ایسے خیالات منقول ہیں اور ان کی تردید بھی موجود ہے۔

رافضہ کے غالی گروہ نے اپنے ائمہ کی تعریف اس قدر مبالغہ سے کی کہ خدائی صفات کی جھلک ان میں نظر آتی ہے۔یعنی ذیلی خدا کا مقام دے دیا مگر لفظ الٰہ کا اطلاق نہیں کیا۔

قرآن کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی وفات کے بعد لاٹھی کے سہارے

Marfat.com

سال بھر کھڑے رہے اس کے ٹوٹنے کے بعد آپ بھی گر گئے۔ آپ کی روح نے نبی کے جسم کو گرنے سے نہ روکا۔ تو پھر ایسی روح پوری کائنات میں کیونکر تصرف کرے گی۔ البتہ انبیاء کے جسم نہیں گلتے۔ یہ انبیاء کی خصوصیت ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ اس میں روح کا تصرف نہیں۔

قدرت کے معاملات عجیب ہیں کہ بعض اوقات دنیا کی مجبور ہستی کو مرنے کے بعد مافوق الفطرت قرار دے دیا جاتا ہے۔ کبھی شدید عقیدت کے غلاف میں اس کے اندر الوہی صفات مان لی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت علی اپنی وسیع سلطنت قائم نہ رکھ سکے۔ نصف سے زائد علاقوں پر حضرت معاویہ نے قبضہ کر لیا۔ حضرت حسین مظلوم شہید ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی عیسائیوں کے ہاں ظلماً صلیب دیئے گئے، مگر موت کے بعد خوش عقیدہ عوام نے انہیں مشکل کشا ٹھہرا دیا۔

تقارب:

فریقین میں تقارب پیدا کرنے میں دو امور قابل ذکر ہیں۔

ا۔ لفظ ''کُل'' کا مفہوم:

قرآن میں لفظ کل، کبھی حقیقی حصر کے لئے آتا ہے۔ مثلاً ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ اور کبھی حصر اضافی کے لئے آتا ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان، ذوالقرنین اور ملکہ بلقیس کے لئے یہ لفظ مذکور ہوا۔ ان تمام مقامات پر لفظ کل سے مراد دنیا بھر کی اشیاء نہیں۔ بلکہ صرف ضروری اشیاء مراد ہیں۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔ حدیث میں بھی یہی انداز ہے، یعنی محاوراتی مفہوم۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اگر لفظ 'کل' اللہ کے لئے بولا جائے تو حصر حقیقی مراد ہوگا اور اگر یہ لفظ مخلوق کے لئے بولا جائے تو حصر اضافی مراد ہوگا۔

اب اگر لفظ 'کل' کا دوسرا مطلب یعنی محاوراتی مفہوم مراد لیں اور نبی اکرم علیہ السلام کی مدنی زندگی کا مطالعہ کریں تو اس لفظ کا اطلاق آپ کے لئے درست ہوگا، کیونکہ آپ کی حکومت دس لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی، جو کہ ملکہ بلقیس کی حکومت سے بڑی تھی۔ اگر ملکہ

Marfat.com

بلقیس کے لئے یہ لفظ بولا گیا ہے، تو نبی اکرم کے لئے اس کا اطلاق بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

۲۔ مزاج کا فرق:

انسانی طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ ایک عام شخص کی نگاہ میں کروڑ روپے بڑی رقم ہے، مگر کھرب پتی کی نگاہ میں یہ بڑی رقم نہیں۔ تالاب یا کنویں میں رہنے والے جانور کے لئے یہ وسیع دنیا ہے، مگر سمندر میں رہنے والے جانور کے لئے تالاب چھوٹی دنیا ہے۔

دیو بندی مزاج زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اور مختار کل کا بڑا مفہوم متعین کرتا ہے۔ بریلوی حضرات زیادہ تر نبی اکرم علیہ السلام کی طرف التفات کرتے ہیں۔ وہ عام حکمرانوں کے لحاظ سے لفظ کُل کا مفہوم متعین کر کے اس کا اطلاق نبی اکرم ﷺ پر کرتے ہیں، تو اس کا مفہوم وہ نہیں ہوتا جو اللہ کے لئے اختیار کیا گیا۔ بلکہ دو اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ ذاتی اور عطائی کا فرق۔ غیر محدودیت کے مفہوم میں فرق۔

مزید دیکھیں، لفظ رب، اللہ کے لئے بولا جاتا ہے، مگر یہ الفظ اللہ کے لئے مخصوص نہیں، کیونکہ حضرت یوسف نے اس کا اطلاق شاہ مصر کے لئے کیا۔[۲۲] لفظ رؤف ورحیم اللہ کے نام ہیں، مگر قرآن میں ان کا اطلاق نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی موجود ہے۔[۲۳] لہٰذا نبی اکرم کے لئے ان الفاظ کے اطلاق پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ البتہ مفہوم میں فرق کرنا لازمی ہے۔ جیسے اللہ کے لئے لفظ رب اور شاہ مصر کے لئے لفظ رب کے مفہوم میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح لفظ کل کے مفہوم میں اگر دونوں جگہوں پر فرق ملحوظ رکھا جائے تو اختلاف ختم ہوجاتا ہے۔ تاہم اشتباہ سے بچنا اور خالق ومخلوق میں مساوات کی بجائے تفاوت درجات کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ ملفوظات،۴: ۵۲۰۔

Marfat.com

۲۔ فتاویٰ رضویہ، ۲۹:۶۱۶۔

۳۔ تفسیر نور العرفان، البقرہ: ۱۲۸۔

۴۔ تفسیر نور العرفان، الکہف: ۱۱۔

۵۔ بخاری، کتاب الجہاد۔

۶۔ التوبہ: ۷۴۔

۷۔ التوبہ: ۹۲۔

۸۔ الانفال: ۱۷۔

۹۔ بخاری، کتاب الاعتصام۔

۱۰۔ تفسیر نور العرفان، الکوثر۔

۱۱۔ مسند احمد، ۶:۷۶۔

۱۲۔ ایضاً، ۲۵۰ ومشکوٰۃ، باب الطب والرقی۔

۱۳۔ تفسیر ابن کثیر، الانفال: ۲۲۔

۱۴۔ تفسیر کبیر، آل عمران: ۱۲۸،

۱۵۔ بخاری، آدابِ وضو۔

۱۶۔ ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر مرض الرسول۔

۱۷۔ سیرت ابن ہشام، ۲:۵۲۹۔

۱۸۔ طبری، ۱:۲۲۳۔

۱۹۔ مکتوبات، ۲:۹۶۔

۲۰۔ تفسیر کبیر، الاعراف: ۱۸۸۔

۲۱۔ سباء: ۱۴۔

۲۲۔ یوسف: ۵۰۔

۲۳۔ التوبہ: ۱۲۸۔

Marfat.com

فصل سوم:

قرآن کریم

رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ آخری آسمانی کتاب ہے جس کے نزول کا آغاز غار حرا کی خلوت سے ہوا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دیباج یعنی ریشمی کپڑے پر تحریری شکل میں سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات سامنے کیں اور انہیں پڑھنے کے لئے کہا۔ آپ نے فرمایا ما انا بقارئ ''مجھے پڑھنا نہیں آتا۔'' ان آیات کے نزول سے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا آغاز ہوا۔ گو تبلیغ کا حکم کچھ عرصہ بعد نازل ہوا۔

نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کے دو حصے ہیں۔ قبل از ہجرت نازل شدہ حصے کو مکی سورتیں اور بعد از ہجرت نازل شدہ حصے کو مدنی سورتیں کہتے ہیں۔ نبی اکرم علیہ السلام، زمین پر اللہ تعالیٰ کے نمائندے تھے، بادشاہ کا نمائندہ ملک کے جس حصے میں ہو، شاہی ہدایات اسی جگہ پہنچتی ہیں اور ماحول کے مطابق احکام و ہدایات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ یہی انداز مکی اور مدنی حصوں میں ہمارے سامنے آتا ہے۔

یہ قرآن تمام اسلامی عقائد کی بنیاد اور فقہی احکام کا ماخذ اول ہے اسی کتاب کے ذریعے ہم اللہ کی ذات، صفات اور اس کے مقام کا صحیح تعین کرتے ہیں۔ نبوت کی حقیقت، مقصد، انبیاء کی پہچان، ملائکہ، آخرت اور جنت و جہنم کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح یہ قرآن، تمام اسلامی تعلیمات کا اولین مصدر اور سرچشمہ ہے۔

مذہبی شخصیات کے کوچ کر جانے کے بعد ان کی تعلیمات بھی رفتہ رفتہ مکدر ہو جاتی ہیں۔ مگر قرآن زندہ و جاوید کتاب، تحریف سے منزہ اور اسلامی تعلیمات کا محافظ ہے۔ اس کی صوتی ہم آہنگی، معانی کی بلندی، فصاحت و بلاغت، ایسی خصوصیات ہیں جن کی بناء پر یہ قرآن قلب و

Marfat.com

ذہن کو براہ راست متاثر کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروق کا اسلام قبول کرنا اس کی ایک روشن مثال ہے۔

یہ قرآن رحمت کا سائبان ہے۔ اس کا وجود اٹھتے ہی قیامت آجائے گی۔ یعنی قرآن باقی تو جہان باقی۔ روز قیامت اس کی سفارش ہوگی، درجات کی بلندی کا باعث بھی ہوگا۔

قرآنی آداب ہیں کہ حالت جنابت میں اسے پڑھ نہیں سکتے، حالتِ حدث میں اسے چھو نہیں سکتے، سجدہ میں اس کی قرأت منع ہے، بوقت تلاوت خاموشی سے اس کی سماعت کا حکم ہے۔ نیز قرآن کو موبائل کی گھنٹی نہیں بنا سکتے۔ یہ فضائل کسی اور کو میسر نہیں۔

قرآن کریم خود کو شفاء، ہدایت، نور اور رحمت کے ناموں سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کی اتباع واطاعت سب پر لازم ہے۔ حتیٰ کہ نبی اکرم علیہ السلام سے کہلوایا **قل انما اتبع مایوحیٰ الا من ربی** ۔[۳] ''کہہ دو میں اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کچھ میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کیا گیا ہے۔'' دوسری آیت ہے **و انہٗ لذکر لک ولقومک** ۔[۴] ''بے شک وہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے انعقاد کے وقت خطبہ میں فرمایا **ھذا الکتاب الذی ھدیٰ اللہ بہٖ رسولکم** ۔[۵] ''یہ وہ کتاب ہے جس کے ذریعے اللہ نے تمہارے رسول کو ہدایت دی، تم اسے لازم پکڑو تاکہ ہدایت لو جیسے تمہارے نبی نے ہدایت لی۔''

قرآن میں لفظی تحریف تو ناممکن ہے، البتہ معنوی تحریف کا سلسلہ پہلی صدی سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ اس تحریف کے سد باب کے لئے مفسرین نے اصول لکھے، مثلاً عربی لغت، گرائمر، محاورے کی پابندی وغیرہ۔

قرآن کی توہین، اس کا انکار یا اس میں کسی قسم کا تردد کرنا کفر ہے۔ بقول احمد رضا خاں، جو شخص قرآن، یا اس کے کسی حرف کی گستاخی یا اس کا انکار کرے یا اس کی کسی بات کی تکذیب، یا جس بات کی قرآن نے نفی کی، اس کا اثبات کیا یا جس کا اثبات کیا اس کی نفی کرے دانستہ، یا اس میں کسی قسم کا شک لائے، وہ باجماع تمام علماء، کافر ہے۔[۶]

Marfat.com

رجحانات:

۱۔ دیوبندی مسلک ظاہر قرآن اور عربیت کا زیادہ پابند ہے۔ تفصیل آگے۔

۲۔ بریلوی مسلک میں نبی اکرم علیہ السلام کی طرف رجحان زیادہ ہے۔ بقول مفتی احمد یار

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شرف قرآن سے زیادہ ہے۔''[۷]

دوسری طرف مجدد الف ثانی کا قول ہے، قرآنی حقیقت اور کعبۂ ربانی کی حقیقت، دونوں حقیقتِ محمدی سے اوپر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی حقیقت، حقیقت محمدی کی امام اور کعبہ ربانی کی حقیقت، حقیقتِ محمدی کی مسجود ہے۔[۸]

تقارب:

رجحانات سے قطع نظر، دیوبندی و بریلوی دونوں جماعتیں، قرآن کی مذکورہ بالا حیثیت وحجیت پر متفق ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ صحیح بخاری، باب بداء الوحی۔

۲ تفسیر نور العرفان، زخرف:۵۔

۳ الاعراف؛۲۰۲۔ ۴ زخرف:۴۴۔

۵ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب ۱۔

۶ فتاویٰ رضویہ، ۱۵:۲۱۱۔

۷ تفسیر نعیمی، الاعراف:۱۴۴۔

۸ مکتوبات، رسالہ مبداؤ معاد، ۳۲۷۔

Marfat.com

تفسیری اصول اوران کی اہمیت

۱۔ صریح الفاظ میں تاویل قبول نہیں۔فتاویٰ رضویہ،۱۴:۳۱۵۔

۲۔ نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہوتی ہیں، بلکہ تمام ضلالتوں کا بڑا پھاٹک یہی ہے کہ بطورخود نصوص کوظاہر سے پھیردیں، مطلق کومقید، عام کومخصوص کردیں۔فتاویٰ رضویہ، ۲۷:۲۱۳۔

۳۔ اعتقاد کے باب میں اخبارآحاداگرچہ کتاب سے اورصحیح سند سے ہوں، وہ اعتماد کومفید نہیں۔فتاویٰ رضویہ، ۲۹:۱۷۹۔

۴۔ وہ تفسیر جونبی سے منقول ہواوریہی پہلانمایاں طریقہ ہےلیکن اس میں ضعیف وموضوع سے احتراز واجب ہےاس لئے کہ زیادہ ہیں، اسی طرح وہ تفسیر جوصحابہ اوران کے تابعین نیکوکار سے منقول ہے۔فتاویٰ رضویہ، ۲۸:۵۳۳۔

۵۔ قرآن کی بہترتفسیر وہ ہے جوخودقرآن کرے۔تفسیرنورالعرفان، ہود:۱۰۳۔

۶۔ تفسیر بالرائے حرام ہے۔نورالعرفان، بنی اسرائیل:۱۰۶۔

۷۔ محاورہ عرب کالحاظ ضروری ہے، کیونکہ قرآن عربی میں نازل ہوا۔نورالعرفان۔رضویہ، ۲۶:۴۸۸۔

۸۔ اس آیت میں وہ مرتدین شامل ہیں جوقرآن کی معنوی تحریف کرکے صحابہ کرام اورعام مسلمانوں کے خلاف راستہ اختیارکرتے ہیں اورآیت کے وہ معنی کرتے ہیں جومتواتر معانی کے خلاف ہیں۔نورالعرفان، ہود:۱۹۔

۹۔ اختلافات مٹانے کے لئے ان بزرگوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے جوفریقین کے مانے ہوئے ہوں۔نورالعرفان، البقرہ:۱۳۵۔

۱۰۔ تفسیر میں معنی سے انحراف اوراس کی راہ سے عدول نہ ہواوراس پر لازم ہے کہ معنی

Marfat.com

حقیقی ومجازی کی رعایت کرے، اورترکیب اوراس غرض کی جس کے لئے کلام چلایا گیا ہو۔فتاویٰ رضویہ، ۲۸:۵۴۹۔

۱۱۔ العمل بما علیہ الاکثر من ائمۃ المذاہب، ائمۃ مذاہب کی جدھر اکثریت ہوتو اس پر عمل کیا جائے۔فتاویٰ رضویہ، ۱:۲۹۵۔

اہمیت واطلاق:

ہر گمراہ شخص یا فرقہ اپنے غلط عقائد کوقرآن سے ثابت کرتا ہے، اس کوروکنے کے لئے ان اصولوں کالحاظ کرنا ضروری ہے۔مثلاً:

۱۔ قرآنی آیت گائے ذبح کرو سے مراد، حضرت عائشہؓ، جبت اور طاغوت سے مراد ابوبکرؓ وعثمانؓ [1] نعوذ باللہ۔اسی طرح سورہ فیل میں پرندوں کے ذریعہ کنکریوں سے حملہ کو جراثیمی حملہ قرار دینا، تحریف معنوی یعنی محاورہ عرب کے خلاف ہے۔

۲۔ آیت اضرب بعصاک الحجر (پتھر پر لاٹھی مار) کا ترجمہ اپنی جماعت کو لے کر چل۔یعنی ضرب بمعنی سفر اور عصا بمعنی جماعت لغوی اعتبار سے درست ہے، اگر ضرب کا صلہ فی ہو۔اگر ضرب کا صلہ با ہوتو اس کا معنی مارنا ہوتا ہے، لہٰذا یہ تاویل فاسد ہے اور تفسیر بالرائے کی مثال ہے۔

۳۔ آیت ہے وھو معکم ۔''اللہ تمہارے ساتھ ہے۔''یعنی دیکھنے اور جاننے کے اعتبار سے ہمراہ ہے۔اس معیت سے مراد جسمانی نہیں، کیونکہ اللہ جسم سے پاک ہے۔یہ تاویل صحیح کی مثال ہے، جو بعض اوقات لازمی ہوتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

[1] ابن حزم اندلسی، الملل و النحل، ۲:۷۔

Marfat.com

اہم عربی تفاسیر کا مختصر تعارف

خوش قسمتی سے دیوبندی و بریلوی دونوں حلقے ان تفاسیر کو معتبر و مستند خیال کرتے ہیں اور اپنی اردو تفاسیر میں جگہ جگہ ان سے استشہاد کرتے ہیں اور اقتباسات لیتے ہیں۔ لہٰذا بوقت اختلاف، ان کو تقارب کے لئے بنیاد بنا سکتے ہیں۔ اسی خصوصیت کی بناء پر ان تفاسیر کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔

مفاتیح الغیب:

تفسیر کا اصل نام مفاتیح الغیب، مگر تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ مؤلف کا نام محمد بن حسین فخر الدین رازی ہے۔ آپ کی پیدائش ۵۴۴ کو رے کے علاقے میں ہوئی اور ۶۰۶ کو وفات ہوئی۔ آپ کی یہ تفسیر، تفسیر بالرائے المحمود کی نمائندہ تفسیر ہے۔ جس میں ربط کا بیان، احادیث سے حوالے، نحو اور بلاغت کے نکات اور توجیہات کی کثرت ہے۔ تمام قسم کے علوم و معارف کے بیان سے مؤلف نے اسے گنجینہ معلومات بنا دیا ہے۔ آپ کٹر سنی تھے۔ اہل سنت کے افکار و عقائد کی حقانیت، دیگر فرقوں بالخصوص معتزلہ اور روافض کی تردید کرتے ہیں۔ اس کو کلامی طرز کی تفسیر بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیر جلالین:

یہ تفسیر دو ائمہ کی تصنیف ہے۔ جلال الدین محلی (م ۸۶۴) نے سورہ کہف تک تفسیر لکھی۔ پھر جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱) نے بقیہ حصہ کی تکمیل کی۔ یہ تفسیر حد درجہ مختصر، کہ جس

Marfat.com

قدر قرآنی الفاظ ہیں، تقریباً اسی قدر تفسیری الفاظ ہیں۔ یعنی قرآنی الفاظ میں جہاں حذف تھا، اسے ذکر کر دیا، اگر واقعہ بتلانے کی ضرورت ہوئی تو اسے اختصار سے لکھ دیا۔ اختلاف قرأت، نحوی وصرفی مباحث اور فقہی احکام بھی موجود ہیں۔ تعصب سے پاک ہے۔ مختصر علوم وفنون کی جامع ہونے کی وجہ سے نہایت مقبول ہے۔ ضعیف روایات بھی موجود ہیں۔ دیو بندی و بریلوی دونوں کے مدارس میں نصاب کا حصہ ہے۔

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی:

مؤلف کا نام عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، اندلس کے شہر قرطبہ کے رہائشی، تاریخ وفات ۶۸۱ ہے۔ تفسیر کے شروع میں مقدمہ ہے، جس میں قرآن وتفسیر کی فضیلت، تفسیر بالرائے کی مذمت ہے۔ یہ تفسیر بنیادی طور پر فقہی تفسیر ہے۔ جس میں فقہائے اربعہ کے علاوہ دیگر فقہاء کے اقوال بھی مذکور ہیں، اصول فقہ کا بھی بیان ہے، الفاظ وآیات کی تشریح کے لئے احادیث کا خصوصی اہتمام، کتبِ حدیث کے حوالے، ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال، سند اور متن کی تحقیق ہے۔ اس قسم کا نام تفسیر بالروایہ ہے۔

تفسیر ابن کثیر:

مؤلف کا نام اسماعیل بن عمرو بن کثیر، کنیت ابو الفداء، لقب عماد الدین، ولادت ۷۰۰، وفات ۷۷۴ ہے۔ آپ کا علمی مقام نہایت بلند، تفسیر، حدیث اور تاریخ میں خصوصی مقام تھا۔ اس تفسیر کا اصل نام **تفسیر القرآن العظیم** ہے۔ یہ کتاب بالماثور طرز کی نمائندہ تفسیر ہے۔ ابن کثیر نے سلف کے تفسیری اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تفسیر عربی میں چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے احادیث ذکر کر کے جرح وتعدیل بھی کی۔ فقہی احکام۔ علماء کے اقوال، سابقہ تفاسیر سے استفادہ اور غیر ضروری بحثوں سے گریز کو اپنا شعار بنایا۔ اس تفسیر کے بعد تمام مفسروں نے اس سے استفادہ کیا۔

Marfat.com

روح المعانی:

مؤلف کا نام سیّد محمود آلوسی آفندی ہے۔ آلوس دریائے فرات کے کنارے شہر کا نام تھا۔ آپ کی ولادت ۱۸۰۲ء اور وفات ۱۸۵۳ء ہے۔ تفسیر کا پورا نام روح المعانی فی تفسیر العظیم و السبع المثانی ہے۔ یہ تفسیر نو جلدوں پر مشتمل تھی۔ اب ۲۸ جلدوں میں دستیاب ہے۔ آغاز میں ۳۲ صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے، جس میں تفسیری بحث ہے۔ اس کے ماخذ میں احادیث اور سابقہ تمام تفاسیر شامل ہیں۔ گویا سابقہ تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ اس میں لفظی ونحوی تحقیق، دیگر فرقوں کی تردید، قرأتوں کا بیان اور فقہی مسائل کا ذکر ہے۔ آیات کی عمومی تفسیر کے بعد تفسیر اشاری بھی ہے۔

تفسیر مظہری:

مؤلف کا نام محمد ثناء اللہ قاضی پانی پتی، ولادت ۱۱۲۳ھ، وفات ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء برصغیر کے شہر پانی پت میں ہوئی۔ اس کتاب کی وجہ تالیف یہ تھی کہ سابقہ تفاسیر زیادہ تر شافعی مؤلفین کی مرتب کردہ تھیں۔ جو حنفی مسلک کی پوری تشریح نہ کرتیں۔ پھر عربی میں اختصار کی وجہ سے طلباء کے لئے استفادہ مشکل تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے دس جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر لکھی۔ اس کا ترجمہ بارہ جلدوں میں دستیاب ہے۔ جامع طرز کی یہ تفسیر گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے۔ جس میں لغوی، نحوی تحقیق، تفسیر بالماثور کی نمائندگی، فقہی مباحث پر طویل بیانات، اختلاف قرأت، علم الکلام اور تفسیر اشاری بھی موجود ہے۔ ضعیف احادیث بھی مذکور ہیں۔

مذکورہ تفاسیر اہل سنت کے ہاں مقبول ومستند اور پہلے درجہ کی تفاسیر ہیں۔ ان کے علاوہ تفسیر مدارک، کمالین، خازن، جمل وغیرہ ہیں۔ جو دوسرے نمبر پر ہیں۔ تیسرے نمبر پر روح البیان اور صاوی وغیرہ ہیں۔ جن میں ضعیف وموضوع روایات ہیں۔ اس وجہ سے دیوبندیوں کے ہاں غیر مستند ہیں۔

Marfat.com

تفسیر حقانی:

مؤلف کا نام عبدالحق، وفات ۱۹۲۳ء ہے۔ تفسیر کا نام فتح المنان بتفسیر القرآن ہے۔ یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل اور امتیازی مقام کی حامل ہے۔ کیونکہ اس سے قبل اردو میں کوئی اتنی بڑی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ اس تفسیر میں تمام اسلامی علوم کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ باطل فرقوں کی تردید، سرسیّد کی اغلاط، بائبل سے حوالہ جات، پادریوں اور یورپی مؤلفین کی کتب سے حوالہ جات اخذ کیے گئے ہیں۔ عبارت سلیس، علمی نکات سے لبریز یعنی تفسیری مباحث کا دائرہ معارف ہے۔ بعض مقامات پر مشکل الفاظ اور فلسفیانہ اصطلاحات بھی ہیں۔ البتہ اس کی طباعت کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

تفسیر معارف القرآن:

مفتی محمد شفیع (م ۱۹۷۶ء) کی یہ تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل عوام وخواص میں مقبول بالخصوص دیوبندی مکتب فکر میں زیادہ اہم ہے اور تمام لائبریریوں میں دستیاب ہے۔

یہ تفسیر دو ترجموں یعنی شیخ الہند محمود الحسن اور مولوی اشرف علی کے تراجم اور دو تفاسیر یعنی مولوی اشرف علی کی بیان القرآن اور مفتی محمد شفیع کے معارف ومسائل کا مجموعہ ہے۔ انداز بیان سادہ وسلیس، ملحدین کے شکوک واعتراضات کا ازالہ، عصری مسائل، جدید تقاضے اور جدید فقہی احکام اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہیں۔ قرآنی آیات میں تاویل فاسد یا تحریف کے ذریعے جواب گھڑنے سے اجتناب ہے۔

آپ چونکہ فقیہ تھے، اس لئے جدید مسائل پر قابل قدر فقہی بحثیں درج کی ہیں۔ پہلی جلد کے شروع میں مقدمہ ہے۔ جس میں قرآن کا تعارف اصطلاحات اور مختلف عربی تفاسیر کا مختصر تعارف کرایا گیا۔ ہر سورہ سے قبل اس کا تعارف، خصوصیات وفضائل، ضعیف و موضوع احادیث سے گریز، سورتوں اور آیات میں ربط کا بیان ہے، جو کہ قرآنی تفسیر کا اہم موضوع ہوتا ہے۔ تفاسیر میں سے ابن کثیر، مظہری، بیان القرآن، بالخصوص قرطبی کے حوالہ

Marfat.com

جات زیادہ ہیں۔ مجموعی طور پر یہ تفسیر بالروایہ اور فقہی طرز پر ہے۔ مگر عقائد کی بحثیں بھی ہیں۔

تفسیر عثمانی:

یہ تفسیر شبیر احمد عثمانی کی تالیف اور انہی کے نام سے منسوب ہے۔ اس کے ترجمہ کا نام موضح الفرقان ہے، جو کہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ موضح القرآن کا جدید ایڈیشن تھا۔ شیخ الہند محمود الحسن نے اس تفسیر کا آغاز کیا تھا۔

یہ تفسیر ایک جلد یعنی ۸۱۰ صفحات پر مشتمل مختصر اور جامع ہے۔ انداز بیان میں اختصار ہے، مگر کوشش کی گئی ہے کہ ہر ایک اہم مقام کی وضاحت کی جائے۔ تاکہ قاری کے دماغ میں تشنگی کا احساس نہ ہو۔ بعض مقامات پر تفصیل بھی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ نور وغیرہ۔

اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ فرقہ واریت سے پاک ہے۔ تاکہ لوگ کھلے دل سے استفادہ کر سکیں۔ عربی تفاسیر سے بھرپور استفادہ ہے۔ مگر حوالہ جات کا باقاعدہ التزام نہیں البتہ متفرق مقامات پر حوالہ جات ہیں۔ کہیں کہیں جرح وتنقید بھی ہے۔ تفسیر کا مجموعی انداز بالروایہ اور بالدرایہ ہے۔ مطالعہ قرآن کے وقت پیدا شدہ خلجان، اشکالات اور تعارض کے ازالہ کی طرف توجہ ہے۔ اندازِ بیان مدلل اور دل نشین ہے، جس سے قاری کو سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ مستقل یعنی مفصل تفسیریں لکھیں۔ بحوالہ سورہ توبہ، آیت ۳۷۔ مگر یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ تفسیر سے مؤلف کی علمی قابلیت اور وسعتِ فکری کا اظہار ہوتا ہے۔

تفسیر جواہر القرآن:

یہ تفسیر شیخ القرآن مولوی غلام اللہ راولپنڈی کی تالیف ہے، جو ۱۹۷۲ء میں مکمل ہوئی۔ یہ تفسیر تین جلدوں میں منقسم اور ۱۴۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمہ کا نام موضح الفرقان ہے۔ اس تفسیر میں مؤلف نے اپنے استاذ حسین علی کے خیالات ونظریات منضبط کیے ہیں۔ آغاز میں تفسیری فوائد پر مشتمل ایک مقدمہ ہے۔ ہر سورۃ کے شروع میں گزشتہ سورۃ سے

Marfat.com

ربط، مجموعی مضامین کا خلاصہ، پھر سورۃ کے آخر میں توحید پر مشتمل اہم نکات کا اعادہ ہے۔

اس تفسیر کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اثبات توحید اور ردّ شرک پر خوب جوہر دکھائے گئے ہیں۔ ردّ اہل بدعت بھی خصوصی مقصد نظر آتا ہے۔ قرآنی دلائل کو عقلی انداز سے اجاگر کیا ہے۔ یعنی عقیدت یا تصوف کے انداز کی بجائے عقلیت پسندی کی طرف رجحان زیادہ ہے۔ درمیانہ سائز کی اس تفسیر میں حل لغات، نحوی تراکیب، صرفی تحقیق کا بھی خصوصی اہتمام ہے۔ عربی تفاسیر سے روح المعانی، تفسیر کبیر، قرطبی، کشاف، مظہری اور ابن کثیر کے حوالے نظر آتے ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کا نمونہ بھی ہے۔ متفرق مقامات پر عربی اقتباسات اور عربی اصطلاحات موجود ہیں۔ اس طرح یہ تفسیر عوام کی بجائے خواص کے لئے سودمند ہے۔

ہر صفحہ کے آخر میں شاہ عبدالقادر کی موضح القرآن، شاہ ولی اللہ کی فتح الرحمٰن کے تفسیر فوائد بھی مذکور ہیں۔ اس طرح یہ ایک تفسیر تین تفاسیر کے مضامین کا مجموعہ ہے۔

تفسیر خزائن العرفان:

مؤلف کا نام صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۹۴۸ء) ہے۔ تفسیر کا پورا نام **خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ھے** ۔ گیارہ سو صفحات پر مشتمل یہ مختصر تفسیر، خان بریلوی کے ترجمہ **کنزلایمان** پر خوش نما کتابت وطباعت اور دیدہ زیب جلد کے ساتھ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور- کراچی سے دستیاب ہے اور بریلوی حلقوں میں نہایت مقبول ہے۔ انداز بیاں میں اختصار اور جامعیت ہے۔ سادہ فقرات اور تھوڑے الفاظ میں وسیع مضمون کو سمیٹنے اور مضمون کو مدلل بنانے کی کوشش ہے۔ عربی تفاسیر میں سے، خازن، مدارک اور جمل کے حوالہ جات جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ صحاح ستہ اور دیگر ضعیف کتب سے بھی استناد ہے۔ ہر سورت کے شروع میں شانِ نزول کا بیان ہے۔

تفسیر کے مؤلف خان بریلوی کے شاگرد تھے۔ تفسیر میں بھی انہی کے انداز فکر کی بھرپور نمائندگی اور نظریات کی ترجمانی کی ہے۔ جس کا اظہار قرآن کی پہلی سورت فاتحہ سے

Marfat.com

شروع ہوتا ہے کہ ایک صفحہ کی تفسیر میں تین مقامات پر مخالفین کی تردید اور نام لے کر فرقہ کی تعیین کی ہے۔ تاہم انداز بیاں میں شدت کی بجائے علمی سنجیدگی ومتانت موجود ہے۔

موجودہ تفسیر وترجمہ کے آخر میں سہ ورق رسالہ کی شکل میں کنزلایمان کے لئے اس اعزاز کا اظہار ہے کہ یہ ترجمہ شانِ رسالت کا محافظ ہے۔ جبکہ دیگر تراجم میں انبیاء کرام کی تنقیص ہے۔ مگر اس بیان سے تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی نمایاں ہوتا ہے کہ سات تراجم ایک طرف اور کنز الایمان ایک طرف ہونے سے اس کے تفرد اور جمہور مسلک سے الگ ہونے کا احساس ابھرتا ہے۔

تفسیر ضیاء القرآن:

پیر محمد کرم شاہ (م ۱۹۹۹ء) کی یہ تفسیر پانچ جلدوں، ۳۵۰۰ صفحات پر مشتمل، ۱۹ سال کی طویل مدت میں مکمل ہوئی۔ اس کا شمار اردو کی بلند پایہ تفاسیر میں ہوتا ہے۔ یہ تفسیر قدیم و جدید انداز کا حسین امتزاج ہے، جس میں قدیم تفاسیر سے استفادہ، لغوی ونحوی تحقیق، احادیث واقوال، سلف کے حوالہ جات ہیں۔ جغرافیائی معلومات کی تشریح کے لئے نقشہ جات ہیں۔ باطل فرقوں یعنی معتزلہ اور روافض کی تردید میں قرآنی آیات سے استدلال نیز موجودہ دور کے مستشرقین کے اعتراضات وجوابات بھی موجود ہیں۔ بائبل سے بھی استفادہ ہے۔ احکامی آیات کے ضمن میں فقہی ابحاث ہیں۔ حنفی مسلک کے علاوہ دیگر فقہوں کا ذکر بھی ہے۔ آپ چونکہ خاندانی طور پر تصوف سے وابستہ تھے، اس لئے صوفیہ مثلاً مولانا روم اور قاضی ثناء اللہ کے اقوال بھی درج کیے۔ آپ بریلوی مسلک سے وابستہ تھے، تاہم معتدل مزاج کے حامل تھے۔ آپ نے کھینچا تانی کر کے اپنے عقائد کو ثابت کرنے کی بجائے قرآن کے ظاہری مفہوم کو برقرار رکھا۔

پیر کرم شاہ صاحبِ طرز ادیب اور پرزور تحریر کے حامل تھے۔ اس لئے تفسیر ضیاء القرآن کا طرز نگارش ادبی محاسن سے لبریز ہے، الفاظ کا انتخاب، پرزور تراکیب اور پرتاثیر انداز آپ کی تحریر کا حصہ ہیں۔ اس مقصد کو دوگونہ کرنے کے لئے فارسی اور اردو شعراء کا کلام مزید دلکشی پیدا کرتا ہے۔

Marfat.com

تفسیر نعیمی و نور العرفان:

مؤلف کا نام مفتی احمد یار خاں گجراتی (م ۱۹۷۱ء) کی اس تفسیر کا تاریخی نام اشرف التفاسیر ہے، مگر پہلے نام سے مشہور ہے۔ اس کی بارہ جلدیں مفتی احمد یار خان، پھر ۱۳ سے ۱۸ تک ان کے بیٹے اقتدار احمد نے لکھیں۔ ہر جلد ایک پارے پر مشتمل ہے وسیع معلومات، ہر قسم کے مواد اور مختلف قسم کی بحثوں پر مشتمل یہ ضخیم تفسیر ہے۔ اس میں اردو ترجمہ کنز الایمان ہے۔ اپنے استاذ نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر خزائن العرفان کو بنیاد بنا کر اسے مرتب کیا۔ اس میں مؤلف نے سابقہ آیت سے ربط، شانِ نزول، پھر طویل تفسیر اور پھر اس کا خلاصہ لکھا۔ اگلے مرحلے میں فوائد، اعتراض و جواب کی شکل میں شبہات کا ازالہ ہے۔ بعد ازاں صوفیانہ تفسیر بھی ہے۔ گو یہ انداز اب غیر مقبول ہے۔ بریلوی مسلک کی بھرپور ترجمانی، نبی اکرم سے عقیدت، اولیاء کے فضائل، تبرک و استعانت پر خصوصی توجہ ہے۔ اپنے نظریات کے بیان میں مؤلف کا لہجہ پر تعصب ہے دیگر فرقوں کی تردید اور تکفیر کرتے ہیں۔ تفسیر میں ضعیف و موضوع روایت بھی ہیں۔ مثلاً دیکھئے ہاروت و ماروت کا قصہ۔ قدیم تفاسیر میں سے روح البیان، تفسیر کبیر، ابن عربی وغیرہ سے استفادہ ہے۔

مؤلف کی دوسری تفسیر کا نام نور العرفان ہے۔ جس میں اپنے عقائد کی بھرپور ترجمانی، مخالفین کی تردید و تکفیر ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام سے خصوصی عقیدت کا اظہار اس حد تک ہے کہ ہر آیت سے نبی اکرم کی نعت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ اخلاص، جو کہ صرف توحید الٰہی کے بیان پر مشتمل ہے، مگر مؤلف نے یہاں بھی نعتِ نبی کا مضمون پیدا کر لیا ہے۔ ایک جلد پر مشتمل یہ مختصر تفسیر ہے۔

بریلوی مفسر علامہ غلام رسول، جامعہ نعیمیہ، کراچی نے ان دونوں تفسیروں پر کھلی تنقید کی ہے، دیکھئے تبیان القرآن، سورہ نوح: ۱۵۔

Marfat.com

قرآنی ترجمے میں اختلاف

شاہ ولی اللہ نے قرآنی تعلیمات سے براہ راست استفادے کے لئے اس کا فارسی ترجمہ کیا۔ بعدازاں آپ کے فرزندوں یعنی شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے بھی اردو تراجم لکھے، ان میں سے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ اور مختصر تفسیر بنام موضح القرآن کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ خود فاضل بریلوی نے بھی اس کی تعریف کی۔[1] پھر اس ترجمہ کو بنیاد بنا کر مولوی محمود الحسن اور مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی تراجم لکھے۔ دیوبندی حلقوں میں یہ تینوں تراجم مقبول ہیں۔ احمد رضا بریلی نے کنزالایمان کے نام سے ترجمہ لکھا۔ جو بریلوی حلقوں میں نہایت مقبول ہے۔

دونوں فرقوں کے تراجم میں چند مقامات پر اختلاف ہے، جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے ترجمہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ اختلاف کو حل کرنے کے لئے چار تفاسیر یعنی جلالین، ابن کثیر، روح المعانی اور تفسیر کبیر سے استفادہ سودمند ہے۔

الف۔ وَ وَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدیٰ۔ (والضحیٰ) ترجمہ ''آپ کو بے خبر پایا تو ہدایت دی۔''

یہ ترجمہ عربی زبان وادب کے مطابق ہے۔ بے خبری سے مراد قبل از نبوت کا زمانہ ہے۔ جس کی تائید قرآن کی دوسری آیت سے ہوتی ہے وما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان۔ ''آپ کتاب اور ایمان کو نہیں جانتے تھے۔''

نیز غار حرا میں پہلی وحی کے وقت آپ خوفزدہ ہوئے اور پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لائیں، جن کی باتیں سن کر آپ حیران ہوئے۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ آپ اس وقت بے خبر تھے۔

Marfat.com

ب۔ ''تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔'' (کنزلایمان)

بریلوی نظریہ کے مطابق نبی پیدائشی طور پر نبی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں ہی اپنی رسالت کا اظہار کردیا تھا۔ لہٰذا نبی کو بے خبر کہنا غلط اور اس کی توہین ہے۔ اس طرح کنزالایمان کا ترجمہ صحیح اور شان نبوت کا علم بردار ہے۔

دیوبندی مسلک کے مطابق لفظ ضال کا ترجمہ خودرفتہ کرنا، ایک طرف تو عربی زبان وادب کے خلاف ہے، دوسرے اس ترجمہ میں تعظیم کا کوئی پہلو نہیں۔ بلکہ اس میں ابہام ہے، کیونکہ خودرفتہ کا معنی ہے، بے خبر، بے خود، آپے سے باہر، مدہوش۔

پھر خان بریلوی نے زلیخا جیسی عورت کے لئے بھی اس لفظ کا یہی ترجمہ کیا۔ حالانکہ وہ سفلی جذبات سے مغلوب اور فحاشی پسند تھی۔ متضاد شخصیتوں کے متضاد کردار اور کیفیت کو ایک جیسے لفظ میں ادا کرنا کوئی کمال نہیں۔

تقارب:

فاضل بریلوی نے سورہ یوسف کے شروع میں نبی اکرم کے لئے لفظ غافلین کا ترجمہ ''بے خبر'' کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے لفظ ضالین کا ترجمہ بھی ''بے خبر'' کیا۔ معلوم ہوا کہ اس لفظ میں نبی کی توہین نہیں۔ لہٰذا اس لفظ پر دونوں جماعتوں میں تقارب ہوسکتا ہے۔

غفران ذنب:

الف۔ لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تأخر۔ (سورہ الفتح) ترجمہ ''تاکہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردے۔''

یہ ترجمہ عربی لغت اور ادب کے موافق ہے۔ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقعہ پر نازل

Marfat.com

ہوئی۔اس میں حضور اکرم ﷺ کو غفرانِ ذنب کی بشارت دی گئی کہ ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی اوراس فتح کی وجہ سے آپ کو معافی دے دی۔یعنی فتح سبب ہے اور غفرانِ ذنب مسبب ہے۔

گناہ سے مراد صغیرہ گناہ یعنی بھول چوک ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔اس آیت میں غفران ذنب کا تعلق نبی اکرم کی اپنی ذات سے ہے۔ جیسا کہ مروی ہے، آیت کے نزول پر صحابہ نے کہا یہ تو آپ کے لئے ہے، مگر ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اگلی آیت نازل ہوئی۔[۴]

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا ''آپ رات بھر اللہ کی عبادت کیوں کرتے ہیں، **وقد غفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک و ما تأخر**۔'' تو آپ نے فرمایا ''میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟'' معلوم ہوا کہ اس غفران ذنب کا تعلق نبی علیہ السلام سے ہے۔

ب۔ کنز الایمان کا ترجمہ ہے ''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔'' اس ترجمہ میں گناہوں کی نسبت امت کی طرف ہے اور یہ ترجمہ شانِ نبوت کے مطابق ہے، جبکہ پہلا ترجمہ شانِ نبوت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں گناہوں کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے، جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔جب گناہ ہی نہیں تو معافی کی بحث نہیں۔

مگر دیوبندی خیال کے مطابق اس ترجمہ میں کئی غلطیاں ہیں۔ ا۔ لَکَ کے لام کو تعلیلیہ بنانا عربیت کے خلاف ہے۔۲۔ لفظ ذنب کے بعد مضاف الیہ محذوف مان کر دور کی اضافت پیدا کی، پھر گناہوں کا رخ امت کی طرف پھیر دیا۔یعنی تیری امت کے گناہ۔اس سے یہ مفہوم نکلا کہ نبی کی وجہ سے امت کے گناہ معاف ہوں۔یہ کفارہ مسیح کے عقیدے کی جھلک ہے۔

نیز گناہوں کا رخ پھیرنے کا یہ انداز خان بریلوی نے صرف نبی اکرم کے لئے اپنایا۔ مثلاً دوسری آیت ہے **واستغفر لذنبک و للمومنین والمومنات**۔''اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔'' مگر دیگر انبیاء کے لئے یہ

Marfat.com

طریقہ اختیار نہیں کیا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ ہیں اَن یّغفرلی خطیئتی ۔ ''میری خطائیں بخشے گا۔'' اس میں خطا کی نسبت نبی کی طرف ہے، قوم کی طرف نہیں۔

تقارب:

اس اختلاف کو حل کرنے کے لئے کہ غفران ذنب کی نسبت کس کی طرف ہے۔ خان بریلی کی ایک اور عبارت دیکھئے ''اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پہلے اور پچھلے خطایا معاف کردیئے۔ یعنی گناہوں کی میل وقذر سے آپ کو پاک رکھا، جو ہماری نسبت سے گناہ ہوسکتے تھے۔'' اس عبارت اور انداز پر دونوں جماعتوں کا اتحاد ہوسکتا ہے، کہ یہ بخشش نبی کے لئے ہے۔

الف۔ عَبَسَ وَ تَولّٰی۔ ''تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔ (عبس:۱)

اس میں عبس فعل ہے اور اس کے فاعل نبی اکرم علیہ السلام ہیں۔ اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جبکہ نبی اکرم علیہ السلام رؤسائے قریش کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ اس خیال سے کہ ان کے اسلام قبول کرنے کی بدولت دین کو ترقی ہوگی۔ اسی دوران ایک نابینا صحابی ابن ام مکتوم آگئے۔ آپ علیہ السلام کو ان کی آمد ناگوار گذری اور سلسلہ کلام توڑ کر گھر چلے گئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور نبی اکرم کو عتاب ہوا۔ بعد ازاں جب بھی ابن ام مکتوم، حضور علیہ السلام کے پاس آتے تو آپ مرحبا فرماتے۔ تمام مفسرین حتیٰ کہ پیر کرم شاہ نے بھی اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں اسی وضاحت کو پیش کیا۔

ب۔ ''تمہیں تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔'' (کنز الایمان)

اس ترجمہ کے مطابق عبس کا فاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کوئی کافر شخص ہے۔ جس نے اس لئے ناگواری کا اظہار کیا کہ ہماری موجودگی میں نبی اکرم کے پاس چھوٹے درجہ کے لوگ کیوں آتے ہیں۔ اس ترجمے کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکارم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ تیوری چڑھانا آپ کے شایان نہیں۔ بلکہ یہ بداخلاقی اور آپ

Marfat.com

کی عظمت کے منافی ہے۔

تقارب:

پہلا ترجمہ وتفسیر، جمہور ائمہ تفسیر وحدیث کے مطابق ہے، لہٰذا اسے ترجیح دی جائے۔
دوسرا ترجمہ انفرادیت کا حامل ہے۔

الف۔ والنجم اذا ھویٰ۔ ''ستارے کی قسم جب وہ گرے۔'' (موضح القرآن)

یہ ترجمہ عربی لغت اورادب کے مطابق ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ سورج، چاند، دن، رات وغیرہ کی قسمیں کھا کر اگلا مضمون بیان کیا۔عربی میں اس کا مقصد بعد والے مضمون کی اہمیت اجاگر کرنا ہوتا ہے۔

ب۔ اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔ (کنزالایمان)

یہ ترجمہ عقیدت ومحبت سے لبریز ہے اور بریلوی حضرات کے لئے فرحت وسکون کا باعث ہے۔ دوسری طرف دیوبندی خیال میں نجم یعنی ستارے سے نبی اکرم ﷺ کو مراد لینا جمہوری تفسیر سے گریز ہے۔ پھر ھویٰ کا مطلب ہوتا ہے کشش ثقل کی وجہ سے گرنا۔ یہ غیرارادی حرکت ہے جس کا تعلق بے جان اجسام سے ہوتا ہے۔لہٰذا یہ ترجمہ لغوی اعتبار سے صحیح نہیں۔

مفتی احمد یار کا قول ہے یہ سورت ماہ رمضان، نبوت کے پانچویں سال نازل ہوئی۔۸ جبکہ معراج کا واقعہ ۹ نبوی میں پیش آیا۔لہٰذا چار سال کے بعد کے واقعہ معراج کو اس پر منطبق کرنا صحیح نہیں ٹھہرتا۔

تقارب:

اس ترجمہ سے صرف اظہارِ عقیدت کا فرق پڑتا ہے نہ کہ عقیدہ کا۔لہٰذا اس اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں۔

Marfat.com

الف۔ خلق الانسان علمه البیان ۔(الرحمٰن) ترجمہ ''اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔''

اس آیت میں انسان سے کوئی مخصوص شخص مراد نہیں۔ بقول جلالین اس میں الف لام جنس کے لئے ہے۔اس سے مراد تمام انسان ہیں۔جیسا کہ بعد کی آیات میں بھی جنس انسانی مراد ہے۔ بیان سے مراد ہے قوت گویائی یعنی مافی الضمیر ادا کرنے کی صلاحیت دی۔اس پوری سورت میں اللہ کی قدرتوں کا بیان ہے۔

ب۔ کنزالایمان کا ترجمہ ہے ''انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ماکان و مایکون کا بیان انہیں سکھایا۔''

اس ترجمہ میں نبی اکرم علیہ السلام کی فضیلت کو اجاگر کیا اور آپ کے لئے علم غیب کلی کا بھی اثبات کر دیا۔

تقارب:

پہلے فقرے کے مفہوم کی گنجائش ہوسکتی ہے۔مگر دوسرے فقرے کے مفہوم پر اعتراض ہوسکتا ہے۔البتہ اگر ماکان و مایکون کا مفہوم محدود کر کے مراد لیں تو اس پر تقارب ہوسکتا ہے۔

دوگونہ تراجم:

خان بریلی کے بعض تراجم دوگونہ ہیں۔یعنی مختلف سورتوں میں بعض آیات یا الفاظ یکساں ہیں مگر ان کے تراجم مختلف انداز سے ہیں۔مثلاً۔

الف۔ انک لا تسمع الموتی ولاتسمع الصم الدعاء ۔(الروم:۵۲) ترجمہ

''مردوں کو نہیں سناتے اور نہ بہروں کو پکارنا سناؤ۔''

ب۔ سورہ نحل، آیت ۸۱، ترجمہ ''تمہارے سنائے نہیں سنتے مردے اور نہ تمہارے سنائے بہرے سنیں۔

Marfat.com

تقارب:

پہلا ترجمہ عمومی ترجمہ کے مطابق ہے۔ جبکہ دوسرے ترجمہ میں الفاظ کا اضافہ ہے اور ذاتی عمل کی نفی کر کے، عطائی اختیار ثابت کرنے کی کوشش کا اظہار ہے۔

الف۔ النبی۔(الاعراف:۱۵۷)، ترجمہ ''غیب کی خبر دینے والا۔''

ب۔ النبی۔(طلاق:۱) ترجمہ ''نبی۔''

تبصرہ: لفظ نبی کا ترجمہ نہ کرنا ہی بہتر ہے، کیونکہ اس لفظ سے آپ علیہ السلام کے منصب نبوت کا اظہار ہوتا ہے، جو کہ کائنات میں سب سے بڑا منصب ہے۔ اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ ترجمہ سے اس کی اہمیت وحیثیت ختم ہوجاتی ہے۔ مثلاً لفظ وزیر ایک اصطلاح ہے، بمعنی بوجھ اٹھانے والا۔ مگر اس کا ترجمہ کرنے سے بڑے منصب کے اظہار کا مفہوم بالکل صفر ہوجائے گا۔ غالباً اس لئے کنزالایمان کے جدید ایڈیشن میں بریکٹ کے اندر لفظ نبی بھی لکھا ہے۔ اسی طرح آپ کے لئے بادشاہ اور سرکار کا لفظ کمتر ہے، کیونکہ یہ عامیانہ الفاظ ہیں۔ البتہ سیدالانبیاء اعلیٰ لفظ ہے۔

الف۔ خبیر۔(مجادلہ) ترجمہ ''خبر رکھنے والا۔''

ب۔ خبیر۔(لقمان) ترجمہ ''خبر دینے والا۔''

تجزیہ: لفظ خبیر قرآن میں بیسیوں جگہ مذکور ہے۔ تمام مترجمین اور خود خان بریلی نے اس کا ترجمہ فعل لازم سے کیا، یعنی خبر رکھنے والا اور یہی معنی درست بنتا ہے۔ مگر خان بریلی نے سورہ لقمان کے آخر میں اس کا ترجمہ فعل متعدی سے کیا۔ شاید آپ علم غیب کے متعلق اپنے عقیدے کا اشارہ دینا چاہتے ہوں۔

تراجم میں انفرادیت وجدت:

Marfat.com

الف۔ لا اقسم (البلد) ''میں قسم کھاتا ہوں۔'' عمومی ترجمہ۔

ب۔ لا اقسم (البلد) ''مجھے قسم ہے۔'' کنزالایمان۔

تجزیہ: پہلے ترجمہ میں کھانے کا لفظ ہے اور اللہ کی طرف اس کی نسبت گو محاورۃً صحیح ہے، مگر خان بریلوی نے اسے بھی مناسب نہ سمجھا اور نیا انداز اختیار کیا۔

الف۔ کتب فی قلوبھم الایمان (مجادلہ) ''اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا۔'' یہ عمومی ترجمہ ہے۔

ب۔ کتب فی قلوبھم الایمان (مجادلہ) ''جن کے دلوں اللہ نے ایمان منقش فرمایا۔'' کنزالایمان۔

تجزیہ: دوسرا ترجمہ قرآنی مفہوم کو زیادہ ٹھوس اور گہرائی سے ادا کر رہا ہے۔ اس لئے وہ بہتر ہے۔

الف۔ زعم الذین کفروا۔ (التغابن:) ''کافروں نے خیال کیا۔'' عمومی ترجمہ۔

ب۔ زعم الذین کفروا۔ (التغابن:) ''کافروں نے بکا۔'' کنزالایمان۔

تجزیہ: دوسرے ترجمے میں خان بریلی کی تلخ مزاجی کا عنصر نمایاں ہے۔ مگر قرآنی الفاظ میں تلخ مزاجی، شدت اور بدکلامی نہیں ہے۔

تقارب:

مجموعی طور پر ترجمہ میں زیادہ اختلاف نہیں۔ چند اختلافی مقامات کو مستند و معتبر تفاسیر کی مدد سے حل کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات:

۱ فتاویٰ رضویہ،۲۶:۴۵۷۔
۲ الشوریٰ:۵۲۔
۳ الشعراء۲۰۔
۴ تفسیر ابن کثیر،سورہ الفتح۔
۵ سورۂ محمد:۱۹۔
۶ الشعراء:۱۴۔
۷ فتاویٰ رضویہ،۱۵:۷۳۶۔
۸ تفسیر نور العرفان،النجم:۱۔

Marfat.com

تفسیری اختلاف

مفتی احمد یار کی تفسیر سے چند اقتباسات:

ا۔ قرآن میں مفاتیح اور مقالید کے دو الفاظ مختلف مقامات پر مذکور ہیں، جن کے معنی ہیں چابیاں۔ مطلب یہ کہ غیب کی چابیاں اللہ کے پاس ہیں۔ خان بریلی نے ان الفاظ کی اچھوتی تشریح کی تھی۔

مفاتیح کا حرف اول ''م'' اور حرف آخر ''ح''، پھر مقالید کا حرف اول ''م'' اور حرف آخر ''د''۔ انہیں مرکب کرنے سے نام اقدس محمد ﷺ ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے یا تو اشارہ ہے کہ غیب وشہادت کی کنجیاں حضور کو دے دی گئیں، یا یہ کہ غیب وشہادت سب چیزیں بند تھیں، ان کا قفل جس چابی سے کھولا گیا وہ محمد کی ذات ہے۔[1]

اسی مفہوم کو مفتی احمد یار خان نے اس طرح پیش کیا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ حضور علیہ السلام کی ذات اقدس تمام آسمانی وزمینی خزائن کی چابی ہے۔[2]

تجزیہ: مختلف الفاظ سے مختلف حروف کاٹنا، پھر انہیں نئی ترتیب سے جوڑنا اور اس سے نیا مفہوم پیدا کرنا، یہ طریقہ کار اگر درست قرار دیا جائے تو ہر شخص مختلف الفاظ کاٹ کر اپنی پسند کا مفہوم پیدا کرسکتا ہے۔ لہٰذا یہ تحریف ہی نہیں، بلکہ تحریف کا دروازہ کھولنا ہے۔ بریلوی حضرات میں چونکہ عقیدت زیادہ ہے، اس لئے ان کے ہاں یہ انداز جائز بلکہ مستحسن ہے۔

۲۔ النبی الامّی۔ وہ شخص جسے لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو۔ عربی میں اسے امی کہتے ہیں۔ پھر یہ لفظ نبی اکرم علیہ السلام نے خود اپنے لئے بولا انا امة اُمّية لا نكتب ولا نحسب..... والنبی كان كذالك۔[3]

Marfat.com

اس جگہ مفتی احمد یار کی تفسیر ہے۔ امی کے معنی ہیں ماں والے۔ یعنی ماں کے شکم سے عالم پیدا ہونے والے ﷺ۔

تجزیہ: یہ مفہوم بلاشبہ عقیدت کا ترجمان ہے۔ مگر دوسری طرف لغت سے آزاد ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے اہل مکہ کے لئے بھی یہ لفظ اختیار کیا، **و منهم اميون لا يعلمون الكتاب** ۔۴ حالانکہ اہل مکہ عالم نہیں بلکہ ان پڑھ تھے۔

۳۔ مجنون۔ بمعنی دیوانہ۔ کفار مکہ نبی اکرم علیہ السلام کے لئے یہ لفظ بطور طعن وطنز بولتے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس کی تردید کی اور کہا **وما انت بنعمة ربک بمجنون**۔ اللہ کے فضل سے آپ دیوانے نہیں۔

مفتی احمد یار خان کی اس جگہ تفسیر ہے۔ مجنون بمعنی مستور یعنی چھپایا ہوا۔ نہ حضور مخلوق سے چھپے، نہ مخلوق حضور سے، مخلوق کیا چھپتی، آپ سے تو خالق بھی نہ چھپا۔۵

تجزیہ: اس اچھوتی تفسیر کے ذریعے آپ نے اپنے مسلک کی ترجمانی کی ہے کہ کوئی مخلوق، حضور سے پوشیدہ نہیں، کیونکہ آپ علیہ السلام علم غیب رکھتے ہیں۔

دوسری طرف یہ مفہوم عربی لغت اور محاورے سے آزاد ہے، کیونکہ مجنون کا معنی دیوانہ ہی ہوتا ہے۔

۳۔ تردید۔ **زينة الحيوٰة الدنيا** ۔ترجمہ ''کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگار چاہو گے۔'' کنزالایمان۔

یہاں فاضل بریلوی نے فقرے کو سوالیہ بنادیا۔ پھر مفتی احمد یار نے سوالیہ کو منفی بنادیا اور اس کی تشریح یہ کی، یعنی نہیں چاہو گے؟ کیونکہ اے محبوب ہم نے تمہاری فطرت ایسی بنائی کہ تمہارے دل میں ان کی طرف میلان نہیں۔ یہ سوال انکاری ہے۔۶

دوسری طرف امام رازی کی تفسیر یہ ہے۔ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو منع کیا کہ فقیر مومنوں کو نظر انداز کریں۔ اگر یہ کام کیا تو یہ اقدام دنیوی زندگی کی زینت میں رغبت کے لئے ہوگا۔ یہی انداز علامہ آلوسی نے اختیار کیا اور اس کی تشریح سورہ عبس میں مذکور واقعہ کی شکل میں

Marfat.com

کی۔یعنی یہ سوال انکاری نہیں۔

۵۔ مفتی احمد یار خان سورہ جن کی تفسیر میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے عالم میں انقلاب آ گیا۔ حضور علیہ اسلام عرش وفرش کے بادشاہ بنا کر بھیجے گئے۔ ے

نبی اکرم علیہ السلام سے عقیدت اوران کی مدحت اپنی جگہ بجا، مگر منقبت کا ایسا انداز اختیار کرنا جس سے نظریہ الوہیت یا وحدانیت متاثر ہو، احتراز کرنا چاہئے۔ چنانچہ اگر نبی اکرم عرش کے بادشاہ ہیں تو پھر اللہ کی ذات معطل ٹھہرتی ہے۔ جیسا کہ ہندومت نے خالق کائنات یعنی برہما کو معطل کر دیا۔ پھر شیو اور وشنو نامی خداؤں کو برتر کر دیا۔

۶۔ آیت ہے نؤمن ببعض و نکفر ببعض ۔ترجمہ ''ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے۔ کنزالایمان۔

بقول مفتی احمد یار، ''اللہ سے رسول کو الگ سمجھنا کفر بلکہ کفر کی جان ہے۔ جیسے لیمپ کی بتی کا نور چمنی کے رنگ سے ملا ہوتا ہے۔'' ۸

تجزیہ: اللہ اور رسول صرف اطاعت میں یکساں ہیں۔ بقیہ صفات میں الگ الگ ہیں۔ مگر مذکورہ تشریح میں دو مختلف ذاتوں کو اس طرح اکٹھا کر دیا ہے کہ نظریہ حلول کی جھلک نظر آتی ہے۔ جو غیر اسلامی نظریہ ہے۔ پھر اس تشبیہہ میں نبی اکرم کو چمنی قرار دے کر خدا کو محدود اور نبی کو حاوی کرنے کا مفہوم بنتا ہے۔

تقارب:

مذکورہ آیات کی تفسیر میں کافی اختلاف ہے۔ اسے حل کرنے کے لئے سابقہ تفاسیر کی طرف رخ کریں اور اصول تفسیر دیکھیں یا پیر کرم شاہ کے اس اصول کو اختیار کریں، جو سورۃ یوسف کی آیت ۲۴ میں لکھا ''زلیخا نے اس حرکت (فحاشی) کے ارتکاب کا عزم مصمم کیا، لیکن حضرت یوسف کے دل میں میلان طبع ہوا۔ یہ معنی بیان کرنے میں لغت سے زیادہ عقیدت کو دخل ہے۔ جو شخص حضرت یوسف کی نبوت کا قائل نہیں، اس کو کیسے مطمئن کریں گے۔ اگر وہ اصرار

Marfat.com

کرے کہ پہلے فعل کا معنی میلان طبع ہے اور دوسرے کا معنی عزم وقصد ہے، تو اسے کیونکر قائل کریں گے۔'' آپ کا مطلب ہے کہ تفسیر میں عقیدت کی بجائے حقیقت کا اصول اپنانا چاہئے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ ملفوظات، ۵۰۸۔

۲ تفسیر نور العرفان، زمر: ۶۳۔

۳ تفسیر کبیر، الاعراف: ۱۵۷۔

۴ البقرہ: ۷۸۔

۵ تفسیر نور العرفان، الطّور: ۲۹۔

۶ تفسیر نور العرفان، الکہف: ۲۸۔

۷ ایضاً، الجن: ۱۰۔

۸ ایضاً، النساء: ۱۵۰۔

Marfat.com

حدیث

حدیث سے مراد نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ و السلام کے اقوال، افعال، احوال یعنی دوسرے شخص کے عمل پر آپ کی خموشی ہے۔ جسے تقریر کہتے ہیں، حدیث کی جمع احادیث ہے۔ اسی مفہوم کے قریب دوسرا لفظ سنت ہے، جس کی جمع سنن آتی ہے۔

دین اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حدیث کی حجیت، قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ مثلاً اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول، ''اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ ''تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ حدیث سے استدلال کے لئے چند اصول ہیں، جو اہل سنت کی دونوں جماعتوں میں متفقہ ہیں۔ اس لئے ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ یہ حدیث قرآن کی تفسیر، دین کی تشریح، نبی اکرم کی سیرت، فضائل، اخلاق، مکی و مدنی زندگی کی تفصیل، جنگی حالات و معاہدات، غرضیکہ آپ کی ہمہ گیر زندگی کا مفصل اور جامع بیان ہے۔ درجہ کے اعتبار سے حدیث، قرآن کے ہم پلہ نہیں کیونکہ قرآن تمام متواتر ہے۔ جبکہ احادیث میں سے متواتر کی تعداد بہت کم ہے۔ احادیث کی بہت سی اقسام ہیں، مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، موضوع وغیرہ۔ جن کی تفصیل کتب حدیث اور اصول حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔

احادیث کے مجموعوں میں بخاری و مسلم صحاح کے درجہ میں ہیں۔ اس کے بعد کتب سنن یعنی نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ ہیں۔ ''انہیں صحاح ستہ'' کہا جاتا ہے۔ موطاء کا شمار بھی صحاح میں ہوتا ہے۔ ابن ماجہ اور دیگر کتب میں ضعیف احادیث بھی موجود ہیں۔

دوسری صدی میں وضع احادیث کا فتنہ شروع ہوا۔ جس کے سد باب کے لئے علماء نے سند کو لازمی ٹھہرایا۔ جرح و تعدیل کا فن، راویوں کے حالات اور اسماء الرجال کی کتب وجود

Marfat.com

میں آئیں، تاکہ صحیح وضعیف حدیث کی پہچان ہو، پھر تصحیح حدیث میں بھی علماء کے طبائع مختلف ہوتے ہیں۔ یعنی متساہل، معتدل، متشدد مزاج، ایسے موقعہ پر اختلاف کا حل یہی ہے کہ جمہور ائمہ کی آراء کو قبول کیا جائے۔

عقائد کے اثبات کے لئے حدیث کا متواتر ہونا ضروری ہے۔ فقہ یعنی احکام کے لئے صحیح اور حسن ہونا لازمی ہے۔ ضعیف احادیث غیر معتبر ہوتی ہیں گو بعض علماء، فضائل میں اسے قبول کر لیتے ہیں۔ جبکہ موضوع، شاذ اور منکر احادیث غیر مقبول ہیں۔

تقارب:

حدیث کی مندرجہ بالا حیثیت، اقسام اور اصولوں پر، دیوبندی اور بریلوی دونوں جماعتیں متفق ہیں، کیونکہ صحاح ستہ اور اصول حدیث کی کتب دونوں جماعتوں کے مدارس میں نصاب کا حصہ ہیں۔ تاہم بریلوی علماء، حدیث کے بارے میں متساہل ہیں، کیونکہ وہ ضعیف احادیث کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ مثلاً فاضل بریلوی کا قول ہے "حضور اکرم ﷺ کے والدین کو زندہ فرمایا، وہ ایمان لائے۔" یہ حدیث ضعیف ہے اور مخالف حدیث کے لئے ناسخ ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی منقبت ہے، اگرچہ ہم نسخ کے قائل نہیں۔ [1]

حواشی وحوالہ جات:

[1] فتاویٰ رضویہ، ۵:۵۹۷۔

Marfat.com

حدیث میں اختلاف

کتبِ حدیث اور اصول حدیث میں دونوں جماعتوں کے مابین مکمل اتفاق کے باوجود، ترجمہ اور تشریح میں اسی طرح اختلاف نظر آتا ہے جیسے قرآن کے ترجمہ اور تفسیر میں مذکور ہوا۔ اس سلسلے میں بریلوی بزرگ مولوی ابو الفضل سردار احمد کی چند تشریحات درج کی جاتی ہیں۔ آپ کو محدث اعظم پاکستان کا لقب دیا گیا ہے۔

۱۔ مِنْ اَمَنَّ النَّاس ۔کا معنی مجھ پر زیادہ احسان کرنے والے ہیں۔ ''غلط ہے'' کیونکہ آپ پر کسی کا احسان نہیں، اس کے معنی مجھ پر سب سے زیادہ خرچ کرنے والے صدیق اکبر۔[۱]

تجزیہ: لغت وگرائمر کے اعتبار سے تو پہلے معنی ہی درست ٹھہرتے ہیں۔ یہ خیال کہ نبی پر کسی کا احسان نہیں، قابل غور ہے۔ آخر ماں باپ کا بھی احسان ہوتا ہے۔ اگر محدث اعظم کی عقیدت یہ ترجمہ پسند نہیں کرتی تو الگ بات ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام افصح العرب تھے، آپ اَمَنَّ کی بجائے اَنْفَق کا لفظ بول سکتے تھے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہمان کا بول خود دھویا۔ ایسا نہ کرنا چاہئے، لانرضیٰ بھٰذا. فصبّ علیه الماء کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کو دھونے کا حکم دیا ہو۔[۲]

تجزیہ: بلاشبہ اس مفہوم کی گنجائش ہے۔ کیونکہ فعل کی فاعل کی طرف نسبت حقیقی اور مجازی دونوں طرح ہوسکتی ہے۔ تاہم حقیقی کا امکان زیادہ ہے، کیونکہ اس روایت کے ساتھ ہی ایک بچہ کا اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے۔

فَبَالَ علیٰ ثوبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَتْبَعَهٗ اِیّاہ۔[۳] اس جگہ اس تاویل کی گنجائش نہیں۔

Marfat.com

۳۔ لفظ لَعَلَّ کلام رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تحقیق کے لئے آتا ہے، شک کے لئے نہیں۔۴

تجزیہ: جب خدائی کلام میں لفظ لَعَلَّ بمعنی شاید آتا ہے۵، تو کلام نبی میں اس کا ترجمہ شاید سے کرنا کیوں کر غلط ہے۔

۴۔ لاتدری ماا حدثوا بعدک میں لا تدری بطور استفہام پڑھو۔ کیونکہ مسلم میں ہے

اما شعرت ما عملوا بعدک۔۶

تجزیہ: اس فقرے کو استفہامیہ بنانے کا مقصد شاید اپنے عقیدہ کا علم غیب کا تحفظ ہو کہ فقرے کو استفہامیہ بنا کر پھر اسے منفی سے مثبت بنادو۔ مگر جب اس کے شروع میں حرف تاکید ہو انک لا تدری۔۷ تو عربی لہجے میں استفہامیہ بنانا مشکل ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ تشریح حدیث میں آپ اصول کی بجائے عظمت رسول کی ترجیح کے قائل تھے۔ ضروری نہیں کہ دیگر بریلوی علماء آپ کے اس انداز سے اتفاق کریں، کیونکہ آپ کے مزاج میں تشدد اور تفرد تھا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ دوسرے علماء کے ساتھ اتحاد کے مخالف تھے۔۸

حواشی وحوالہ جات:

۱ محدث اعظم پاکستان، ۳۸۴۔ ۲ ایضاً، ۳۸۳۔

۳ بخاری، اداب وضو، باب ۶۲۔ ۴ محدث اعظم پاکستان، ۳۸۵۔

۵ الطّلاق: ۱۔ ۶ محدث اعظم پاکستان، ۳۸۶۔

۷ مسند احمد، ۱: ۳۹۔ ۸ محدث اعظم پاکستان، ۳۳۸۔

Marfat.com

فصل چہارم: فقہی اختلاف

مَا اُهِلَّ لِغَيرِ اللّٰه

سورہ بقرہ کے ان الفاظ کی تشریح میں شاہ عبدالعزیز نے لکھا تھا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے۔ بوقت ذبح، اللہ کا نام لے یا نہ لے، کیونکہ جب اس بات کی تشہیر کردی کہ یہ جانور فلاں کے لئے ہے تو ذبح کے وقت اس پر خدا کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ جب وہ جانور بطور تقرب غیر اللہ کی طرف منسوب ہوگیا تو اس میں مردار سے بڑھ کر پلیدی ہوگئی۔ اب اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگا۔ جس طرح کتا، خنزیر کہ خدا کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتے۔[1]

مفتی محمد شفیع کراچی نے غالباً اسی مسلک کو اختیار کرتے ہوئے ایسے جانور پر حرمت کا حکم لگایا، جیسا کہ ان کی تفسیر معارف القرآن اور ان کے فتاویٰ میں بھی مختصر سا بیان ہے۔

دوسری طرف بریلوی مسلک کے مطابق اگر ایسے جانور پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے تو وہ جانور حلال ہوگا۔ خود فاضل بریلی نے شاہ عبدالعزیز کے مذکورہ بالا فتویٰ کی تردید میں لکھا۔ شاہ صاحب سے غلطی ہوئی۔ نہ ایک ان کا فتویٰ، بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں، جس میں کچھ متروک نہ ہو۔[2]

مفتی احمد یار نے بھی اس مسئلہ میں شاہ عبدالعزیز پر تنقید کی اور ایسے جانور کی حلت کا حکم دیا۔ ساتھ ہی ایک جزئیہ لکھا، کہ اگر کسی بادشاہ کی آمد پر بطور تقرب جانور کو ذبح کیا اور بوقتِ ذبح، اللہ کا نام لیا تو وہ حلال نہ ہوگا۔[3] کیونکہ یہ ذبح بطور تعبد تھا۔

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کا موقف یکسر غلط نہ تھا۔

Marfat.com

اب مقام شکر ہے کہ یہ اختلاف دور ہوگیا ہے۔ ماضی میں مفتی شفیع کراچی نے فتویٰ دیا تھا۔ شیخ سدو وغیرہ کے نام پر (جو بکرا) نذر کردیا گیا، تو یہ صرف بوقت ذبح اللہ کا نام لینے سے حلال نہ ہوگا۔[۴]

پھر اسی صفحہ کے نیچے حاشیہ ہے، اس مسئلہ میں روایت متشابہ ہیں اور علماء کے فتاویٰ مختلف ہیں، کافی تحقیق کے بعد یہ راجح ثابت ہوا کہ اس جانور کو اگر مالکِ جانور خود یا کوئی دوسرا آدمی مالک کی اجازت سے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کردے تو ذبیحہ حلال ہوجائے گا۔ پوری تفصیل احقر کے رسالہ تنقیح کلام اهل الله فيما اهل به لغير الله میں مرقوم ہے۔[۵]

معلوم ہوا کہ آپ نے سابقہ مؤقف سے رجوع کرلیا ہے اور اب اس مسئلہ میں اتفاق ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ فتاویٰ عزیزی، ۵۳۵ و تفسیر عزیزی۔

۲ فتاویٰ رضویہ، ۲۰:۲۹۶۔

۳ تفسیر نعیمی، البقرہ:۱۷۳۔

۴ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۲:۹۳۲۔

۵ ایضاً۔

Marfat.com

حرف 'ض' کا مخرج اور آواز

عربی زبان کے حرف ''ض'' کی آواز میں دیوبندی و بریلوی جماعتوں کے مابین اگرچہ شدید اختلاف نہیں، مگر جب کوئی اختلاف مسلکی پہچان اور شعار بن جائے تو کسی بھی وقت اس میں شدت پیدا ہوسکتی ہے۔

دیوبندی حضرات اس حرف کا تلفظ ''ظ'' کے قریب اور بریلوی حضرات اس کا تلفظ یعنی آواز ''د'' کے قریب کرتے ہیں۔ اردو زبان کے حوالے سے دیکھیں تو اس کی آواز ''ظ'' سے مشابہہ ہے۔ مثلاً لفظ مریض کے آخری حرف کی آواز 'ظ' سے مشابہہ ہے۔ 'د' سے نہیں یعنی مریض کا تلفظ مرید سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اسی طرح رمضان کا لفظ ہے اسے رمدان کی آواز سے نہیں بولتے۔

اگر موجودہ عرب زبان کے لحاظ سے دیکھیں تو اس کی آواز ''د'' کے قریب ٹھہرتی ہے۔ مثلاً سعودی عرب کے ساحلی شہر 'ظہران' کو بھی 'دہران' کی آواز میں ادا کرتے ہیں۔

۱۔ اسلاف میں سے امام فخر الدین رازی نے سورۃ فاتحہ کے آخر میں اس پر تفصیلی بحث کی۔ پھر 'ض' اور 'ظ' کے درمیان پانچ اقسام کی مشابہت ثابت کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا **یقرب مخرجه من مخرج الظاء** [۱] حرف 'ض' کا مخرج 'ظ' کے قریب ہے، ان کے درمیان مشابہت شدید ہے اور فرق کرنا مشکل ہے۔

مقصد یہ کہ اگر ان دونوں حرفوں میں فرق کرنے کی کوئی اہمیت ہوتی تو دور نبوی یا صحابہ کے زمانہ میں اس کے متعلق سوال کیا جاتا۔ چونکہ یہ سوال نہیں کیا گیا، لہٰذا ان میں تمیز کرنے کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

۲۔ احمد رضا خاں بریلی سے اس حرف کے بارے میں استفسار ہوا، تو آپ نے یہ جواب لکھا۔

'ض' کا مخرج 'ظا' اور 'دواد' دونوں محض غلط ہیں۔ اس کا مخرج زبان کی ایک طرف کی کروٹ، اس طرف کی بالائی داڑھوں سے ملا کر آواز سے پیدا ہوتی ہے۔ 'ظا' یا 'ذ' کا قصد نہ کرے بلکہ جو نکلے، بوجہ آسانی، صحتِ نماز پر فتویٰ ہے۔[۲]

آپ کے اس جواب میں مخرج کی تو مکمل وضاحت ہے مگر آواز کی وضاحت نہیں کیونکہ اس مخرج سے دونوں قسم کی آوازیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ تاہم آپ کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ اس کی آواز میں کافی وسعت ہے۔

۳۔ قاضی خاں کے بقول اگر 'ضالین' کو 'ظ' اور 'ذ' سے پڑھا جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر 'دالین' پڑھا تو نماز فاسد ہوگی۔[۳]

۴۔ مفتی محمد شفیع نے اس پر تفصیلی بحث کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ 'ض' کو ظ، ز، د، ذ کسی آواز میں پڑھنا تو غلط ہے، مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ جس کی وجہ عمومِ بلویٰ اور عوام میں عدم تمیز ہے۔[۴]

یعنی آپ کے ہاں اس کی آواز میں وسعت ہے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کا صحیح تلفظ صرف عرب لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ عجمی لوگوں کے لئے تلفظ کو پوری طرح محفوظ رکھنا مشکل ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دور میں مختلف قبائل کو اپنے اپنے لہجوں میں قرآن پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ ان کے لہجوں کا فرق، آواز کے اس فرق سے کہیں زیادہ تھا۔ حالانکہ وہ تو عرب تھے پھر عجمی لوگ تو اس رخصت کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس معاملے میں مولوی نعیم الدین مراد آبادی کی تشریح یہ ہے۔ ''ضاد اور ظا میں مبائنت ذاتی ہے۔ بعض صفات کا اشتراک انہیں متحد نہیں کرسکتا۔ غیر المغضوب بظا پڑھنا اگر بقصد ہو تو تحریف وکفر ہے۔ ورنہ ناجائز۔''[۵]

Marfat.com

آپ کی یہ تشریح اپنی جگہ درست ہے، مگر بحث یہ نہیں کہ دونوں حرفوں میں مبائنت ہے یا اتحاد بلکہ بحث یہ ہے کہ حرف 'ض' کی آواز کس حرف سے مشابہ ہے، تا کہ اس کے مطابق آواز پیدا کرے اور یہ وضاحت موجود نہیں۔ یعنی تشریح میں خلا اور تشنگی ہے۔

تقارب:

اس حرف کی آواز کے بارے میں خان بریلی کی رائے معتدل ہے۔ نیز آپ قاضی خان کے عقیدت مند ہیں۔ آپ کے بقول ''قاضی خان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے۔[6] لہٰذا اختلاف کے وقت، قاضی خان کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ امام رازی کی وضاحت تو بہت نمایاں ہے۔ اس پر بھی اتفاق کیا جاسکتا ہے۔ مفتی محمد شفیع کی رائے میں وسعت ہے، نیز بقول مفتی رفیع عثمانی:

''حرف 'ض' نہ بعینہٖ دال ہے نہ بعینہٖ ظاء ہے۔ یہ ایک مستقل حرف ہے۔ اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنا لازم ہے البتہ اس کی آواز دال کی بجائے ظاء کے زیادہ مشابہ ہے۔''[7] یہ وضاحت، فریقین کے لئے فیصلہ کن عبارت بن سکتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

[1] تفسیر کبیر، الفاتحہ۔
[2] فتاویٰ رضویہ، ۶:۲۷۳۔
[3] فتاویٰ قاضی خان، ۱:۷۰۔
[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۲:۳۵۰۔
[5] خزائن العرفان، الفاتحہ۔
[6] فتاویٰ رضویہ، ۱:۱۷۴۔
[7] فتاویٰ دار العلوم کراچی، ۱:۳۶۶۔

Marfat.com

مقتدی کب اٹھیں

فقہ کے مطابق اس مسئلہ میں وسعت ہے کہ مقتدی لوگ آغاز تکبیر سے اٹھ جائیں یا پھر حی علی الفلاح کے اختتام تک اٹھ جائیں۔ مگر عملی طور پر دیوبندیوں نے اس وسعت کے پہلے کنارے اور بریلویوں نے آخری کنارے کو اپنایا ہوا ہے۔

بقول مفتی محمد شفیع، اگر امام موجود ہو تو جس وقت تکبیر پڑھنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہئے اور اگر شروع تکبیر ہی سے کھڑے ہو جائیں تب بھی جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جب کہ مصلیٰ پر موجود نہ ہو، باہر سے آئے، تو جس وقت امام مصلّٰی پر کھڑا ہو تو بہتر ہے کہ سب اسی وقت کھڑے ہوں۔[1]

اسی طرح اگر امام عین جماعت کے وقت آتا ہے تو اسے بیٹھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ حالت قیام میں تکبیر سنے اور نیت باندھ لے۔ اگر امام پہلے سے بیٹھا ہوا ہے تو پھر حی علی الفلاح کے اختتام تک اٹھ سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۲:۳۳۶۔

Marfat.com

صاع کا وزن

فطرانہ ادا کرنے کے لئے شرعی وزن صاع رائج تھا۔ ہمارے پیمانے کے مطابق، بقول مفتی محمد شفیع پورے صاع کا وزن تقریباً ساڑھے تین سیر ہوتا ہے، یعنی ۸۰ تولہ کا سیر یہی مفتی بہ ہے۔[1]

بقول احمد رضا خان، نیم صاع، پونے دو سیر گیہوں آتے ہیں، صدقہ فطر فی کس دیئے جائیں۔[2]

معلوم ہوا کہ اس معاملے میں اختلاف نہیں، اگر کوئی اختلاف کرتا ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

1. فتاویٰ دار العلوم دیوبند،۲:۴۵۲۔
2. فتاویٰ رضویہ،۴:۴۳۳۔

Marfat.com

جنازہ کے مسائل

نماز جنازہ کے بعد دعا:

بریلوی حضرات نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کے حامی ہیں اور یہی ان کا معمول ہے۔اس مؤقف کے لئے ایک حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔**اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعا**۔[1] ''جب تم نمازِ جنازہ پڑھ لوتو خلوص سے دعا مانگو۔''

دیوبندی مسلک میں یہ دعا منع ہے۔بقول مفتی محمد شفیع، نماز جنازہ کے بعد جماعت کے ساتھ وہیں ٹھہر کر دعا کرنا درست نہیں، کیونکہ ایک مرتبہ ہوچکی، اس کے لئے فتاویٰ بزازیہ کا حوالہ دیا ہے۔[2]

مفتی محمد رفیع عثمانی کے بقول یہ دعا کسی حدیث سے ثابت نہیں، صحابہ وتابعین کے تعامل سے اس کا ثبوت نہیں۔اس کا التزام بدعت اور واجب الترک ہے۔[3]

بہارِ شریعت، بریلوی مسلک کی کتاب ہے، اس میں نماز جنازہ کے دو ارکان اور تین سنتوں کا ذکر ہے۔بعد والی اس دعا کا ذکر نہیں۔

بریلوی استدلال کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں ذکر کردہ دعا کا تعلق اندرون نماز کے ساتھ ہے کہ جب تم نماز جنازہ پڑھنے لگوتو خلوص سے دعا مانگو۔یہ مطلب نہیں کہ نماز تو بغیر خلوص کے پڑھو، پھر بعد میں دعا کے وقت خلوص پیدا کرو۔

ذکر مع الجنازہ:

اسی قسم کی دوسری بحث یہ ہے کہ جب لوگ جنازہ اٹھا کر چلیں تو دیوبندی مؤقف

Marfat.com

کے مطابق ذکر نہ کریں۔ بقول قاضی خان ''جنازہ کے ساتھ جانے والے خاموش رہیں۔ ذکر اور قرآن کی تلاوت بلند آواز میں مکروہ ہے۔''[۴]

بریلوی مسلک کے مطابق ذکر کرنا چاہیں تو دل میں کریں۔ بلحاظ زمانہ اب علماء نے ذکر جہری کی اجازت دے دی ہے۔[۵]

تقارب:

اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ سنت کے قریب رہنا بہتر ہے، لیکن موت کے حادثہ کے وقت لوگ جذباتی بلکہ جنونی ہوتے ہیں۔ پھر کسی رائج رسم کو چھوڑنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا اصرار کی بجائے مناسب حکمت عملی اختیار کی جائے۔ اسی طرح جنازہ کے ساتھ چلتے وقت اگر علماء نے ذکر خفی کی اجازت دی ہے تو اسے قبول کرلیا جائے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ ابو داؤد، باب الجنائز۔

۲ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۴۴۴۔

۳ فتاویٰ دار العلوم کراچی، ۱:۱۳۱۔

۴ فتاویٰ ھندیہ، جنازہ لے کر چلنے کا بیان۔

۵ بھار شریعت، جنازے کا بیان۔

Marfat.com

ایصال ثواب

اسلامی عبادات تین اقسام پر مشتمل ہیں، قولی، عملی، مالی۔ ذکر، درود وغیرہ قولی عبادات ہیں، نماز عملی عبادت، زکوٰۃ مالی عبادت اور حج عملی و مالی دونوں نوعیّتوں پر مشتمل ہے۔

دیوبندی و بریلوی دونوں جماعتوں کے ہاں مرنے والے شخص کو ایصال ثواب جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ یہ ایصال ثواب تینوں طریقوں سے درست ہے، کیونکہ متعدد احادیث سے اس کا جواز بلکہ ترغیب ثابت ہے۔ مثلاً نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل بند ہوجاتے ہیں، لیکن تین عمل (مرنے کے بعد بھی ان کا ثواب پہنچتا ہے)، صدقہ جاریہ، علم نافع، نیک فرزند۔

پھر ایصال ثواب کی دو شکلیں بنائی جاسکتی ہیں۔ مفرد ایصالِ ثواب، مرکب ایصالِ ثواب۔ مفرد ایصالِ ثواب سے مراد ہے کہ عبادت کے ہر طریقہ کو الگ اپنایا جائے۔ مثلاً نفلوں کا ثواب، خیرات کا ثواب، قربانی وغیرہ۔ دیوبندی حضرات مفرد ایصال ثواب کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

مرکب ایصال ثواب سے مراد ہے کہ دو طریقوں کو جمع کرلیا جائے۔ مثلاً خوراک و طعام کی موجودگی میں اس پر تلاوت کی جائے پھر ایصال ثواب کیا جائے۔ جیسا کہ عموماً فوتگی کے مواقع پر ہوتا ہے۔ بریلوی حضرات کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہے۔

تاریخ کا تعین:

دیوبندی حضرات اپنے اصول کے مطابق، ایصال ثواب کے لئے تاریخ کے تعین

Marfat.com

اور منظّم پروگرام کو غیر شرعی قرار دیتے ہیں اور اسے ناپسند کرتے ہیں، بلکہ اسے ہندوانہ رسم سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بریلوی حضرات اس رسم کے حامی ہیں، جیسا کہ وفات کے موقعہ پر تیسری، ساتویں، دسویں اور پھر چالیسویں تاریخ کو یہ پروگرام ہوتے ہیں۔ مگر اب لوگوں نے انتظامی سہولت کے تحت تدفین کے اگلے روز ہی، ایصال ثواب کا پروگرام منعقد کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح تاریخ کے تعین کا پرانا طریقہ ختم ہوگیا ہے، نیز پروگرام بھی محدود ہو گئے ہیں، جس کی بنا پر اختلاف کی شدت کم ہوگئی ہے۔

یاد رہے کہ ایسے کاموں میں نام ونمود، ریاکاری اور فضول خرچی سب کے ہاں منع ہے، مگر لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

Marfat.com

فصل پنجم: ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

صلاۃ وسلام

صلاۃ بمعنی دعا مانگنا۔ اکثر اہل لغت کے ہاں یہی مفہوم ہے۔[۱] فاضل بریلی احمد رضا خان کا بھی یہی قول ہے کہ بے شک درود دعا ہے۔[۲] نماز کو بھی صلاۃ کہتے ہیں، کیونکہ اس میں بھی انسان اپنے رب سے مانگتا ہے۔ اردو اور فارسی میں صلاۃ بمعنی درود عام طور پر رائج ہے۔

مجموعی طور پر یہاں چھ ابحاث ہیں، فضیلت، الفاظ، اوقات، آواز، شعار، کرامت۔

فضیلت:

درود شریف کی فضیلت میں بڑی دلیل قرآنی آیت ہے، ان اللہ و ملائکتہٗ یصلون علیٰ النبی۔[۳] ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے، نبی اکرم پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام بھی خوب بھیجو۔''

درود کی فضیلت میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ مثلاً جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا، وغیرہ۔ مزید روایات دیکھنے کے لئے مندرجہ بالا آیت کی تفاسیر دیکھیں۔ صلاۃ وسلام کی ایک اہم فضیلت یہ ہے کہ وہ ہماری نماز کا حصہ ہے۔ تشہد میں سلام اور تشہد کے بعد درود ابراہیمی پڑھتے ہیں۔ فقہی حکم یہ ہے، زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے۔ کسی مجلس وغیرہ میں پہلی مرتبہ نبی اکرم علیہ السلام کا نام سن کر درود پڑھنا واجب اور دیگر مواقع پر مستحب ہے۔

شانِ نزول:

Marfat.com

مذکورہ بالا آیت سورۃ احزاب کا حصہ ہے۔ یہ وہ دور تھا، جبکہ بئر معونہ کے واقعہ میں کافروں نے ستر صحابہ کو دھوکہ سے شہید کردیا تھا۔ پھر حضرت عائشہؓ پر افک کا واقعہ، حضرت صفیہ سے شادی پر مخالفین کے اعتراضات والزامات، اپنوں کی چہ میگوئیاں، جن کی وجہ سے نبی اکرم علیہ السلام خود پریشان اور مخلص صحابہ حیران تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو حکم ہوا کہ آپ علیہ السلام کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت وسلامتی نازل کرے اور مخالفین کے شر سے محفوظ رکھے۔ بقول پیر کرم شاہ، اسلام کو مٹانے کے لئے کفار کے سارے حربے ناکام ہو چکے تھے۔ اب انہوں نے نبی اکرم علیہ السلام کی ذات اقدس پر طرح طرح کے بیجا الزامات تراشنے شروع کردیئے تاکہ لوگ رشد وہدایت کی اس نورانی شمع سے نفرت کرنے لگیں اور یوں اسلام کی ترقی رک جائے۔[۴]

خلاصہ یہ کہ درود دعا ہے، جس میں انسان، اللہ کے حضور اپنی بے بسی کا اظہار کرتا ہے، اس سے نصرت ومدد کی التجا کرتا ہے۔ مصیبت جتنی بڑی ہوتی ہے، اللہ کی طرف رجوع بھی اتنا زیادہ ہوتا ہے۔ نیز اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ جب نبی جیسی ہستی خدا کی محتاج ہے تو عام لوگوں پر زیادہ لازم ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ کے حضور دست بدعا ہوں۔ جیسے صحابہ کرام اور حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے مانگتے تھے۔

مذکورہ آیت میں صلاۃ وسلام کی نسبت تین ہستیوں کی طرف ہے، (۱) اللہ تعالیٰ، (۲) فرشتے، (۳) مؤمنین۔ اس سے صلاۃ کی اہمیت مزید اجاگر ہوتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ سہ رخی نسبت، انفرادیت نہیں، کیونکہ صلاۃ کی یہ سہ رخی نسبت مسلمانوں پر درود بھیجنے کے لئے بھی موجود ہے۔ آیت ہے ھو الذی یصلی علیکم و ملائکۃ۔[۵] اور نبی کو بھی حکم ہے وصل علیھم۔[۶] اسی طرح یہ سہ جہتی نسبت توحید کے بیان میں بھی ہے، شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو و الملائکۃ و اولوالعلم۔[۷]

بہرحال صلاۃ وسلام نبی اکرم کی خصوصیت نہیں، کیونکہ کسی سیرت نگار نے اسے خصوصیت نہیں لکھا، البتہ فرضیت ضرور ہے۔

Marfat.com

درود شریف کے الفاظ:

مذکورہ آیت کے نزول پر صحابہ کرام نے نبی اکرم سے پوچھا کہ سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے کہ تشہد میں یہ الفاظ پڑھتے ہیں، مگر صلاۃ کے الفاظ کیسے پڑھیں۔ تو آپ علیہ السلام نے درود ابراہیمی کی تعلیم دی۔ جسے نماز میں تشہد کے بعد پڑھتے ہیں۔ یہ درود تمام درودوں سے بہتر ہے، کیونکہ یہ نبی اکرم سے منقول ہے، اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کا تذکرہ موجود ہے۔ جن کے متعلق آیت ہے، ان ابراھیم کان امۃ۔8 ''بے شک ابراہیم پیشوا تھے، اکیلے امت کے برابر تھے۔''

اس جگہ یہ خیال نہ آئے کہ اس درود کے ذریعہ حضرت ابراہیم کی برتری معلوم ہوتی ہے کیونکہ انہیں مشبہ بہ ٹھہرایا گیا ہے۔ خیال غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نبی اکرم کے حکم کے پابند ہیں۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، اقوام عالم کے مسلمہ راہنما ہیں، مثلاً یہودی، عیسائی، حتیٰ کہ ہندومت میں بھی آپ کا نام عزت واحترام سے لیا جاتا ہے۔9 اس طرح آپ کو مشبہ بہ بنانے کا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ اے اللہ! نبی اکرم علیہ السلام کو بھی اقوام عالم میں اسی طرح مقدس و مسلمہ نبی ٹھہرا جیسے ابراہیم کو ٹھہرایا۔

اللہ و رسول کے حکم سے انحراف یا حضرت ابراہیم کی جزوی فضیلت سے انکار کا خیال بھی دل میں لانا مناسب نہیں۔ قربانی و حج کے مراسم بھی آپ کی یادگاریں ہیں۔ جن پر عمل کرنا ہم پر لازم ہے۔ گو بعض افراد کو شاید یہ فضیلت کھٹکی۔ مثلاً قول ہے، درود ابراہیمی نماز میں کامل، لیکن نماز سے باہر غیر کامل ہے۔10 کیونکہ اس میں سلام کا لفظ نہیں مگر جواب یہ ہے کہ صلاۃ و سلام قریب المعنی ہیں۔ دوسرے یہ کہ سلام کا متبادل لفظ بارک موجود ہے۔ جو زیادہ زوردار ہے۔

موجودہ وقت میں درود ابراہیمی کے متبادل درود موجود ہیں۔ مثلاً درود تاج، درود لکھی وغیرہ، ان میں درود یعنی دعا کی بجائے فضائل نبوی پر زور ہے۔ اس طرح ان کی حیثیت محض درود کی نہیں۔ بلکہ ان کا مقصد اپنے عقائد اور گروہی شناخت کا اظہار ہے۔ ایک مختصر درود الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ عام رائج ہے۔ اسے مزار اقدس پر پڑھنا تو بلاشبہ

Marfat.com

جائز ہے، مگر عام مقامات پر پڑھنے میں اختلاف ہے۔ اس درود کے بارے میں یہ خیال بھی آسکتا ہے کہ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے نہیں ہوتا جبکہ فرمان نبوی ہے، ہر ذی شان کام جو اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔ لہٰذا اللّٰھم صل علیٰ محمد کے الفاظ زیادہ بہتر ہیں، کہ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام سے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں فعل امر کا صیغہ ہے جو زیادہ تاکید کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

آواز:

صلاۃ وسلام دعا ہے اور دعا کے متعلق واضح حکم ہے کہ آہستہ آواز میں ہونی چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ادعوا ربکم تضرعا و خفیه۔[11] ''گڑگڑا کر اور چپکے سے اپنے رب سے دعا کرو۔'' حدیث ہے ''لوگو! اپنے نفس کے ساتھ نرمی کرو، تم جس کو پکار رہے ہو، وہ بہرا ہے نہ غائب۔''[12] یعنی پست آواز میں دعا کرو۔

فقہ میں بھی یہی حکم ہے، والسنة ان یخفی صوته بالدعاء۔[13] ''سنت یہ ہے کہ دعا میں آواز آہستہ ہو۔''

اس بنا پر اذان کے ساتھ، بلند آواز میں درود پڑھنے کا جواز نہیں بنتا، کیونکہ اذان تو ایک بلاوا، یعنی اعلان ہے کہ نماز کی طرف آؤ۔ اعلان ہمیشہ بلند آواز میں ہوتا ہے، جبکہ درود دعا ہے اور دعا آہستہ آواز میں ہونی چاہئے۔

تقارب:

اگر درود شریف آہستہ آواز میں پڑھا جائے اور اذان کے ساتھ ملانے کی بجائے قدرے وقفہ کرلیا جائے، یا اذان کے بعد دعا اور درود پڑھا جائے تو دونوں جماعتوں کو قبول ہوگا، جیسا کہ اس وقت ٹی وی میں یہ طریقہ رائج ہے۔

Marfat.com

اوقات:

عام اوقات میں درود شریف پڑھنا خیر و برکت کا باعث ہے، مگر اپنی طرف سے اس کو کسی دوسری عبادت کا حصہ بنانا (جیسے موجودہ وقت میں بعض لوگوں نے اپنی اذان کا سابقہ بنایا ہوا ہے اور جیسے ایک جماعت نے آیت تطہیر کو اپنی اذان کا جز ٹھہرایا ہوا ہے) درست نہیں، کیونکہ اذان کے ساتھ درود جوڑنے کا یہ عمل، حضرت بلال کی اذان، صحابہ، اسلاف اور تمام ائمہ کے خلاف ہے۔ نیز اصل اذان تو اللہ کے نام سے شروع ہوتی ہے، مگر درود کو مقدم کرنے سے اللہ کا نام مؤخر ہو جاتا ہے۔ اس طرح نبی سے عقیدت، دین کی حقیقت پر غالب آجاتی ہے۔

دوسری دلیل ابن حجر مکی کا فتاویٰ کبریٰ میں حکم ہے کہ اسے روکا جائے۔[۱۴]

تیسری دلیل، اذان سے قبل درود اہل بدعت کا شعار بن چکا ہے۔ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ کہ اگر کسی سنت پر عمل کرنے سے بدعت پھیلنے کا خطرہ ہو تو وہ سنت بھی واجب الترک ہو جاتی ہے۔ یہ تو سنت بھی نہیں، لہٰذا اس پر عمل نہ کریں۔[۱۵]

تاریخی اعتبار سے اذان کے ساتھ درود کا اضافہ مصر کے فاطمی خلیفہ نے کیا اور **السلام علی الملک الظاھر** کو رائج کیا۔ صلاح الدین ایوبی نے جب مصر پر قبضہ کیا تو اس فقرے کو بدل کر **السلام علی النبی** کر دیا، تاکہ رسم پسند جہلاء اپنے بادشاہ کا نام غائب ہونے پر بغاوت نہ کریں۔ پھر جب فتنہ کا خدشہ دور ہو گیا تو اس درود کو بھی ختم کر دیا، یعنی پرانی رسم کو نئی رسم سے بدلنا ایک وقتی علاج اور نفسیاتی طریقہ تھا۔ آج بھی اس پر عمل اور صلاح الدین کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

اذان کے بعد درود پڑھنے کا طریقہ آٹھویں صدی میں شروع ہوا، جیسا کہ خان بریلوی کی عبارت ہے[۱۶] اور یہ سلام اذان کے بعد تھا۔

اذان کے ساتھ درود کی ایک حدیث بھی ہے "جب تم اذان سنو تو اس کی مثل کہو، پھر مجھ پر درود پڑھو۔" مگر اس درود کا حکم سامعین کو ہے، مؤذن کو نہیں۔

مسجد میں جماعت کے بعد بلند آواز سے درود پڑھنے کا ایک طریقہ بریلوی مسلک میں

Marfat.com

رائج ہے۔ مگر دیوبندی فتویٰ یہ ہے کہ ''مروجہ کھڑے ہوکر صلاۃ وسلام پڑھنا اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس سے ذکر وتلاوت اور نماز میں مشغول لوگوں کو تشویش ہوتی ہے۔ دوسرے وہ غلط عقائد ہیں جو لوگوں نے اس خاص طریقہ سے وابستہ کر لیے ہیں۔ مروجہ طریقہ جو صرف درود وسلام کی نمائش کرتا ہے، ناجائز ہے۔ البتہ یکسوئی اور آہستگی سے درود شریف کا اہتمام کرنا چاہئے۔''۱۷

شعار:

ماضی میں جھانکیں تو تاریخ ہمیں مختلف اقوام کے عجیب وغریب رویوں سے آگاہ کرتی ہے، کہ انہوں نے اپنے رہنماؤں کی مظلومیت و بے بسی کو نیا رنگ دیا۔ خوشی وغمی کے اصل سرچشمہ یعنی اللہ تعالیٰ کو فراموش یا نظر انداز کر کے حقیقت سے آنکھیں بند کرلیں۔ پھر اس بے بسی کی کیفیت کو اپنا جماعتی نشان بنالیا۔ مثلاً، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت یعنی صلیب کو، شیعہ نے حضرت امام حسینؓ کی شہادت یعنی دس محرم کو اپنا شعار بنالیا۔ خوارج نے اِنِ الحکم اِلا للہ ۱۸ کو اپنی پہچان ٹھہرالیا، آج اگر کوئی شخص درود کو اپنی شناخت بنائے، حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی درود سے دے، تو یہ درود سے عقیدت نہیں، بلکہ تعلیمات نبوی سے انحراف ہوگا۔ نبی اکرم نے زندگی کے ہر قدم اور ہر حرکت کے لئے الگ الگ دعائیں سکھائیں۔ انہیں پڑھنا چاہئے۔ سنت کو چھوڑ کر نئی راہ اپنانا، یا اللہ کے ذکر کو ثانوی مقام دینا، دینی تعلیمات کو تبدیل کرنا ہوگا۔ صوفیا اور بزرگوں کے حالات کا مطالعہ کریں، تو وہ اللہ کے ذکر میں غرق نظر آتے ہیں۔ مجدد الف ثانی کا قول ہے:

> ''حق تعالیٰ کا ذکر، خیر البشر پر درود بھیجنے سے اولیٰ وافضل ہے، یہ مکتوب کا عنوان ہے۔ تفصیل یہ ہے وہ فیض جو ذکر قلبی کی راہ سے پیغمبر کو پہنچتے ہیں، درود کی نسبت کئی گنا زیادہ ہیں۔''۱۹

ابوبکر واسطی سے کسی نے درود کے بارے میں پوچھا تو کہا ''کبھی کبھی درود بھیجا کرو لیکن اپنے دل میں کوئی جگہ نہ دو۔''۲۰

Marfat.com

مقصد یہ ہے کہ نبی کے ذکر کو اللہ کے ذکر پر ایسی ترجیح دینا کہ خدا فراموشی کی کیفیت پیدا ہو، مناسب نہیں۔ نبی اکرم کی ذات بلاشبہ ہمارے ئے روحانی زندگی ہے، جیسے پانی کی بدولت جسمانی زندگی ہے، مگر ہوا اس سے بھی زیادہ اہم ہے، کیونکہ ہوا کے بغیر پانچ منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا ہر چیز کی اصل اہمیت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

کرامت:

درود پڑھنا بے شک مبارک عمل ہے، مگر ہوتا یہ ہے کہ خوش عقیدہ لوگ، ہر مبارک چیز کے ساتھ کوئی کرامت منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مفتی احمد یار کا قول ہے، ''شہد کی مکھی چمن سے پھولوں کا رس چوس کر حضورؐ پر درود پڑھتی آتی ہے۔ اس کی برکت سے شہد میں شفاء ہے۔''[۲۱]

ایسی روایت پر خوش عقیدہ لوگ واہ واہ کرتے ہیں، مگر عقلیت پسند لوگ اسے خوش فہمی قرار دیتے ہیں اور اسے ثابت کرنے کے لئے ٹھوس دلیل مانگتے ہیں۔

تقارب:

درود شریف کی اہمیت وفضیلت میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ بریلوی مذہب میں درود کی طرف انہماک واستغراق ہے۔ درود کے الفاظ میں بھی چنداں اختلاف نہیں، کیونکہ آپؐ کے لئے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے الفاظ زیادہ مستعمل ہیں۔ البتہ اذان کا سابقہ بنانا اور زیادہ بلند آواز سے پڑھنا اختلافی ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ مفردات القرآن۔

Marfat.com

۲ احسن الوعاء،۸۰۔

۳ الاحزاب:۵۶۔

۴ تفسیر ضیاء القرآن،الاحزاب:۵۶۔

۵ الاحزاب:۴۳۔

۶ التوبہ:۱۰۳۔

۷ آل عمران:۱۸۔

۸ النحل:۱۲۰۔

۹ اتھر وید،کانڈ۱۰،سوکت۲،منتر۲۶تا۳۳ از رسالہ فقیہ۔

۱۰ نور العرفان،الاحزاب:۵۶۔

۱۱ الاعراف:۵۵۔

۱۲ بخاری،کتاب الدعوات۔

۱۳ فتاویٰ عالمگیری،۱:۲۳۱۔

۱۴ فتاویٰ دار العلوم کراچی،۱۴۵۔

۱۵ ایضاً،۱۴۶۔

۱۶ احکام شریعت،۱:۶۵۔

۱۷ فتاویٰ دار العلوم کراچی،۱۳۶۔

۱۸ یوسف:۴۰۔

۱۹ مکتوب،۲:۵۷۔

۲۰ اللمع،۵۰۹۔

۲۱ تفسیر نور العرفان،النحل:۶۹۔

Marfat.com

محبت

اسلام میں محبت سے مراد اللہ اور رسول کی طرف میلان و رجحان ہے۔ قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر اس کی تاکید کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے والذین اٰمنوا اشد حباً للہ ۔[1] ''مومن لوگ اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔'' اس میں اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کا ذکر ہے۔ دوسری آیت ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔[2] ''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (نبی اکرمؐ) کی اتباع کرو۔'' اس میں اللہ سے محبت کا تقاضا واضح کیا ہے۔ یعنی نبی اکرم علیہ السلام کی اتباع، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور یہ محبت دوطرفہ ہوجائے گی۔

اسی سلسلہ کی تیسری آیت ہے۔ اَحبَ الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ ۔[3] ''اگر تمہارے باپ، لڑکے بھائی، بیویاں کنبہ، مال تجارت، جس میں خسارے کا ڈر ہو اور جو حویلیاں، تمہیں اللہ، رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہو۔''

اس آیت میں نبی اکرم علیہ السلام سے محبت کا واضح ذکر ہے۔ نیز حدیث بھی ہے لا یومن احدکم ..... ۔[4] ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اسے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا ہوجاؤں۔'' معلوم ہوا کہ نبی اکرم علیہ السلام کی محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ نیز یاد رہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنے بھائیوں سے محبت کی تاکید بھی ان الفاظ میں کی، ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا، حتیٰ کہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔[5]

اسی مفہوم کی ادائیگی کے لئے ایک لفظ عشق ہے، جو انتہائی محبت کا معنی ظاہر کرتا

Marfat.com

ہے۔ چونکہ یہ لفظ عموماً دنیوی اور سفلی قسم کی محبت کے لئے مستعمل تھا۔ شاید اس وجہ سے قرآن و حدیث میں یہ لفظ مذکور نہیں ہوا۔

اگر ہم محبت کی درجہ بندی کریں تو پہلے نمبر پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا حکم ہے۔ کیونکہ قرآن میں اس کا ذکر تین مرتبہ آیا ہے اور اس کے ساتھ لفظ 'اشـــــــد' بمعنی شدید بھی ہے۔ دوسرے نمبر پر نبی اکرم علیہ السلام سے محبت کا حکم ہے، فقہ وکلام کے علماء نے محبت کے حوالے سے بحثیں نہیں کیں۔ البتہ صوفیا اور تصوف کی کتب میں جگہ جگہ عبارتیں ہیں، جن میں حب الٰہی کا ذکر ترجیحی طور پر موجود ہے۔ مثلاً:

''حضور اکرم علیہ السلام نے خواب میں رابعہ بصری سے فرمایا، کیا تو مجھے محبوب رکھتی ہے۔ تو رابعہ نے عرض کی، وہ کون بدنصیب ہوگا، جو آپ کو محبوب نہ رکھے، لیکن میں تو حب الٰہی میں مشغول ہوں کہ اس کے سوا کسی کی محبوبیت کا تصور بھی نہیں آتا۔'' ۶

ایک آدمی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا ''میں تمہیں دوست رکھتا ہوں۔'' حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ''میں نہیں چاہتا کہ سوائے پروردگار کے، کوئی مجھے دوست رکھے۔ اس لئے کہ میرے باپ نے مجھ سے محبت کی، ان کی محبت نے مجھے کنویں میں ڈلوادیا۔ ۷

زلیخا مشرف باسلام ہوکر یادِ الٰہی میں مشغول رہتی اور یوسف علیہ السلام ملنا چاہتے تو کترا جاتی۔ ایک دن وجہ بتلائی ''اب خدا کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔ پس اے یوسف! اب تم بلکہ تم سے لاکھوں گنا بہتر، میری نظر میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ خدا کے سوا کسی سے الفت کرنے میں بجائے وفاداری کے بے وفائی ظاہر ہوگئی۔ ۸

تصوف کی کتب میں اللہ کی محبت کا پلڑا اسی طرح بھاری نظر آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جنہوں نے اللہ سے شدید محبت کی، اللہ نے انہیں خلیل کے لقب سے نوازا، واتـــــخـــذ اللہ ابراھیم خلیلا۔ ۹ ''اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا۔''

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مقام محبوبیت حاصل کرنے کے لئے نبی اکرم علیہ السلام

Marfat.com

کی اتباع شرط ہے۔ ورنہ نبی اکرم علیہ السلام کے چچا ابو طالب کو آپ سے شدید محبت تھی، مگر وہ اُخروی نجات کا ذریعہ نہیں بنی۔ اللہ کے بعد نبی اکرم سے محبت کا بیان ہے، مگر اس میں افراط و تفریط بہت ہے۔ لہٰذا فرق محسوس کرنے کے لئے چند اقسام بنائی جاتی ہیں۔

۱۔ **شرعی محبت:** یہ صحابہ والی محبت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی محبت سمجھنے کے لئے نبی کی ذات نمونہ تھی، اسی طرح حضور علیہ السلام سے محبت کا طریقہ و انداز جاننے کے لئے صحابہ کرام نمونہ ہیں۔ اس محبت میں ہوش وحواس اور عقل وفکر کو پوری طرح قائم رکھتے ہوئے اپنی جان، مال، اولاد وغیرہ سب کچھ آپ کی خاطر قربان کر دیا جاتا ہے۔ اس قربانی میں حضرت ابو بکر کا نام سرفہرست ہے۔ پھر دیگر صحابہ کرام۔ جنہیں اللہ کی رضا اور جنت کی بشارت حاصل ہوئی۔

۲۔ **جنونی محبت:**

(۱) اس قسم میں محبت، عقل پر غالب آجاتی ہے۔ اس کا نمونہ حضرت اویس قرنی کی ذات ہے۔ یہ آپ کی جنونی محبت تھی، کہ نبی اکرم ﷺ سے مشابہت پیدا کرنے کے لئے اپنے دانت توڑ دیئے، کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ جنگ اُحد میں آپ علیہ السلام کے دانت ٹوٹ گئے تھے۔

(۲) دوسری مثال جنگ جمل کا واقعہ ہے کہ قبیلہ بنو ضبہ کے لوگ پروانہ وار لڑ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کی مینگنیاں اٹھاتے، سونگھتے اور کہتے ان کی خوشبو مشک سے بڑھ کر ہے۔[۱۰]

(۳) شمس الدین خراسانی کا قول ہے "انبیاء علیہم السلام کے فضلات نجس نہیں، بلکہ طیب و طاہر ہیں۔ ہمارے لئے ان کا کھانا پینا حلال۔ ان کے حق میں نجس ہیں، ان کی رفعتِ شان کی وجہ سے۔"[۱۱]

(۴) حسین بن منصور حلاج کے بارے میں ایک واقعہ ہے کہ لوگوں کی دیوانگی اتنی بڑھی کہ عوام اس کا پیشاب مرض دور کرنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ [۱۲]

Marfat.com

یہ جنونی انداز دوسروں کے لئے حجت نہیں۔ حضرت اویس قرنی کا طریقہ کسی نے نہیں اپنایا۔ پھر دیگر نظریات کی کیا حیثیت۔

۳۔ غالیانہ محبت: محبت کا وہ انداز جس میں کوئی شخص، شریعت کی حدود سے نکل کر اپنے رہنما میں الوہی صفات پیدا کردے۔ جسے شریعت کی اصطلاح میں شرک کہا جاتا ہے اور جس کی مذمت نبی اکرم علیہ اسلام نے فرمائی **اللّٰھم لا تجعل فی قبری وثناً**.....[۱۳] ''اے اللہ میری قبر کو بت پرستی نہ بنا۔'' اس قوم پر اللہ کا سخت عذاب ہوا، جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔

دوسری حدیث ہے **لعن اللہ علی الیھود** .....[۱۴] ''اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے، جنہوں نے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔'' اگر یہ بات نہ ہوتی تو نبی اکرم علیہ السلام کی قبر (حضرت عائشہؓ کے بند کمرے کی بنائے) کھلی جگہ بنائی جاتی۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کے ساتھ عقیدت میں غالیانہ رویہ اختیار کرنا یہود ونصاریٰ کا طرز عمل اور ملعون طریقہ تھا۔ حدیث ہے کسی شئے سے تیری محبت، تجھے اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔''[۱۵] لہٰذا ایسی محبت کی ضرورت نہیں، جو اندھا اور بہرا کردے۔

۴۔ مجذوبانہ انداز: یہ محبت تو نہیں بلکہ بے خودی کی کیفیت ہے۔ جس میں انسان مغلوب الحال اور حواس سے گم ہوکر، شریعت سے بھی آزاد ہوجاتا ہے۔ صحابہ کرام بیدار مغز، ہوشیار اور متحرک قسم کے لوگ تھے۔ جبکہ مجذوب ومست لوگ معاشرے کے بیکار افراد اور ذہنی طور پر معذور ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے عقل والوں کو مخاطب کیا اور عقل وفکر استعمال کرنے کی ترغیب دی۔ (یعقلون، یتفکرون وغیرہ)

یہ مجذوب ومست لوگ، ہندو مت اور بدھ مت میں بے شک مقدس ہوسکتے ہیں، مگر اسلام میں مقدس نہیں۔ لہٰذا صحابہ کا اندازِ محبت ہمارے لئے حجت ہے۔ اسی کی پیروی کرنی چاہئے۔ اسی میں دنیاوی عروج ہے اور اسی میں اخروی فلاح ہے۔

Marfat.com

تقارب:

خان بریلوی سے اذان میں (روضہ نبی کی طرف) منہ موڑنے کے متعلق سوال ہوا، آپ نے جواب لکھا ''حیّ علیٰ الصلوٰۃ، حیّ علیٰ الفلاح'' کے علاوہ منہ نہ موڑے۔ قلبی محبت وہی ہے، جو شریعت کے دائرے میں رہے۔[16]

مقصد یہ ہے کہ ہماری محبت شریعت کے تابع رہنی چاہئے۔ دونوں فریق اس محبت پر متقارب ہوسکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ البقرہ:۱۶۵۔
۲ آل عمران:۳۱۔
۳ التوبہ:۲۴۔
۴ بخاری، کتاب الایمان۔
۵ ایضاً۔
۶ تذکرۃ الاولیاء،۵۶۔
۷ سیر الاولیاء،۷۰۷۔
۸ ملفوظات فرید،۳۴۔
۹ النساء:۱۲۵۔
۱۰ تاریخ طبری،۳:۱۷۸۔
۱۱ فتاویٰ رضویہ،۱:۴۳۵۔
۱۲ الفخری،۱۰۰۔
۱۳ موطاء امام مالک۔
۱۴ مسند احمد،۵:۱۹۴۔
۱۵ بخاری، کتاب المیت۔
۱۶ ملفوظات،۱۳۶۔

Marfat.com

نعت

اللہ کی تعریف کے لئے لفظ حمد اور نبی اکرم علیہ السلام کی منظوم تعریف کے لئے لفظ نعت رائج ہے۔ یعنی منظوم کلام میں آپ کے کمالات بیان کرنا عربی میں اس کے لئے لفظ مدح آتا ہے۔

اگر نعت بمعنی تعریف ہوتو قرآن میں بہت سے انبیاء کرام کی نعت موجود ہے، کیونکہ کہ قرآن میں بہت سے انبیاء کے واقعات مذکور ہیں۔ بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام تو چالیس مرتبہ آیا ہے۔ اگر نعت سے مراد منظوم کلام ہوتو قرآن پر اس کا اطلاق درست نہیں، کیونکہ قرآن منظوم کلام نہیں، اس طرح اصطلاحی الفاظ میں وہ نعت نہیں۔

نبی اکرم علیہ السلام کے لئے شعر خوانی کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ جب آپ علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ آئے تو بچیوں نے دف بجا کر یہ نعتیہ اشعار پڑھے ''طلع البدر علینا من ثنایا الوداع۔''

جنگ بدر میں کفار مکہ کے بڑے بڑے سردار قتل ہوئے، جس سے نفرت کی آگ مزید بھڑک اٹھی، تو نبی اکرم ﷺ پر شاعری کی شکل میں طعن وطنز کا نیا دور شروع ہوگیا۔ کفار مکہ اور یہود کی اس مشترکہ طعن زنی کا جواب بھی اسی انداز میں دینا ضروری تھا، کیونکہ عرب میں شاعری کا رعب ووقار تھا۔ وہ لوگ اپنے کمالات اور دشمن کی مذمت کے لئے شاعری کو ہی ذریعہ بناتے تھے، یعنی پروپیگنڈے میں شاعری کا وہی کردار تھا جو موجودہ وقت میں میڈیا کا ہے۔

اس موقعہ پر نبی اکرم علیہ السلام کے دفاع کے لئے، حضرت حسانؓ بن ثابت آگے بڑھے۔ جو قبل ازیں شاہانِ مناذرہ کے درباری شاعر رہ چکے تھے۔ مگر وہ اب اسلام کی دولت

Marfat.com

سے مالا مال تھے۔ آپ ﷺ نے ان الفاظ سے آپؓ کو دعا دی تھی اللّٰھم ایدہ بروح القدس۔ ''اے اللہ روح قدس سے ان کی مدد کر۔'' آپ نے اپنی شاعری سے اس فریضہ کا حق ادا کیا، حضرت حسان کے علاوہ عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک وغیرہ نے بھی آپ علیہ السلام کی شان میں قصائد لکھے۔

رہنما کی تعریف وتوصیف سے متبعین کے دل کو سکون اور ایمان کو تازگی نصیب ہوتی ہے۔ اگر تعریف کے ساتھ گائیکی، حسنِ صوت اور ترنم بھی ہو تو یہ تعریف سہ آتشہ ہو جاتی ہے۔ سامع جھومنے لگتا ہے اور عقیدت واطاعت کا جذبہ بڑھتا ہے۔

دوسرا رخ:

ہجرت مدینہ کے وقت بچیوں کی اشعار خوانی ایک وقتی جوش اور معصوم ولولہ تھا۔ بچے غیر مکلّف ہوتے ہیں، یہ نعت خوانی مسلسل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حسان کی شاعری بھی ایک وقتی مقصد یعنی دشمنوں کے پروپیگنڈے کا جواب اور کفار کے خلاف نفسیاتی حربہ تھا۔ یہ شاعری بذات خود دین کا حصہ نہیں۔ اسی وجہ سے فتح مکہ کے بعد جب جنگ وجدل کے محرکات سرد پڑ گئے تو شاعری کی مجلس بھی رخصت ہوگئی، خلفاء راشدین نے یہ مجلس قائم نہیں کی، یعنی یہ مجالس دور نبوی کی خصوصیت تھی۔ بنوامیہ، عباسیہ یعنی خیر القرون میں کہیں اس کا وجود نظر نہیں آتا۔ اس دور میں ہزاروں علما، فقہاء، محدثین پیدا ہوئے، مگر نعتیہ مجالس کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ صدیوں کا یہ تاریخی خلاء، سوالیہ نشان ہے۔ بقول شیخ سہروردی، صحابہ کا انہماک پانچ چیزوں میں تھا۔ قرآن کی تلاوت، مساجد کی آبادی، اللہ کا ذکر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ [1]

ساتویں صدی میں قصیدہ بردہ منظر عام پر آیا، جو بوبصیر شیخ شرف الدین بوعبداللہ بن محمد بن کا کلام ہے۔ آپ سکندریہ کے رہائشی تھے اور وفات ۶۹۷ میں ہوئی۔ اس مجموعہ کے کل ابیات ۱۸۲ ہیں اور اسے کافی شہرت حاصل ہے۔

بیسویں صدی میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے احمد رضا خان بریلی کا اہم نام ہے۔

Marfat.com

آپ مدح گوشاعر تھے۔ مدائح اعلیٰ حضرت کے نام سے آپ کا مجموعہ کلام ہے۔ ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' آپ کی مشہور نعت کا پہلا مصرعہ ہے۔آپ کی ذات سے نعتیہ شاعری کو فروغ ملا۔مجالس وتقریبات منعقد ہونے لگیں اور نعت خوانی میں انہماک ہوگیا۔

یہاں دو امور قابل ذکر ہیں (۱) نعت خوانی کو شغل قرآنی پر ترجیح کا ماحول نہ بننے دیا جائے، کیونکہ قرآن خدائی کلام ہے، انسانی کلام اور کلام الٰہی کے درجہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ حضرت عمر نے ایک موقعہ پر قرآن سے گریز اور اشعار سے رغبت پر سخت برہمی کا اظہار کیا تھا۔[۲]

(۲) شاعری میں ایسی آزادی اور بے لگامی نہ ہو کہ نبی اکرم علیہ السلام کے لئے الوہی صفات نظر آئیں یا ان کی جھلک کا احساس ہو۔ یہ محض مفروضہ نہیں بلکہ اس حقیقت کا اعتراف خود مفتی احمد یار نے کیا اور مذمت بھی کی۔آپ کے بقول، ''بعض جاہل نعت گو اور جاہل نعت خواں، حضور ﷺ کو خدا لکھ دیتے ہیں اور پڑھ دیتے ہیں۔ جیسا کہ بہت جگہ سنا گیا ہے۔ یہ کفر وشرک ہے۔''[۳]

اس کی مثال یہ شعر ہے ؎

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر　　مدینہ میں اتر آیا مصطفیٰ ہو کر

شاعری کے باری میں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ تخیل کی پیداوار، حقیقت سے دور اور مبالغہ سے پر ہوتی ہے، کیونکہ مبالغہ شاعری کا حسن ہے۔ دوسری طرف دین میں مبالغہ اور غلو بالکل منع ہے، نیز انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے شخصیت پسند ہے، اپنے ممدوح کی مدح سرائی میں حد سے گزر جاتا ہے۔ اس طرح شاعری دودھاری تلوار بن جاتی ہے۔ بقول مفسر روح البیان، شاعری شیطان کا قرآن ہے۔[۴] اور بقول ابن خلدون، اونچے طبقے کے لوگ شاعری کو باعث شرم سمجھتے ہیں۔[۵] بقول خان بریلوی ''شعر، شرع پر حجت نہیں۔''[۶]

تقارب:

بلاشبہ نبی اکرم علیہ السلام کی ذات، اعلیٰ صفات وکمالات کی حامل ہے، مگر ان کی

Marfat.com

تعریف میں بھی شرعی حدود کا خیال کرنا ضروری ہے، کہ اسلامی تعلیمات سے انحراف نہ ہو، موضوع روایات اور ذاتی خیالات سے اجتناب ہو۔ آپ علیہ السلام کے مستند حالات کا ذکر ہو۔ شائستہ الفاظ اور باوقار انداز ملحوظ ہو۔ عامیانہ الفاظ، ذاتی احساسات وکیفیات کی بجائے آپ کی تعلیمات وکمالات کا بیان ہو، تو دونوں جماعتوں میں ہم آہنگی بڑھ سکتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ قوت القلوب، ۴۹۹۔

۲ عمر فاروق اعظم، ۶۵۷۔

۳ تفسیر نعیمی، المائدہ:۷۲۔

۴ تفسیر روح البیان، یٰسین:۶۹۔

۵ مقدمہ ابن خلدون، ۲:۵۱۶۔

۶ فتاویٰ رضویہ، ۲۱:۱۱۹۔

Marfat.com

نسبت وقرابت

دین میں نسبت سے مراد ہے کہ جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا، وہ اسلام میں داخل ہوگیا اور اسلامی برادری کا رکن بن گیا۔ خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہو، اور کسی بھی رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہو، کیونکہ یہاں صرف ایمانی رشتہ معتبر ہے۔ نہ کہ نسبی یا خاندانی رشتہ۔

امت کا لفظ بھی اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے، یعنی ایک عقیدے، دین اور ایک نبی سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک امت کہلاتے ہیں۔ اس اصول کی بناء پر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان آپ کے اہل سے خارج ہے۔ قرآنی الفاظ **انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح** ۔[1] اسی طرح حضرت ابراہیم کا باپ آزر، حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویاں اور نبی اکرم علیہ السلام کا چچا ابولہب وغیرہ اہل سے خارج ہیں۔ قرآن نے سورۃ تبت میں اس کا ذکر بدترین الفاظ میں کیا ہے۔ دوسری طرف فرعون کی بیوی اور حضرت مریم کا ذکر جنتی خواتین کی فہرست میں آیا۔ قرآن میں کئی جگہ نسبتی قرابت کی نفی کی گئی۔ مثلاً یہود کا قول **نحن ابناء اللہ و احباؤہ** ۔[2] ''ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں۔'' کا جواب دیا ''تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں کیوں عذاب دے گا۔''

بقول مفتی احمد یار ''قیامت میں ایمانی رشتہ معتبر ہوگا نہ کہ محض خونی رشتہ۔ کنعان، حضرت نوح علیہ السلام کا نسبی بیٹا تھا، مگر کفار کے ساتھ رہا، انہیں کے ساتھ دوزخ میں گیا۔''[3]

آپ کا دوسرا قول ہے ''بے دین کی بخشش نہیں ہوگی، اگرچہ بزرگوں کی اولاد ہو۔''[4]

آپ کا مزید قول ہے ''قرابت نسبی اگرچہ دینی قرابت سے قوی ہے، لیکن بغیر دینی قرابت کے نسبی قرابت بیکار ہے۔''[5]

Marfat.com

نسبت کی اقسام:

معمولی یعنی کمزور نسبت، قوی نسبت، عارضی نسبت اور مستقل نسبت، مثلاً ایک بچہ کہتا ہے۔ یہ میرا اسکول ہے، چوکیدار کہتا ہے میرا اسکول ہے، وہاں کا ہیڈ ماسٹر اور پھر مالک کہتا ہے یہ میرا اسکول ہے۔ سب کے الفاظ یکساں ہیں، مگر مفہوم میں بہت فرق ہے۔

کسی مکان کی تعمیر میں، مزدور، مستری، ٹھیکیدار، ہر شخص کہہ سکتا ہے یہ مکان میں نے بنایا مگر مراد میں فرق ہوتا ہے۔ اس مکان کا چوکیدار اگر اپنی مرضی سے کوئی اینٹ ادھر ادھر کر دے یا کوئی لکڑی اٹھا کر جلا لے تو یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے تصرف کے اختیارات حاصل ہیں۔ ایسا کہنا رائی کو پہاڑ بنانا ہوگا۔

اسی مثال کو دوسرے انداز سے دیکھیں۔ نوکر کہتا ہے، یہ بکرا میرا ہے، کبھی کہتا ہے یہ بکرا چودھری صاحب کا ہے، پھر کہتا ہے یہ عقیقے کا بکرا ہے۔ ان نسبتوں کی تعیین اور مراد کی تشریح آسان ہے، کہ میں بکرے کا نگران ہوں، چودھری صاحب اس کے مالک ہیں اور یہ بکرا عقیقے کے لئے رکھا ہوا ہے۔

لیکن اگر وہ کہتا ہے، یہ پیر کا بکرا ہے۔ تو مراد واضح نہیں کہ پیر صاحب اس کے مالک ہیں یا پیر کے لئے ایصال ثواب ہے، یا پیر کی خوشنودی اور تقرب مراد ہے۔ یہاں پہلے دو مفہوم درست ہیں، تیسرا مفہوم غلط ہے۔ گو بظاہر الفاظ یکساں ہیں۔

ذو معنی الفاظ پر مشتمل فقرے میں گڑبڑ کے وسیع امکانات ہوتے ہیں۔ یہ لفظ تو متشابہ بن جاتا ہے، عوام اس کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ زمانہ ماضی کے جاہلی ماحول میں لوگ پیر کی خوشنودی اور دفع ضرر کے لئے غالباً یہ کام کرتے اور نسبت کا غلط مفہوم اختیار کرتے۔ جبکہ صحیح مفہوم مراد لینے کی بھی گنجائش ہوتی۔ البتہ یہ کہنا کہ عقیقہ کا بکرا ہے، اس میں غلط مفہوم پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ یہاں نیکی اور ثواب کی اقسام میں سے ایک مفہوم کا تعین کرنا ہے۔ جیسے یہ کہنا فجر کی نماز، ظہر کی نماز، تو یہ درست ہے، لیکن اگر کہا جائے اللہ کی نماز، دوسرا کہے پیر کی نماز، تو

Marfat.com

اس جگہ مراد بدل سکتی ہے۔شرک کا امکان پیدا ہوسکتا ہے، کیونکہ شخصیت کی طرف نسبت ہے۔

نسبت اور تقدس:

اگر کسی عام چیز کی نسبت، دوسری مقدس چیز کی طرف کردی جائے تو اس کی حیثیت تبدیل ہوجاتی ہے۔مثلاً بے وضو شخص کو حکم ہے کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔قرآن کی جلد کا بھی یہی حکم ہے کہ اسے بھی ہاتھ نہ لگائے۔لیکن قرآن کا غلاف اس حکم میں نہیں، کیونکہ غلاف کا قرآن کے ساتھ اتصال یعنی نسبت مستحکم نہیں بلکہ عارضی ہے۔لہٰذا یہ نسبت کمزور ہے، اس لئے اس کا حکم بھی الگ ہے، کہ بے وضو شخص اس کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔اگر چہ وہ قرآن کا غلاف ہے۔

بریلوی مسلک میں نسبت اور عقیدت کی طرف رجحان زیادہ ہے۔مثلاً مفتی احمد یار کا قول ہے:

الف۔ ''بزرگوں کی قبریں شعائر اللہ ہیں، جن لوگوں کو اللہ کے پیاروں سے نسبت ہوجائے، وہ سب شعائر اللہ ہیں۔''[۶]

ب۔ ''کتا ذلیل ہے مگر اصحاب کہف کا کتا عزت والا ہے، جسے ان کی برکت سے دائمی زندگی مل گئی۔''[۷]

ج۔ ''حضور علیہ السلام کے نعلین، عرش اعظم سے افضل ہیں، جیسے حضور کی قبر۔''[۸]

نسبت سے عقیدت یا اس کا تقدس اپنی جگہ لیکن اللہ و رسول کی نسبتوں میں تقابل کرنا اور تعظیم و تحقیر کرنا غلط ہوسکتا ہے۔نعلین کا تعلق نبی اکرم سے مستحکم نہیں بلکہ عارضی تھا۔آپ علیہ السلام نے بیسیوں جوڑے پہنے اور ختم کردیئے، جبکہ عرش عظیم کا اللہ سے مستحکم تعلق ہے، بلکہ عرش کی تو اپنی فضیلت ہے۔مگر نعلین کی اپنی فضیلت نہیں۔پھر نبی اکرم نے سینکڑوں کپڑے پہنے، جانوروں پر سواری کی، لاکھوں افراد کو چھوا، مگر ان کا عرش اعظم سے موازنہ درست نہ ہوگا۔صحابہ میں ابو بکرؓ کا درجہ زیادہ ہے، کیونکہ ان کے اعمال زیادہ ہیں۔اصل اہمیت اعمال کی ہے۔صرف جسم سے مس کرنے کی نہیں۔

Marfat.com

نسبت کی اہمیت میں خان بریلی نے ایک واقعہ لکھا۔ ایک عالم نے خواب میں بتلایا کہ جنت عطا ہوئی۔ نہ علم کے سبب بلکہ حضور اکرمؐ کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی سے ہوتی ہے۔ پھر لکھا مانیں نہ مانیں۔ یہ ان کا کام، سرکار نے فرمایا کہ بھونکے جاؤ۔ بس اسی قدر نسبت کافی ہے۔ جسے یہ نسبت حاصل ہوا سے کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں۔ [9] ملخص۔

نبی کی حرمت کا تحفظ ایک مقدس فریضہ ہے، مگر اس اچھے مقصد کے لئے بھونکنے کا لفظ استعمال کرنا، حیران کن ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

[1] ہود:۴۶۔

[2] المائدہ:۱۸۔

[3] نور العرفان، الاحقاف:۱۲۔

[4] ایضاً، المائدہ:۱۸۔

[5] ایضاً، ہود:۴۶۔

[6] نور العرفان، الحج:۳۲۔

[7] ایضاً، الفرقان:۱۔

[8] ایضاً، طٰہٰ:۱۲۔

[9] ملفوظات، ۳۷۳۔

Marfat.com

تبرکات وباقیات

بریلوی اور دیوبندی مسلک کے درمیان اس اختلاف کا تعلق عدم جواز سے نہیں بلکہ انہماک واستغراق سے ہے، کہ بریلوی حضرات اس میں زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگ نفع ونقصان کا تصور بھی ان سے وابستہ کرتے ہیں۔

البرکۃ کا معنی ہے دوام وبقاء۔ باقیات کا لفظ اسی مفہوم کی ترجمانی کرتا ہے۔ اصطلاحی طور پر البرکہ کا معنی ہے کثرۃ الخیر۔ [1] لفظ تبارک بھی اسی سے بنا ہے اور اللہ کی صفت کے طور پر بولا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اسی طرح نبیوں کے لئے بھی یہ لفظ مذکور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے وجعلنی مبارکاً۔ [2] اسی مفہوم میں ایک لفظ متروکات بھی رائج ہے۔

ان تبرکات سے مراد نبیوں اور بزرگوں کی وہ چھوڑی ہوئی اشیاء ہیں، جنہیں یادگار کے طور پر عقیدت ومحبت کے ساتھ محفوظ کیا جاتا ہے۔ اوران کے ساتھ ایک جذباتی تعلق وابستہ ہوتا ہے۔

نبی اکرم علیہ السلام کے تبرکات کا ثبوت، صحابہ کرام کی متعدد روایات سے ملتا ہے، کہ انہوں نے آپ علیہ السلام کی متعدد اشیاء محفوظ کیں۔ جیسے چادر، نعلین، تلوار، عصا، بال، ناخن وغیرہ۔ مثلاً۔

۱۔ حضرت انس بن مالک سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ نائی آپ کا سر مونڈھ رہا تھا۔ آپ کو آپ کے اصحاب نے گھیرا ہوا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ آپ کا ایک ایک بال ان کے ہاتھ میں گرے۔ [3]

۲۔ حضرت کعب بن مالک نے نبی اکرم علیہ السلام کے لئے قصیدہ لکھا۔ آپ علیہ السلام نے انہیں اپنی چادر عطا کی، جو آپؓ کے خاندان میں رہی۔ پھر حضرت معاویہؓ نے وہ

Marfat.com

چادر دس ہزار درہم میں خرید لی، جواب تک خلفاء کے پاس ہے۔[۴]

۳۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر عروہ بن مسعود نے نبی اکرم سے ملاقات کے بعد اپنے ساتھیوں کو رپورٹ دی کہ نبی اکرم علیہ السلام کے اصحاب، نہ تو آپ کے پانی کا کوئی قطرہ ضائع ہونے دیتے ہیں، نہ لعاب دہن زمین پر گرنے دیتے ہیں اور اگر کوئی موئے مبارک اتفاق سے گر جائے تو وہ فوراً اسے محفوظ کر لیتے ہیں۔[۵]

۴۔ مشہور منافق عبداللہ بن اُبی کی وفات پر آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر اس کے بیٹے کی خواہش پر اپنی چادر بطور کفن عطا کی اور لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا۔[۶]

۵۔ اس سلسلے میں اہم ترین نام حجرِ اسود کا ہے۔ جو زمانہ قدیم کی اہم یادگار ہے، جسے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے کعبہ کی عبارت کا حصہ بنایا۔ نبی اکرم اور صحابہ کرام نے اسے بوسہ دیا۔

نفع ونقصان:

قرآن کے مطابق بنواسرائیل اپنے وقت کے نبی سموئیل علیہ السلام کے پاس گئے اور اپنے لئے حکمران مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے جالوت کو سردار مقرر کر دیا۔ قوم نے اس پر اعتراض کیا، تو حضرت سموئیل نے صحتِ تقرر کی یہ علامت بتائی کہ فرشتے تمہارے پاس وہ تابوت لائیں گے جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ اور آل موسیٰ وہارون کے باقیات ہیں۔

اس پر مفتی احمد یار خان کا تبصرہ ہے۔ بزرگوں کے تبرکات مشکل کشا ہیں اور باذنِ خدا حاجت روا ہیں۔ اس لئے میت کے ساتھ تبرکات رکھے جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کے تبرکات جنگ میں فتح کے لئے رکھے جاتے تھے۔[۷]

فرعون کی غرقابی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر وادی سینا میں گئے۔ اور بذاتِ خود طور پر چلے گئے، تو پیچھے سامری نے سونے کا بچھڑا بنایا۔ اس میں حضرت جبرئیل سے منسوب مٹی ڈالی اور وہ بولنے لگا۔

Marfat.com

اس پر مفتی احمد یار کا تبصرہ ہے، اس بچھڑے کا بولنا جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کے اثر تھا۔ نہ ناک والے سوراخ کی وجہ سے۔ ۸

آپ کی دوسری تشریح ہے، جبریل کے گھوڑے کی ٹاپ کی خاک زندگی بخش ہے، مگر سونا چونکہ فرعونیوں کا تھا اس لئے بچھڑے کی آواز سے لوگ گمراہ ہوگئے۔ جب یہ خاک بے جان سونے میں جان پیدا کرسکتی ہے، تو بزرگوں کے قدموں کی خاک مردہ دلوں کو ضرور زندہ کرسکتی ہے۔ ۹

ان بیانات میں آپ نے تبرکات کے ساتھ، زندگی، نفع اور نقصان پہنچانے کے خیالات کی تلقین کی۔

آپ کا مزید بیان ہے، بعض بزرگوں کے جنگل کا شکار تجربہ سے مضر ثابت ہوا۔ بعض بزرگوں کے تالاب کی مچھلیاں وغیرہ یہ چیزیں حرام نہیں بلکہ نقصان دہ ہیں۔ ۱۰

اس عبارت میں تبرکات کے ساتھ خوف وضرر کا نظریہ وابستہ کیا۔

بریلی مسلک میں باقیات کے ساتھ شدتِ عقیدت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔

نبی اکرم علیہ السلام کے نعلین کی چوری کی خبر، اخبارات میں شائع ہوئی۔ چند ایام بعد عالمی تنظیم اہل سنت بریلوی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ صوبائی وزیر مذہبی امور مفتی غلام سرور قادری کو برطرف کرکے ان کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ درج کیا جائے، کیونکہ انہوں نے بیان دیا تھا کہ چوری شدہ نعلین، حضور اکرم ﷺ کے نہیں تھے۔ ۱۱

دیوبندی مسلک کے مطابق تبرکات ومتروکات سے عقیدت ومحبت تو درست ہے، کیونکہ اپنے آباء واجداد کی باقیات کے ساتھ انسان کو جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔ جبکہ نبیوں کی باقیات کی حیثیت تو اعلیٰ وارفع ہے۔ تاہم یہاں چند امور قابل توجہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے بہت سے متروکات تھے۔ جنہیں عام صحابہ نے محفوظ کیا مگر جلیل القدر اصحاب یعنی خلفاء اربعہ وغیرہ کے نام اس فہرست میں نظر نہیں آتے۔ اسی طرح ازواج مطہرات سے بھی ان متروکات کی خصوصی

Marfat.com

اہمیت کا پتہ نہیں چلتا۔ حضرت عثمانؓ کے پاس نبی اکرم کی انگوٹھی تھی، مگر وہ بطور حکمران، یعنی مہر لگانے کے لئے تھی۔ بہر حال تبرکات کے متعلق چند امور سے اجتناب ضروری ہے۔

۱۔ نمائش۔ ان تبرکات کے لئے دن مقرر کر کے اجتماعی طور پر زیارت کے لئے جانا التزام مالایلتزم ہے۔ یہ چیز بدعات مروجہ کی اصل ہے۔ [۱۲]

۲۔ نفع ونقصان۔ حضرت عمر فاروقؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے حجر اسود کے پاس پہنچے، بوسہ دیا اور فرمایا، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں نے رسول اللہ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بوسہ نہ دیتا۔ [۱۳]

حضرت عمرؓ کا یہ قول اس وقت واقعہ بن گیا، جب قرامطہ فرقہ کے جرنیل ابو طاہر نے حجر اسود کو یہاں سے اکھاڑا، اسے پھینکا، جس سے اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے۔ پھر بیس سال بعد فاطمی خلیفہ منصور کی ڈانٹ اور ہدایت پر ۹۵۱ء میں اس کو دوبارہ نصب کیا۔ بدسلوکی کرنے والوں کو ضرر پہنچے کا کوئی واقعہ تاریخ میں نہیں ملتا۔

۳۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عصا کے سہارے سال بھر کھڑے رہے۔ اس عصا کو دیمک کھا گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام گر گئے۔ نبی کا مقدس ہاتھ اس لاٹھی کو دیمک سے نہ بچا سکا، تو پھر وہ لاٹھی کیا فائدہ دے سکتی ہے۔

۴۔ کھجور کے تنے حنانہ کا واقعہ ہے، جس کے سہارے نبی اکرم علیہ السلام ایک مدت تک خطبہ دیتے رہے۔ پھر منبر بننے کے بعد اس تنے کا سہارا ختم کر دیا اور وہ تنا حضور کے فراق میں رویا۔ بعد ازاں نئی تعمیر کی غرض سے جب مسجد گرائی گئی تو یہ تنا حضرت ابی بن کعب نے حاصل کر لیا۔ یہ انہیں کہ پاس رہا، حتیٰ کہ اسے دیمک کھا گئی۔ [۱۴] تو جو چیز اپنے تحفظ پر قادر نہیں وہ دوسروں کو نفع ونقصان کیسے دے سکتی ہے۔

۵۔ تابوت سکینہ میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے کچھ باقیات تھے۔ اس کی واپسی صرف اس بات کی علامت تھی کہ جالوت کا تقرر صحیح ہے۔ نہ یہ کہ وہ مشکل کشا ہے،

Marfat.com

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بذات خود ارض مقدس یعنی فلسطین کو فتح نہ کر سکے۔ تو پھر تابوت میں کون سی قوت ہوسکتی تھی۔ نہ ان کے دور میں یہ ملک فتح ہوا۔ یہود قوم کچھ مدت کے عروج کے بعد تاریخ میں ہمیشہ ذلیل رہی۔ گو اب بیسویں صدی میں اس کو عروج حاصل ہوا۔ مگر اس عروج کی وجہ تابوت نہیں، بلکہ سائنس اور دولت ہے۔

۳۔ غلو، یعنی عقیدت میں شدت:

۱۔ اگر عقیدہ بگڑنے، شرکیہ خیالات پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو پیش بندی، یعنی سد ذرائع کے طور پر کسی تبرک کو سرے سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ خان بریلوی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان والے درخت کو کاٹ دیا۔ تاکہ نو مسلم لوگ اس درخت کی وجہ سے فتنے میں مبتلا نہ ہوں۔ ۱۵

یہ محض خدشہ ہی نہ تھا، بلکہ حضرت عمرؓ نے ملاحظہ کیا تھا کہ لوگ اس درخت کے ساتھ عقیدت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، تو آپ نے اسے کٹوا دیا۔ ورنہ چند سال میں شجر پرستی شروع ہو جاتی۔

۲۔ اسی قسم کا واقعہ عثمانی دور کا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص مزار اقدس سے مٹی اٹھا رہا ہے۔ وجہ پوچھنے پر اس نے بتلایا کہ وہ دور سے آیا ہے اور یہ مٹی بطور تبرک لے جانا چاہتا ہے۔ آپ نے صحابہ کے مشورے سے دروازہ بند کرا دیا۔ صرف ایک چھوٹی کھڑکی کھلی رکھی تاکہ لوگ قبر کو دیکھ سکیں، سلام پڑھیں۔ اندر آنے کی اجازت ختم کر دی۔ ۱۶

۳۔ سامری نے بنو اسرائیل کو گمراہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپس آکر اس بچھڑے کو، رسول کے پاؤں والی مٹی سمیت، سمندر میں پھینک دیا۔ کیونکہ اس مٹی سے ہزاروں افراد گمراہ اور ایک تعداد قتل ہوئی۔ ایسی مٹی کا ایسا ہی انجام ہونا تھا۔ اس جگہ گمراہی کا الزام سونے کو نہیں جاتا۔ اگر وہ بالفرض گندا تھا تو آگ میں پگھلنے سے پاک ہو گیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا فیصلہ ہر طرح سے درست تھا کہ اس سونے کو

Marfat.com

مٹی سمیت سمندر میں پھینک دیا جائے۔

۴۔ فاروقی دور کا واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے سویز کے علاقے میں حضرت دانیال کی قبر دیکھی، جس سے لوگوں کو فیض بھی ملتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس قبر کے متعلق، حضرت عمرؓ سے مشورہ مانگا۔ تو آپ نے جواب لکھا ''اس قبر کی جگہ لوگوں سے پوشیدہ کردی جائے۔'' ۱۷

خلاصہ یہ کہ ہر وہ جگہ اور ہر وہ چیز، جس سے عقیدہ میں فساد کا خطرہ ہو۔ اسے بند کردینا چاہئے۔ وقتی فائدہ نہ دیکھا جائے۔ جیسے حضرت دانیال کی قبر سے لوگوں کو شفا ملتی۔ وغیرہ۔ مگر آپ نے قبر کو بے نشان کردیا۔

۴۔ خوفزدگی:

غزوہ طائف سے واپسی پر نبی اکرم علیہ السلام ایسی جگہ سے گزرے جہاں ایک قبر تھی۔ آپؐ نے فرمایا یہ ابورغال کی قبر ہے، جو قوم ثمود پر عذاب آنے سے قبل بھاگ آیا تھا۔ اس نے وصیت کی تھی کہ اس کا جمع کردہ خزانہ اس کے ساتھ دفن کیا جائے۔ جب اس کی قبر کھودی گئی تو وہ خزانہ بھی برآمد ہوا۔ جس کے متعلق مشہور تھا کہ اگر کوئی اس کا کچھ حصہ اپنے تصرف میں لائے تو وہ مصیبت میں مبتلا ہوجائے گا۔ لیکن اہل اسلام نے اس بات کو توہم پرستی پر محمول کیا۔ ۱۸

نبی اکرم علیہ السلام نے خالدؓ بن ولید کو ایک درخت کاٹنے بھیجا، جس کی پوجا کی جاتی تھی۔ جب آپ اس درخت کے پاس پہنچے تو کفار بولے۔ اس درخت میں دیو رہتا ہے۔ وہ آپ کو دیوانہ کردے گا۔ آپ نے پرواہ کیے بغیر وہ درخت کاٹ دیا۔ اس کی جڑ میں بدشکل آدمی تھا جو نکل کر بھاگ گیا۔ ۱۹

۵۔ جعل سازی:

ہر مقبول عام چیز کے ساتھ جعل سازی اور نقالی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ جیسے دوسری

Marfat.com

صدی ہجری میں وضعِ حدیث کا فتنہ شروع ہوا۔ تبرکات میں جعل سازی پرانی روایت ہے۔ مثلاً طفیل بن جعدہ نامی شخص قلاش ہوگیا۔ تیلی سے تیل آلود ایک کرسی لا کر مختار ثقفی کو دی اور کہا۔ اس میں خاص اثر اور تصرف ہے۔ مختار ثقفی نے شوق سے وہ کرسی بارہ ہزار درہم میں خریدی۔ نماز کے بعد اس کو تابوت سکینہ سے تشبیہ دی۔ عوام نے بھی عقیدت کا اظہار کیا۔ شیعوں نے خچر پر اس کا جلوس نکالا اور گئو سالہ والا سلوک کیا۔ پھر ابن زیاد کے ساتھ جنگ میں شامی لشکر کو شکست ہوئی، تو کرسی پر لوگوں کا اعتقاد مضبوط ہوگیا۔ ان کا اعتقادی افراط کفر کو پہنچ گیا۔ پھر یہ کرسی چھپادی گئی۔[۲۰]

مسیحی تبرکات کے بارے میں اس قسم کے جعل سازی اور غالیانہ عقیدت کے واقعات کو ابن حزم نے تفصیل سے لکھا ہے۔[۲۱]

خلاصہ یہ کہ مفاد پرست لوگ، مذہب، دولت اور سیاست کی خاطر اس قسم کی جعل سازی کرتے ہیں مگر جاہل اور ضعیف الاعتقاد لوگ آنکھیں بند کر کے، ایسی روایات کو قبول کر لیتے ہیں اور غالیانہ عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس قسم کی بیہودہ روایات پر یقین کرنے کی بجائے ان کی پرزور تردید کرنی چاہئے تاکہ قوم کی توہم پرستی کا خاتمہ ہو اور حقیقت پسند بنے۔

تقارب:

باقیات سے عقیدت متفقہ ہے۔ اس عقیدت میں کمی بیشی بھی انسانی فطرت کا خاصہ اور ماحول کا تقاضا ہوجاتا ہے، مگر اس میں غلو کرنا، نفع ونقصان کو ان سے وابستہ کرنا، محض توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ احکام القرآن للجصاص، ۳:۳۴۔

Marfat.com

۲ مریم:۳۱۔

۳ البدایه و النهایه،۵:۳۳۶۔

۴ الکامل فی التاریخ،۲:۱۴۵۔

۵ ابن هشام،۲:۳۷۴۔

۶ البدایه و النهایه،ابن ابی کی وفات۔

۷ تفسیر نور العرفان،البقره:۲۴۸۔

۸ ایضاً۔طٰہٰ:۸۸۔

۹ ایضاً۔طٰہٰ:۹۲۔

۱۰ ایضاً،الاعراف:۷۳۔

۱۱ ''نوائے وقت''،لاہور،۱۲/اگست ۲۰۰۲ء،ص ۶۔

۱۲ فتاویٰ دار العلوم دیوبند،۲:۹۹۔

۱۳ البدایة و النهایه،۵:۲۷۶۔

۱۴ البدایة و النهایه،۶:۸۲۷۔

۱۵ فتاویٰ رضویه،۲۲:۳۷۷۔

۱۶ محاضرات فقه ازمحمود احمد غازی،۲۳۷۔

۱۷ البدایه و النهایه،۷:۱۸۹۔

۱۸ البدایه و النهایه،۴:۷۵۵۔

۱۹ تفسیر نور العرفان،الزمر:۳۶۔

۲۰ تاریخ طبری،۴:۵۲۶۔

۲۱ الملل و النحل،۸:۵۵۱۔

Marfat.com

فصل ششم: بدعت

بدعت

لغوی اعتبار سے ہر وہ نئی چیز خواہ اس کا تعلق رسم ورواج سے ہو یا کسی نو دریافت و ایجاد سے وہ بدعت ہے۔ مثلاً پنکھے، گاڑی وغیرہ۔ بدعت کے اس مفہوم کا شریعت ستے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ شریعت میں بدعت سے مراد ہر وہ نئی چیز ہے، جسے نیکی اور ثواب سمجھ کر کیا جائے۔ پنکھے وغیرہ کا استعمال ثواب نہیں بلکہ سہولت کے لئے کیا جاتا ہے۔

دیوبندی مؤقف:

دیوبندی مؤقف میں بدعت کی دو اقسام ہیں۔ (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ۔ بدعتِ حسنہ سے مراد وہ امور ہیں جو خیر القرون سے ثابت ہوں۔ حدیث ہے علیکم بسنتی و سنة خلفاء راشدین ۔[۱] ما انا علیه و اصحابی ۔[۲] اور خیر القرون قرنی ۔[۳] یعنی میرا اور خلفاء راشدین کا طریقہ اختیار کرو اور خیر القرون کے اصحاب کا طریقہ۔ دوسری تعریف کے مطابق بدعت حسنہ سے وہ امور مراد ہیں جو ضروریاتِ دین ہوں یا معاون ہوں۔ دین کے اصولوں سے معارض نہ ہوں۔ مثلاً قرآن کی تیس پاروں کی تقسیم، اعراب، مدارس وغیرہ۔ جنگِ یمامہ کے بعد قرآن کی تدوین کے لئے حضرت عمر کا مشورہ، اسی ضرورت کی بناء پر تھا۔ ورنہ قرآن ضائع ہوجاتا۔ پھر اس وقت حضرت ابوبکر کا یہ کہنا ''میں وہ کام کیسے کرسکتا ہوں جو نبی اکرمؐ نے نہیں کیا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے تدوین قرآن کو بدعت اور ممنوع خیال کیا مگر پھر اسے ضروری سمجھ کر اختیار کیا۔ معلوم ہوا کہ ضرورت کی بنا پر نیا کام اپنایا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی شخص ان امور کو بدعت حسنہ کی بجائے ضروریات دین کا نام دے تو بھی

Marfat.com

درست ہے۔ جیسا کہ مجدد الف ثانی کا نظریہ ہے۔

بدعت سیئہ سے مراد وہ امور ہیں کہ داعی اور سبب موجود ہونے کے باوجود، صدر اول کے لوگوں نے اسے اختیار نہ کیا۔ حالانکہ وہ اسے اپنا سکتے تھے۔ یا وہ امور دین کے بنیادی اصولوں سے معارض ہوں۔ مثلاً قرآن کی کتابت کے وقت حضرت عثمانؓ نے سورہ برأۃ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھی اور وجہ یہ بتلائی کہ نبی اکرم نے اس جگہ بسم اللہ لکھنے کی ہدایت نہیں دی۔ بسم اللہ کا اضافہ کرنا معمولی بات تھی، مگر صحابہ کرام نے اس اضافہ کو بھی ناپسند کیا۔

بعض افراد کا خیال ہے کہ بسم اللہ رحمت ہے اور اس سورت کے شروع میں کفار کا ذکر اوران پر عذاب کا بیان ہے۔ اس لئے بسم اللہ نہیں لکھی، مگر یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ سورہ تبت میں بھی عذاب کا ذکر ہے، مگر پھر بھی اس کے شروع میں بسم اللہ موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی کی ہدایت سے معمولی انحراف بھی درست نہیں۔

صدر اول سے مراد خیر القرون یعنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا زمانہ ہے۔ جو زمانہ اقدس سے قریب اور خیر القرون تھا۔[۴] اس سے مراد تقریباً پہلی دو صدیاں ہیں، کیونکہ امام مالک کی وفات ۱۶۳ھ میں ہوئی۔

مجدد الف ثانی کی رائے ہے، کہتے ہیں بدعت کی دو قسمیں ہیں، حسنہ وسیئہ۔ یہ فقیران بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن ونورانیت نہیں دیکھتا۔ بجز ظلمات وکدورت کے ان میں کچھ نہیں۔ [۵]

خان بریلی نے آپ کا مکتوب نقل کیا ''دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے۔ رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعویٰ کون کرسکتا ہے۔ اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں۔ بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہیں۔ اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہوجائے تو تعامل بن جاتا ہے.....۔ تعامل وہ معتبر ہے جو صدر اوّل سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو۔''[۶]

Marfat.com

اس مکتوب میں اس دور کے بدعتی ماحول کی عکاسی ہے، تعامل اور اجماع کی تعریف ہے کہ بعد کے دور کا تعامل یا کسی خاص جگہ کا تعامل، علاقائی ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ بدلتا رہتا ہے، جبکہ اسلام دائمی اصولوں پر قائم ہے اور علاقائی کی بجائے آفاقی حیثیت کا مالک ہے۔

تعریف:

بدعت کی مختصر اور جامع تعریف یہ ہے ''جو چیز شریعت میں ثابت نہیں اسے شریعت کا جزو ثواب سمجھ کر کیا جائے۔ اگر دین کا جز اور ثواب کی نیت سے نہیں کیا جاتا تو وہ بدعت نہیں۔'' ۷

دلائل:

۱۔ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص نے چھینک کے ساتھ الحمدللہ و السلام علیٰ رسول اللہ کہا۔ آپؓ نے فرمایا ''میں بھی الحمدللہ و السلام علیٰ رسول اللہ کہتا ہوں، لیکن نبی اکرم نے ہمیں اس طرح تعلیم نہیں دی۔ ہم کہیں الحمدللہ .... ۸ یعنی درود شریف کی بذات خود فضیلت ہے، مگر کسی خاص وقت کے ساتھ اس کو مقید کرنا درست نہیں۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث کا قول ہے ''المتابعة كما تكون فى الفعل تكون فى الترك۔'' ۹ پیروی جس طرح فعل میں ہوتی ہے اسی طرح عدم فعل میں ہونی چاہئے۔ یعنی جو کام قرآن وحدیث سے ثابت نہیں وہ کرنا نہیں چاہئے۔

۳۔ شاہ عبدالعزیز کے بقول جس چیز پر صاحب شرع نے ترغیب اور وقت کی تعیین نہیں کی، وہ فضول ہے۔ اور نبی اکرم کی مخالفت اور سنت کی مخالفت، حرام ہے۔ ۱۰

۴۔ خواجہ باقی اللہ نے کھانے کے وقت بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے والے کو ڈانٹا اور مجلس سے نکال دیا کیونکہ اس نے بدعت اختیار کی۔ ۱۱

Marfat.com

۵۔ مفتی احمد یار کے بقول کسی شاگرد نے شاہ عبدالحق سے پوچھا، ہم درود کو چودہ کی بجائے پندرہ مرتبہ (طاق) کیوں نہ پڑھیں۔ جواب دیا ''جس قفل میں چار دانت کی چابی لگتی ہے، وہ پانچ دانت والی چابی سے نہیں کھلے گا۔[۱۲]

اگر مرشد کے بتلائے ہوئے طریقے یا درود کی تعداد میں اضافہ درست نہیں، تو پھر خدائی دین میں اضافہ کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

۶۔ مفتی احمد یار کا بیان ہے ''رب کی عبادت وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہو۔ دوسرے یہ کہ حضور اکرم علیہ السلام کی سنت کا تارک جو اپنی تجویز سے نئی عبادتیں ایجاد کرے وہ ولی نہیں شیطان ہے جیسے آج کے بھنگی پوستی۔ تیسرے یہ کہ جن بزرگوں کی طرف خلاف شرع چلے، عبادتیں منسوب ہیں، وہ غلط ہیں، کہ فلاں بزرگ بارہ برس کنویں میں لٹکے رہے۔ کیونکہ اس زمانہ کی نمازیں اور جماعت نہیں چھوڑ سکتے۔''[۱۳]

۷۔ بدعت کی عمومی اور بنیادی طور پر مخالفت حدیث سے ثابت ہے۔ **شر الامورِ محدثا تھا و کل بدعۃٍ ضلالہ**۔[۱۴] نئے ایجاد کردہ کام برے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

دوسری حدیث **من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد علیہ**۔[۱۵]

''جس نے ہمارے دین میں نیا کام شروع کیا، جو اس میں نہیں تھا، تو وہ کام مردود ہے۔'' ان احادیث کا اطلاق اور عموم تمام بدعات کو شامل ہے۔ عمومی زندگی سے مثال ہے کہ کوئی شخص اپنے ملازم سے کہے۔ ایک کلو دودھ لاؤ، مگر وہ دو کلو لے آئے یا دودھ کے ساتھ اپنی مرضی سے چینی بھی خرید لائے تو مالک ناراض ہوگا کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کی اور اپنی طرف سے اس حکم میں اضافہ کیا، لہٰذا اللہ کی مرضی میں اپنی مرضی کا اضافہ نہ کرو، شریعت کا حلیہ نہ بگاڑو۔

ہاں اگر مالک نے کہا جگ میں دودھ لاؤ، مگر نوکر حفاظت کے خیال سے بند ڈبہ میں دودھ لایا تو مالک ناراض نہ ہوگا، کیونکہ اس کے حکم کی تعمیل احسن طریقہ پر ہوئی۔ یہی بدعت حسنہ ہے۔ یہ مستقل نیا کام نہیں، بلکہ اسی کا حصہ ہے جیسے قرآن پر اعراب لگانا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ مرضی میں اپنی مرضی شامل کرنا، پھر یہ کہنا اس میں کیا حرج ہے، یہ

Marfat.com

سنت کی مخالفت ہے اور بدعت سیئہ ہے۔ بدعت حسنہ کی ایک مثال حضرت عمر فاروقؓ کا واقعہ ہے کہ آپ نے اپنے دورِ حکومت میں چند افراد کو باجماعت تراویح پڑھتے دیکھ کر فرمایا نعم هذِهِ البدعة۔ یہ اچھی بدعت ہے۔ اس وقت بدعت سیئہ کا تصور نہ تھا، کیونکہ وہ خیر القرون تھا۔ بالخصوص حضرت عمر مزاج شناس نبوت تھے۔ باجماعت تراویح نبی اکرم کی خواہش تھی جو وجوب کے خوف سے ترک کردی گئی، اس کے دوبارہ اجراء کو اچھی بدعت کہا، ورنہ وہ تو نبی کا طریقہ تھا، بدعت نہیں تھی۔

بدعت کی طرح رہبانیت کی بھی اسلام میں اجازت نہیں۔ حدیث ہے لا رهبانية فی الاسلام۔ عیسائیوں نے رہبانیت کی بدعت ایجاد کی۔ قرآن نے ان پر اس لئے اعتراض نہ کیا، کیونکہ انہوں نے مجبوری کی بناء پر یہ طریقہ اختیار کیا۔ البتہ قرآن نے یہ اعتراض کیا کہ عیسائیوں نے رہبانیت کو نذر کی طرح لازم کیا مگر اسے پورا نہ کیا۔ اس طرح رہبانیت اور بدعت دونوں منع ہیں مگر مجبوری میں اجازت ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی حکم کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کا حکم ہے۔ روزہ اللہ کا حکم ہے۔ اب اہل بدعت ثابت کریں کہ وہ کام اللہ کا حکم ہے۔ دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے منکر کے ذمہ دلیل نہیں ہوتی۔ فاضل بریلوی کا قول ہے۔ یہ بات مخفی نہیں کہ عہد نبوت سے دوری کی وجہ سے جوں جوں زمانہ بڑھتا جاتا ہے فساد وتغیر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ۱۶

اس اصول کی بناء پر موجودہ فسادی زمانہ کی بدعات سے بچنا اور خیر القرون کی طرف پلٹنا اور اسے حجت بنانا بہترین اصول ٹھہرتا ہے۔ ورنہ تو دس محرم کا گھوڑا اگر یادگار کے طور پر نکالیں تو درست ہوگا۔

بریلوی مؤقف:

فاضل بریلوی کے بقول، نبی اکرم ﷺ کے بعد جو نیا کام نکالا گیا وہ بدعت ہے۔

Marfat.com

اور بدعت وہ فعل ہے۔ جس کا پہلے وجود نہ ہو۔ جس کی اصل سنت کے موافق اور اس پر قیاس کی گئی ہو، وہ محمود ہے اور جو اصول سنن کے خلاف ہو وہ ضلالہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کا قول مبارک، بدعت گمراہی ہے، اسی قبیل سے ہے۔ ۱۷ پھر آپ نے بدعت کی تقسیم کی۔ اگر وہ نئے امور، قرآن و حدیث سے متصادم نہ ہوں تو بدعت حسنہ اور اگر مخالف ہوں تو بدعت سیئہ شمار ہوگی۔ جیسے دلدل بدعت ہے، رائج مرثیے معصیت ہیں اور یہ ساختہ کربلا مجمع بدعات ہیں۔ ۱۸ نیز سہرا بندی، ہندوؤں سے مشابہت، پٹاخے چلانا فضول خرچی کی وجہ سے۔ ۱۹

کلیہ۔ بریلوی مسلک میں بدعت حسنہ کا مفہوم وسیع ہے اور اس بارے میں خان بریلی نے یہ اصول پیش کیا، جو امر مقاصد شرع کے مطابق ہو وہ محمود ہے اور جو مخالف ہو وہ مردود ہے۔ اور حکم مطلق اس کے تمام افراد میں جاری۔ جب تک خاص خصوصیت سے نہی شرع وارد نہ ہو، تو بعد ثبوت مطلق، حسن مقید پر کسی دلیل کی حاجت نہیں، بلکہ حسن مطلق ہے۔ اس پر دلیل قاطع اور بقاعدہ مناظرہ، اثبات ممانعت ذمۂ مانع۔ مع ہذا اصل اشیاء میں اباحت، تو جوازِ قائل متمسک باصل ہے۔ ۲۰

مندرجہ بالا عبارت میں دو اصول ذکر کیے ہیں۔ (۱) مقاصد شرع سے مطابقت۔ (۲) اصل اشیاء میں اباحت۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ (سابقہ زمانہ میں) کرنے سے جواز سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی۔ ۲۱ یعنی بدعت حسنہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صحابہ سے منقول ہو اور منقول نہ ہونا باعث ممانعت نہیں۔ نہ اس میں کسی زمانہ یا خیر القرون کی شرط ہے کہ پہلے دور میں اس نئے امر کا واقع ہونا جواز کا ثبوت ہے۔ آپ کے ہاں تیسرا اصول یہ ہے کہ بدعت کے متعلق اس دور کے علماء کی رائے معتبر ہے۔ اس مقصد کے لئے آپ نے جگہ جگہ علماء حرمین کے حوالے دیئے۔ خاص کر جواز میلاد کے لئے، تاکہ ان کے ذریعے بدعت کو جائز ثابت کیا جائے۔

اس طرح جواز کے لئے تین اصول ہیں۔ (۱) مقاصد شریعت سے مطابقت (۲) اصل اشیاء میں اباحت (۳) کسی بھی دور کا تعامل۔ ان میں سے کسی ایک اصول کا اطلاق

Marfat.com

ہوجائے تو وہ امر جائز ہوگا۔

مزید دلائل:

۱۔ امام شافعی سے منقول ہے، نئے امور کی دو اقسام ہیں۔ جو کتاب، سنت، اثر، اجماع کے مخالف ہو۔ یہ بدعت ضالہ ہے، جس کی بنیاد بھلائی پر ہو، اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور نہ ہی بری ہے۔ ۲۲

۲۔ علامہ عینی سے منقول ہے ''اگر بدعت شریعت کے پسندیدہ امور میں ہوتو وہ بدعت حسنہ ہوگی اور اگر وہ شریعت کے ناپسندیدہ امور میں ہوتو وہ بدعت قبیحہ ہوگی۔'' ۲۳

۳۔ سورہ حدید کے حاشیہ میں مولوی نعیم الدین کی تفسیر ہے۔

''بدعت یعنی دین میں کسی بات کا نکالنا، اگر وہ بات نیک ہو اور اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو، بہتر ہے، اس پر اجر ملتا ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اس سے ہزارہا امور کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ ایسے امور کو بدعت بنا کر اس سے روکنا، اس آیت کی صریح خلاف ورزی ہے۔ ۲۴

۴۔ مفتی یار احمد کی تفسیر ہے ''دین میں اچھے طریقے ایجاد کرنا، جسے بدعت حسنہ کہتے ہیں، باعثِ ثواب ہے۔ جیسے قرآن کے تیس پارے، رکوع، محفل میلاد و فاتحہ بزرگاں۔ ہاں بدعت حسنہ ایجاد کر کے اسے نہ نبھانا، برا ہے کہ اس پر عتاب فرمایا۔'' ۲۵

۵۔ حدیث (۱) ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسنٌ ۔''مسلمان جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں اچھا ہے۔ (۲) لا تجمع امتی علیٰ الضلالۃ ۔''میری امت گمراہ پر اکٹھی نہ ہوگی۔''

۶۔ جن احادیث سے بدعت کی مذمت ثابت ہوتی ہے، ان سے مراد بدعت سیئہ ہے۔

اقسام:

Marfat.com

فاضل بریلوی نے حکم کے اعتبار سے بدعت کی پانچ اقسام بنائیں۔آپ کے بقول:

''یہاں بدعت سے مراد حرام بدعت ہے، ورنہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے، جیسے گمراہ فرقوں کا رد کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا، علم نحو سیکھنا، جس سے کتاب و سنت سمجھ آجائے، مستحب جیسے سرائے اور مدرسہ جیسی چیزیں اور وہ نیک کام جو زمانہ اول میں نہ رہا ہو، مکروہ بھی جیسے مسجدوں کو منقش کرنا۔مباح جیسے کھانے پینے کی لذیذ اور کپڑوں میں وسعت اختیار کرنا۔''۲۶

تاہم اگر کسی موقع پر اس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہو تو اس کا ترک کرنا بہتر ہے۔۲۷

خلاصہ یہ کہ بدعت حسنہ کی تعریف میں تین مؤقف سامنے آتے ہیں۔ دیوبندی مسلک میں بدعت حسنہ خیر القرون تک محدود ہے، کیونکہ اس دور میں خیر کا غلبہ تھا۔اس تعریف کے مطابق بدعت حسنہ کا دامن محدود ہے۔ نیز بدعت حسنہ اور سنت کا مفہوم بھی قریب ہے۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین کا طریقہ بھی سنت کہلاتا ہے۔

اس کے برعکس بریلوی مسلک میں بدعت حسنہ کا زمانہ غیر محدود ہے۔ بقول مولوی عبدالسمیع ان سب فقہاء کے نزدیک بدعت حسنہ کا ایجاد الیٰ یوم القیامہ ثابت ہوا۔۲۸

دوسرا مؤقف:

مجدد الف ثانی کے ہاں بدعت حسنہ کا کوئی وجود نہیں، تمام بدعات سیئہ ہیں۔اس بناء پر جو جدید امور اسلام میں داخل ہوئے، مثلاً مدارس کا قیام، علم نحو وغیرہ، یہ بدعت نہیں بلکہ یہ امور ضروریات کی بناء پر اسلام میں داخل ہیں۔فقہی کلیہ ہے، الضرورات تبیح المحظورات۔ضرورت ممنوعہ چیز کو جائز کر دیتی ہے۔

تیسرا مؤقف:

Marfat.com

خان بریلی کے ہاں بدعت حسنہ کی تعریف ہے، ہر وہ امر جس کی اصل سنت کے موافق ہواوراس پر قیاس کی گئی ہووہ محمود ہے۔یعنی اصولی طور پر وہ امر شریعت میں موجود ہو۔گو جزوی طور پر نہ ہو یہ ایک منفرد تعریف ہے۔مولوی عبدالسمیع نے اپنی کتاب انوار ساطعہ میں بدعت پر تفصیلی بحث کی ہے،مگراس کی تعریف کوذکرنہیں کیا۔

تقارب:

بدعت کے بارے فریقین میں خاصا اختلاف ہےاور یہ اختلاف اصولی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اس کے بیج سے کئی شاخیں پھوٹتی ہیں۔پھراس اختلاف کا تعلق اعتقاد سے زیادہ عمل کے ساتھ ہے، کیونکہ بدعات عملی شکل میں ہوتی ہیں۔اس طرح یہ اختلاف علماء کی سطح سے اتر کر عوامی سطح پر آجاتا ہے اور زیادہ انتشار کا باعث بنتا ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ اس اختلاف کو فقہائے اربعہ کے اختلاف کی طرح گوارا کریں۔

۱۔ رہبانیت کے حوالے سے پیر کرم شاہ کی تفسیر پر غور کریں۔''(عیسائیوں نے) اپنے ایمان کو بچانے کے لئے مجبوراً یہ قدم اٹھایا،لیکن بعد میں آنے والوں نے اسی کو اپنا دین بنا لیا۔جیسے وقت گذرتا گیا۔اس میں اختراعات کا اضافہ ہوتا گیا۔لوگوں نے اپنے اوپر تشدد اور پابندیوں کا اتنا بوجھ لادلیا کہ زندگی وبال جان بن گئی۔۲۹

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ انہوں نے مجبوراً یہ بدعت اختیار کی،(۱) مجبوری میں بدعت اختیار کی جاسکتی ہے۔ (۲) بدعت کی پابندی سے تشدد اور بوجھ بڑھتا ہے۔جبکہ اسلام میں حکم ہے سہولت پیدا کرو،تنگی نہ کرو۔اسی لئے پچاس نمازیں، پانچ رہ گئیں، وضو کے بارے میں حکم ہے تین سے زیادہ مرتبہ نہ دھوو،فعل نبی سے تجاوز نہ کرو۔۳۰ متعدد مقامات پر نبی اکرم علیہ السلام نے کثرت عبادت اور روزوں سے منع کیا۔

۲۔ مفتی محمد رفیع سے، دعا کے وقت انبیاء کو وسیلہ بنانے کا سوال ہوا۔تو آپ نے جواب لکھا،''ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

Marfat.com

ناجائز ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔'' ۳۱

اس عبارت سے بدعت کی گنجائش نکلتی ہے، بشرطیکہ تعین وقت نہ ہو، کیونکہ فقہاء (ابن نجیم) نے تخصیص وقت اور تعیین شئے سے منع کیا۔ ۳۲ نیز جب مندوب پر اصرار منع ہے تو بدعت پر لزوم کیسے درست ہوسکتا ہے ۳۳ اور شعار بنانا بھی درست نہیں۔

مقصد یہ کہ بدعت درست ہے بشرطیکہ تخصیصِ وقت نہ ہو۔

۳۔ اگر تعیین وقت کو دین کی بجائے، انتظامی مصلحت کے انداز میں اختیار کیا جائے تو اس میں گنجائش ہوسکتی ہے۔ حاجی امداد اللہ کے بقول، جو امر کسی خاص وقت میں معمولی ہو وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہوتا رہتا ہے اور نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں، کبھی خیال نہیں آتا۔ ۳۴

ان تینوں بحثوں کو مدنظر رکھیں تو محدود طور پر بدعت کا جواز ہوسکتا ہے اور اسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ یعنی مجبوری ہو، اسے بوجھ نہ بنایا جائے، اس پر اصرار نہ کیا جائے، وقت کی تعین انتظامی بنیاد پر ہو، تو مصالحت وتقارب کی راہ موجود ہے، مگر اس کے لئے تعمیری ذہن اور تعصب سے پاک ہونا ضروری ہے۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات:

۱ مسند احمد،۴:۱۲۶۔
۲ براھین قاطعہ،۳۶۔
۳ مدارج النبوہ،۳۸۹۔
۴ فتاویٰ رضویہ،۲۲:۲۹۶۔
۵ مکتوبات،۲:۱۸۶۔
۶ فتاویٰ رضویہ،۲۸:۲۳۵۔
۷ فتاویٰ دار العلوم کراچی،۱:۱۴۵۔
۸ مشکوٰۃ،۲:۲۰۶۔
۹ اشعۃ اللمعات۔
۱۰ فتاویٰ عزیزی۔
۱۱ مکتوبات،۲۶۶۔
۱۲ تفسیر نعیمی،البقرہ:۵۹۔
۱۳ تفسیر نور العرفان،الکافرون۔
۱۴ مشکوٰۃ،کتاب الایمان،باب الاعتصام۔
۱۵ ایضاً۔
۱۶ فتاویٰ رضویہ،۲:۵۴۸۔
۱۷ ایضاً،۲۳:۷۹۲۔
۱۸ ایضاً،۲۳:۹۹۔
۱۹ ایضاً۔
۲۰ ایضاً، ۷:۶۷۲۔
۲۱ ایضاً،۲۴:۵۴۳۔
۲۲ ایضاً، ۲۶:۵۳۳۔
۲۳ ایضاً،۲۳:۷۶۲۔
۲۴ خزائن العرفان،الحدید:۲۷۔
۲۵ تفسیر نور العرفان،الحدید:۲۷
۲۶ فتاویٰ رضویہ،۸:۶۲۵۔
۲۷ ایضاً،۸:۶۳۸۔
۲۸ انوار ساطعہ،۴۱۔
۲۹ ضیاء القرآن،الحدید:۲۷۔
۳۰ بخاری،اداب وضو۔
۳۱ فتاویٰ دار العلوم کراچی،۱:۴۰۵۔
۳۲ ایضاً،۱۴۷۔
۳۳ ایضاً،۱۴۶۔
۳۴ کلیات امداد،۸۴۔

Marfat.com

حضرت عبدالقادر شاہ جیلانی اور گیارہویں شریف

تصوف کے عظیم امام، وقت کے غوث وقطب، قادریہ سلسلہ کے بانی اور برصغیر میں نہایت مشہور ومقبول بزرگ حضرت عبدالقادر شاہ یکم رمضان ۴۷۰ھ کو بمقام گیلان پیدا ہوئے اور ۵۶۱ھ میں وفات ہوئی۔ زندگی کا بڑا حصہ بغداد میں وعظ وارشاد میں گذرا اور بغداد میں مدفون ہوئے۔ آپ حنبلی مسلک کے پیرو کار اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ اہم کتب غنیہ الطالبین اور فتوح الغیب وغیرہ ہیں۔ آپ کے فضائل ومناقب میں بے شمار روایات منقول اور آپ کی ذات سے مافوق الفطرت واقعات منسوب ہیں۔ مثلاً

۱۔ شیخ عبدالقادر نے فرمایا، میرا یہ پاؤں تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔[۱]

۲۔ آپ کی مجلس وعظ کی عظمت اس قدر تھی کہ اولیاء وانبیاء، حتیٰ کہ خود نبی اکرم علیہ السلام اس میں تشریف لاتے۔[۲]

۳۔ آپ کا قول ہے، مجھ پر سلام کیے بغیر سورج طلوع اور غروب نہیں کرتا، اگلے سال کے واقعات بتلاتا ہے۔[۳]

۴۔ آپ کا فرمان ہے، بے شک سعید وشقی مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں ہے۔ میں تم سب پر اللہ کی حجت ہوں۔ میں رسول اللہ کا نائب اور تمام زمین میں ان کا وارث ہوں۔ آدمیوں کے پیر ہیں، قوم جن کے پیر ہیں، فرشتوں کے پیر ہیں، میں ان سب کا پیر ہیں ہوں۔[۴]

۵۔ معراج کی رات حضرت غوث نے کندھا دے کر نبی اکرم علیہ السلام کو عرش پر چڑھایا۔ اس کا بطلان تعصب وجہالت ہے۔[۵]

Marfat.com

آپ کے مناقب پر مشتمل روایات کا بڑا ماخذ بھجۃ الاسرار ہے۔ جس کے متعلق خان بریلی کی رائے ہے کہ بھجۃ الاسرار معتبر و معتمد کتاب ہے۔ امام مالک کی موطاء کی طرح ہے۔ ۶

دوسرا رخ:

یہ روایات اپنی جگہ، مگر ان کی تردید میں بھی روایات موجود ہیں۔ مجدد الف ثانی کا قول ہے، اگر حضرت جیلانی کے قول کو صحیح تسلیم کریں تو اس سے مراد صرف اس دور کے اولیاء ہوں گے، جن کی گردن پر آپ کا پاؤں ہے۔ تمام زمانوں کے اولیاء مراد نہیں۔ ۷ یہ ایک متکبرانہ فقرہ ہے، جبکہ اولیاء متواضع لوگ ہوتے ہیں۔ دوسرے قول کے بارے میں شاہ ولی اللہ کی تشریح ہے کہ عبدالقادر، حقیقت روح سے واصل تھے۔ اس مرکز ہدایت سے گفتگو کرتے، جہاں سے انبیاء واولیاء گفتگو کرتے۔ اس بات کو تسامح کے طور پر اس طرح تعبیر کر دیا۔ ۸

بزرگوں کی خطا کو ادباً تسامح کے لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے۔

تیسری روایت کا تعلق سورج سے ہے۔ وہ آگ کا گولہ ہے۔ اسے واقعات کی خود خبر نہیں، دوسروں کو مستقبل سے کیسے آگاہ کر سکتا ہے۔ سورج اور ستاروں سے غیبی اخبار وابستہ کرنا یعنی علم نجوم پر اعتبار کرنا غیر اسلامی نظریہ ہے۔

بھجۃ الاسرار نامی کتاب کے مؤلف علی بن یوسف متوفی ۱۳۱۴ ہیں۔ بقول ملا علی قاری وہ وضع احادیث کے مرتکب تھے۔ ۹ ایسے شخ کی مرویات ساقط الاعتبار ہو جاتی ہیں۔ ابن الوردی کے بقول اس کتاب میں جیلانی سے منسوب ایسی روایات ہیں جو صرف شانِ ربوبیت کے موافق ہیں۔ ۱۰

چوتھی روایت کی تردید مفتی احمد یار سے منقول ہے۔

زیادتی محبت کی وجہ سے عجیب قصے گھڑ لیے تھے۔ جیسے آج جاہل مسلمانوں نے حضرت علی، یا حضرت غوث کے بارے میں عجیب روایت گھڑ لی کہ معراج میں حضور انور کو کندھا دے کر عرش پر چڑھایا۔ یا یہ کہ غوث پاک نے ملک الموت کی زنبیل چھین لی اور تمام قبض کردہ

Marfat.com

روحیں چھڑوالیں۔۱۱

پانچویں روایت پرغور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کا مضمون ومفہوم اُس روایت کا عکس ہے، جو رافضہ نے حضرت علی کے کمالات میں بیان کیا، یعنی اہل سنت نے اس کا جواب دے دیا، اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ قصہ سازی اور مبالغہ آمیزی ایرانی مزاج کا حصہ تھا۔ اپنے بڑوں کے لئے روایات گھڑنا ان کا معمول تھا۔ مثلاً ایرانی عظمت کو اجاگر کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ایک سپہ سالار رستم کی بہادری کے عجیب قصے تراشے۔ جواباً اہل سنت نے داستانِ امیر حمزہ لکھ ڈالی۔ روافضہ نے حضرت علی کی فضیلت میں تین لاکھ احادیث وضع کیں۔۱۲ ان کا دروزی فرقہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل ہے۔ اس پس منظر میں بعض اہل سنت نے حضرت جیلانی کے فضائل اس انداز سے گھڑے کہ ان میں شانِ ربوبیت نظر آنے لگی۔

درحقیقت ساتویں صدی مسلمانوں کا انتہائی دور زوال تھا۔ بغداد میں شیعہ سنی مناظروں کی گرم بازاری تھی۔ حضرت علی کے فضائل ومناقب کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں نے ضروری سمجھا کہ وہ بھی اپنی کسی بڑی شخصیت کو اسی انداز سے میدان میں لائیں۔ اس طرح حضرت علی اور حضرت جیلانی کے کمالات میں مقابلہ شروع ہوگیا۔ ۶۵۶ھ میں ہلاکوں خاں نے اس بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اسلامی عظمت اور عباسی خلافت کا جنازہ نکل گیا۔

زوال کے دور میں عظمت رفتہ کے قصے، عوام کے لئے سکون آور اور زندگی کا سہارا ہوتے ہیں۔ ان میں جس قدر غلو ہوتا ہے، اسی قدر واہ واہ ہوتی ہے۔ آگے چل کر یہ فرضی اور صدری روایات کتابی شکل میں مرتب ہوجاتی ہیں۔ علمی تحقیق کا نشان تو ہوتا نہیں۔ (دیکھئے ہندومت کی کتب) پھر ایک مدت بعد ملا علی قاری جیسے بزرگوں نے نقاب کشائی اور حقیقت کی رونمائی کی۔

تیرہویں صدی برصغیر کا انتہائی دورِ زوال تھا۔ پست ہمت لوگوں کے لئے حضرت گیلانی سے منسوب یہ واقعات اس قدر راحت بخش تھے کہ گھروں، مسجدوں اور محراب ومنبر پر انہی کے کمالات گونجتے۔ خدا فراموشی کا منظر تھا، اللہ رسول کا ذکر رسماً اور ابوبکر وعمر کے کارنامے اوجھل تھے، مگر موجودہ وقت میں حالات کا رخ تبدیل ہوچکا ہے۔ علم وآگہی کی کرنیں جہالت

Marfat.com

کی تہوں کو کاٹ کر حقائق کو روشن کر رہی ہیں اور عوام اصل تعلیمات کی طرف پلٹ رہے ہیں۔

گیارہویں شریف:

بریلوی مسلک کی رسوم میں سے ایک اہم رسم گیارہویں شریف ہے، جو ہر اسلامی مہینہ کی دس تاریخ کی شام کو منائی جاتی ہے۔ اس میں تلاوت کے بعد نعت خوانی ہوتی ہے۔ پھر خطیب صاحب حضرت عبدالقادر شاہ جیلانی کے کمالات وفضائل بیان کرتا ہے۔ آخر میں چند مخصوص قرآنی آیات سے ختم کی دعا اور سامان خورد ونوش کی تقسیم ہوتی ہے۔ اسے لنگر کا نام دیا گیا ہے۔

اس رسم کے پس منظر میں کشتی ڈوبنے اور بارہ سال بعد اس کے تیرنے کا واقعہ مقبول عام ہے۔ بقول فاضل بریلوی، بڑھیا لب دریا رو رہی تھی، اتفاقاً حضرت جیلانی کا گزر ادھر سے ہوا، آپ کی دعا کی برکت سے بارہ سال کی ڈوبی کشتی صحیح سالم نکل آئی۔ یہ روایت اگرچہ، نظر سے کسی کتاب میں نہیں گزری، مگر زبان پر مشہور ہے، اس کا انکار نہ کیا جائے۔ [۱۳]

مفتی احمد یار کا بیان ہے "اگر حضرت غوث پاک نے بارہ برس کی اس ڈوبی کشتی کو صحیح سلامت نکالا تو کیا بعید ہے۔ اس برات کے دولہا کا نام کبیر الدین، لقب دریائی دولہا، اب شاہد دولہ کہا جاتا ہے۔ ان کی قبر شریف گجرات میں ہے۔[۱۴]

دوسرا بیان ہے، حضرت غوث پاک کے خلیفہ ہیں۔ ان کی قبر شریف زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ ان کی عمر چھ سو برس ہوئی۔[۱۵]

اس گیارہویں کو ثابت کرنے کے لئے بریلی علماء گیارہ کا عدد تلاش کرتے ہیں اور اسے دلیل بناتے ہیں۔ مثلاً مفتی احمد یار قرآن سے استدلال کرتے ہیں۔

"اللہ کی شان کہ اولیاء کا ذکر گیارہویں پارے، دسویں سورت کے گیارہویں رکوع میں ہے، رب تعالیٰ کو گیارہویں بڑی پسند ہے۔"[۱۶]

دوسرا رخ (دیوبندی موقف)

Marfat.com

۱۔ فریق ثانی کا مؤقف ہے کہ تاریخی اعتبار سے پاک و ہند کے علاوہ اس رسم کا کہیں وجود نہیں۔ برصغیر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک اس کا نام ونشان نہیں۔ اس رسم کا آغاز مولانا فضل رسول بدایونی سے ہوا، جنہوں نے شاہ اسماعیل دہلوی اور دیگر محدثین کے خلاف مہم شروع کی۔ آپ اپنے ہم ذوق احباب کو جمع کر کے مجلسیں منعقد کرتے۔ اس مقصد کے لئے آپ کو روزانہ گیارہ روپے وصول ہوتے۔ مؤرخ اسلام محمد یعقوب قادری کے بقول

"معاش سے فارغ البالی کے لئے آپ نے ریاست گوالیار کا سفر کیا......

حکام وقت نے قدر دانی کی اور مرتبہ شناسی کے دست طلب بڑھانا شروع کیے اور آپ کی خدمت کو سرکاری کاموں کی انجام دہی کے لئے مانگنا چاہا۔" ۱۷

دوسری جگہ تحریر ہے: "گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے ریاست فرخ نہاد سے اب تک جاری ہے۔" ۱۸

گیارہ روپوں (موجودہ وقت میں ہزاروں) سے قائم ہونے والی اس مجلس کا نام پھر گیارہویں کی مجلس ہو گیا اور حکومتی سرپرستی کی بدولت یہ رسم تیزی سے پھیل گئی۔

دوسری طرف جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں جرمن انگریزوں کے مخالف تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ مولوی، گیارہویں شریف کے عنوان سے انگریزوں کی حمایت میں صفیں بچھا رہے ہیں، تو جواباً انہوں نے گیارہویں کی مجلس کو محفل دیوانگاں مشہور کر دیا۔ یہ محفل دیوانگاں اب تک جرمن میں اہتمام کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ یعنی ہر سال گیارہویں مہینہ کی گیارہویں تاریخ کو گیارہ بج کر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید ہوتی ہے۔

اس سال بھی یہ تہوار منایا گیا۔ اس تقریب میں شرکاء کو اختیار ہوتا ہے کہ جیسا لباس چاہیں پہنیں اور جیسی حرکتیں چاہیں کریں۔ چنانچہ لوگ عجیب وغریب لباس پہن کر اس تقریب میں شریک ہوئے، جنہیں دیکھ کر ہنسی ضبط کرنا مشکل تھا۔ ۱۹

۲۔ اسی طرح فریق ثانی کے ہاں کشتی ڈوبنے اور تیرنے کا واقعہ محض مفروضہ ہے۔ اس کا کوئی سن ہے نہ دریا اور ملک کا نام، نہ خاندان اور جگہ کا نشان۔ خان بریلوی کے پاس اس کا کوئی

Marfat.com

حوالہ نہیں، مگر اس کے ماننے پر اصرار ہے۔ مفتی احمد یار نے بھی اس کا ذکر بلاحوالہ اور شک کے انداز میں کیا۔ دولہ شاہ الفاظ میں ترمیم کر کے اسے دریائی دولہا بنا دیا۔ یعنی کٹی ہوئی دم کو کسی نہ کسی جگہ جوڑنے کی کوشش کی۔ حضرت جیلانی کے خلفاء کی فہرست میں اس کا نام نہیں۔ نہ ہی چھ سو سال کی طویل عمر اس دور میں ہوتی ہے۔

۳۔ قرآن سے گیارہویں کے استدلال کی حقیقت یہ ہے کہ گیارہویں پارے کا آغاز منافقوں کے احوال سے ہوتا ہے۔ اولیاء کا ذکر گیارہویں رکوع میں نہیں بلکہ ساتویں رکوع میں ہے۔ مفتی صاحب کو مغالطہ ہوا۔ اس طرح گیارہ کے عدد سے گیارہویں کی محفل کے ثبوت کا کوئی جواز نہیں۔ اگر عدد سے ہی استدلال کرنا ہے، تو معوذتین کی تفسیر میں خود مفتی صاحب نے نبی اکرم ﷺ پر جادو کرنے کا قصہ نقل کیا، کہ موم کا پتلا بنا کر اس میں گیارہ سوئیاں چبھوئیں، پھر ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر اس کو پتلے میں رکھ دیا۔[۲۰]

اس بیان سے تو معلوم ہوا کہ گیارہ کا عدد نبی کا دشمن اور منحوس ہندسہ ہے۔ نیز قرآنی آیت حرّمت علیکم المیتة والدّم ۔[۲۱] میں مذکور حرام اشیاء کی تعداد بھی گیارہ ہے۔ معلوم ہوا کہ گیارہ کا عدد مبارک ہندسہ نہیں بلکہ اس کا تعلق منافقوں، جادوگروں اور حرام چیزوں سے ہے۔

پھر مفتی صاحب کا یہ کہنا ''رب کو گیارہویں بڑی پسند ہے۔'' ایک مفروضہ ہے اور بے سند بات ہے۔

تاریخی اعتبار سے گیارہویں کا ایک رخ یہ ہے کہ مصر میں دریائے نیل کو انسانی قربانی کا نذرانہ گیارہ تاریخ کو دیا جاتا۔ حضرت عمرو بن العاص نے فتح مصر کے وقت حضرت عمرؓ کے مشورے سے اس رسم کو ختم کر دیا۔[۲۲]

گیارہویں کے بارے میں ایک توجہ طلب امر یہ ہے کہ فاضل بریلوی کے دور میں عوام الناس، حضرت جیلانی کو حضرت ابو بکر او دیگر صحابہ سے افضل سمجھنے لگ گئے، کیونکہ گیارہویں کی مجالس اور جمعہ کی تقاریر میں تمام سال آپ کے فضائل و مناقب کا بیان ہوتا۔ نعروں میں حضرت علی اور جیلانی کا نام گونجتا، مشکلات و مصائب میں گھرے عوام آپ کو

Marfat.com

امیدوں کا چراغ سمجھتے۔ اس طرح کتب میں بھی حضرت گیلانی کے فضائل بیسیوں صفحات میں پھیلے ہوتے، جبکہ صحابہ کے مناقب چند سطور میں نظر آتے ہوں، تو عوام کا اس خیال میں مبتلا ہونا قدرتی امر تھا۔ بہر حال خان بریلوی نے اس موقعہ پر فتویٰ لکھا ''سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو صحابہ سے افضل کہنا گمراہی ہے۔'' ۲۳

آپ کا یہ جواب بالکل صحیح اور بروقت تھا، مگر کتاب میں بنداس جواب کو سرعام شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز اگر کمالات کے بیان میں توازن و اعتدال ہو، فضائل میں درجہ بندی کا اظہار ہو اور نعرہ بازی میں شیخین کا نام بھی سر بلند ہو تو عوام الناس ایسی جہالت سے مکمل طور پر نکل آئیں۔

تقارب:

۱۔ گیارہویں کی رسم کے لئے مضبوط دلیل مہیا کی جائے تو عین ممکن ہے دوسرا فریق بھی اسے قبول کرلے۔

۲۔ مُعیّن تاریخ کے بغیر عمومی انداز میں بزرگوں کے احوال اور ایصال ثواب کا پروگرام بنایا جائے تو دوسرا فریق اسے قبول کرنے کو تیار ہے۔ مفتی محمد شفیع کراچی نے اس بارے میں سوال کا جواب لکھا ''ایصال ثواب جائز ہے، بشرطیکہ گیارہویں کی تخصیص نہ ہو۔''

تحفظات:

۱۔ اس رسم کا مقصد محض ایصال ثواب ہو نہ کہ غیر اللہ کی رضا یا خوفزدگی۔ جیسا کہ جاہلوں میں یہ امور موجود ہیں،

۲۔ اس کو فرض یا واجب کی حیثیت نہ دی جائے۔

۳۔ اسپیکر کے استعمال میں احتیاط کی جائے۔

۴۔ اس رسم سے بے تعلق لوگوں کو برا بھلا نہ کہا جائے، نہ ہی رسم پسندوں پر فتوے لگائے

Marfat.com

جائیں، تو اس رسم میں باہمی اختلاف مزید دھیما ہو جائے گا۔

تجزیہ: بریلوی حضرات عقیدت پسند ہیں۔ دیوبندی حضرات شریعت پسند ہیں، اس بحث میں دونوں مزاجوں کا نقطہ عروج سامنے آتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ فتاویٰ رضویہ، ۲۸:۳۸۱۔
۲ مدائح اعلیٰ حضرت۔
۳ فتاویٰ رضویہ، ۳۰:۴۹۱۔
۴ ایضاً، ۲۸:۳۹۶۔
۵ ایضاً، ۲۶:۳۹۹۔
۶ ایضاً، ۲۸:۳۸۰۔
۷ مکتوبات مجدد، ۲۹۳۔
۸ انفاس العارفین، ۱۷۳۔
۹ مطالعہ تصوف، ۵۰۶ از الموضوعات الکبیر۔
۱۰ مطالعہ تصوف، ایضاً۔
۱۱ تفسیر نعیمی، البقرہ:۲۵۹۔
۱۲ مطالعہ تصوف، ۲۱۱۔
۱۳ فتاویٰ رضویہ، ۲۹:۶۲۹۔
۱۴ نور العرفان، المائدہ:۱۱۰۔
۱۵ ایضاً، ۴۹۔
۱۶ تفسیر نور العرفان، یونس:۶۲۔
۱۷ اکمل التاریخ، ۲:۳۸ تا ۵۱ از بدعت و اہل بدعت، ۲۷۳۔
۱۸ ایضاً۔
۱۹ ''نوائے وقت''، ۱۸ر نومبر ۱۹۹۱ء، ص ۳، از بدعت و اہل بدعت، ۲۷۳۔
۲۰ نور العرفان، معوذتین۔
۲۱ المائدہ:۳۔
۲۲ تاریخ الخفاء للسیوطی، حضرت عمر بنام نیل۔
۲۳ فتاویٰ رضویہ، ۲۱:۱۵۰۔

Marfat.com

عید میلاد النبی

دیوبندی مسلک کے مطابق اسلام میں دوعیدیں ہیں۔ اگر عید میلاد النبی کو شامل کیا جائے تو تین عیدیں بن جاتی ہیں جو اسلامی اصول کے خلاف ہے۔ ان دونوں عیدوں کا تعلق شخصیات سے نہیں بلکہ عبادات سے ہے۔ یعنی ماہ رمضان کے روزوں کی تکمیل اور مراسم حج کی تکمیل کے موقعہ پر خوشی کا اظہار ہے۔ اس حج کا خصوصی تعلق حضرت ابراہیم کی عملی یادگاروں سے ہے۔ حج کے شعار یعنی صفا، مروہ، عرفات، منیٰ، قربانی وغیرہ۔ اسلام نے کسی نبی کی ولادت کے حوالے سے عید کی کوئی رسم قائم نہیں کی۔ کیونکہ ان انبیاء علیہم السلام کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ اس قدر تہوار منعقد ہی نہیں ہوسکتے تھے۔ اسی طرح نبی اکرم علیہ السلام کی وفات کے بعد کسی خلیفہ کو یہ خیال نہ آیا کہ آپ کی تاریخ وفات، جائے ولادت، غارِ حرا، ثور یا معراج کو شعار ٹھہرائیں۔ اسلامی سن کے اجراء کے وقت حضرت عمر فاروقؓ کے پاس سنہری موقعہ تھا کہ آپ علیہ السلام کی تاریخ ولادت کو بنیاد بنا کر اسلامی کیلنڈر کا آغاز کریں مگر آپ نے ہجرت کی تاریخ کو بنیاد بنا کر اسلامی سن کا آغاز کیا۔ کیونکہ اس تاریخ سے اسلام کی عظمت وشوکت کا اظہار ہوتا تھا۔

آغاز:

میلاد کی رسم اولاً فاطمی خلفاء نے قائم کی۔ چھ میلاد منائے۔ نبی اکرم، علی، فاطمہ، حسنین اور خلیفہ کے لئے۔ پھر یہ رسم ختم ہوگئی۔[1] عید میلاد النبی کی رسم کا باقاعدہ آغاز ملک مظفر ابوسعید کوکری، شاہِ اربل نے ۶۰۴ میں کیا۔ یہ حکمران بہادر اور عادل تھا۔ عیسائیوں کے خلاف عکہ شہر کا محاصرہ کیا۔ اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اس کے میلاد کے دسترخوان پر پانچ ہزار بھنے

Marfat.com

ہوئے سر ہوتے، دس ہزار مرغیوں، ایک لاکھ مٹی کے پیالوں اور حلوے کی تیس ہزار پلیٹوں تک کا انتظام کرتا۔ ظہر سے عصر تک صوفیا کے لئے مجلس سماع کراتا اور خود بھی ساتھ ساتھ رقص کرتا۔ ۲

اس رسم کے اجراء میں شیخ ابوالخطاب عمر بن دحیہ اس کا معان تھا۔ اس نے محفل میلاد کے عنوان پر مواد اکٹھا کر کے کتابی شکل دی، جس پر بادشاہ نے ہزار دینار انعام دیا۔ اس عمر بن دحیہ کا عمومی ذکر جھوٹ، گالی اور ذلالت سے کیا جاتا ہے۔ ۳

دیوبندی مسلک کے مطابق، نبی اکرم کی حیات طیبہ کے حالات پڑھنا اور دوسروں کو سنانا خیر و برکت کا کام ہے۔ اسے جس قدر پڑھا اور سنا جائے خیر ہی خیر، کسی قید اور شرط کی تاریخ کی پابندی کے بغیر یہ کام کریں۔ ۴

جلوس کے بارے میں حکم یہ ہے، میلاد النبی کے جلوس اگر ثواب سمجھ کر نکالے جائیں تو بدعت ہے اور اگر صرف اظہار خوشی کے لئے ہوں تو یہ شیعوں کی نقالی ہے۔ لہٰذا بچنا چاہئے۔ پھر اس میں دیگر خلافِ شرع امور ہیں کہ منتظمین کو بھی قابو نہیں۔ ۵

مولود خوانی کے متعلق مجدد الف ثانی کا قول ہے، جب تک آپ اس دروازے کو مکمل بند نہیں کریں گے، بوالہوس باز نہیں آئیں گے۔ ۶

اس عمل کے جواز میں یہ آیت پڑھی جاتی ہے قد جاء کم من اللہ نورٌ۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا۔ مگر اس میں نبی اکرم کی صرف آمد کا ذکر ہے، بارہ ربیع الاوّل کو عید منانے کا نام ونشان نہیں۔ دیگر آیات میں اللہ کی نعمتوں پر شکر کا بیان ہے۔

ان نعمتوں کا شکر ہر دم ہونا چاہئے۔ کسی نے بھی ان کو ربیع الاوّل سے مخصوص نہیں کیا۔ البتہ دین کی تکمیل کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے نعمت بتلایا اور اسی دن کو عید بنا دیا۔

قرآن میں نبی اکرم کی ولادت کا ذکر سرے سے موجود نہیں۔ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی ولادت کا ذکر تفصیل سے ہے۔ مگر ان کے ساتھ عید منانے کا ذکر ہے نہ کوئی مسلمان عید مناتا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی شخص قرآن سے میلاد النبی منانے کا استدلال کرتا ہے، تو یاد رکھے کہ ایسی آیات ساتویں صدی میں نہیں اتریں، نہ چودھویں صدی میں بلکہ نبی اکرم کی حیات اور صحابہ کی

Marfat.com

موجودگی میں نازل ہوئیں اور یہ آیات ائمہ مجتہدین کے بھی سامنے تھیں، مگر کسی نے ان آیات سے میلاد النبی کا استدلال نہیں کیا۔ کسی آیت کو کھینچ تان کر لے جانا اور تاویل فاسد کرنا الگ بات ہے۔

جن علماء کی عبارات وفتاویٰ سے بریلوی حضرات عید میلاد النبی کا جواز پیش کرتے ہیں، وہ متاخرین ہیں۔ خان بریلی کے تقریباً ہم عصر وقریب العصر۔ عرب میں اُس وقت یہ رسم تھی، مگر اب بالکل نہیں۔ نیز یہ رسم بھی اس وقت محدود شکل میں تھی، یعنی قرآن کی تلاوت، ذکر، مساکین کو کھلانا، مگر موجودہ وقت میں، کئی اختراعات اس میں شامل کر دی گئی ہیں، مثلاً جلوس، بازاروں کی آرائش، نبی اکرم کے فرضی نعلین کی شبیہ اور اس کی نمائش، خواتین کی بے پردہ سیاحت، زبردستی چندہ کی وصولی، اس طرح دس محرم کے جلوس کے ساتھ اس کو کئی مشابہتیں دے دی گئی ہیں۔ خان بریلی کے بقول ''دس محرم اور گھوڑا نکالنا مجموعہ بدعات ہیں۔'' ۷ تو میلاد النبی کے نام سے جلوس اور نعلین لٹکانا کیونکر درست ہے۔

بچے کی پیدائش پر خوشی کے اظہار کے ساتھ عید میلاد النبی کو قیاس کرنا درست نہیں۔ کیونکہ تازہ واقعہ پر خوشی پیدا ہونا انسانی فطرت بلکہ اضطراری کیفیت ہے، جبکہ میلاد النبی ۱۴۰۰ سال پرانا قصہ ہے۔ جیسے شہادت حسین پرانا قصہ ہے۔ بریلوی بزرگ امجد علی لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان میں بچہ کی پیدائش پر چھٹی کی جاتی ہے۔ بعض لوگ اس موقع پر ناجائز رسمیں کرتے ہیں۔ مثلاً عورتوں کا گانا بجانا۔ ایسی رسموں سے بچنا اور انہیں چھوڑنا ضروری ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو وہ کام کرنا چاہئے جو حضور اقدس ﷺ کے قول وفعل سے ثابت ہے۔'' ۸

یہ بیان دیوبندی مسلک کی حمایت کرتا ہے کہ حضورِ اکرم کا قول وفعل ہی اختیار کرنا چاہئے۔ خان بریلی علمائے حرمین کے تعامل کو بہت زور سے پیش کرتے تھے۔ بریلوی حضرات کو چاہئے کہ وہ اب بھی ان کا تعامل قبول کریں۔ ان کے بزرگ مولوی قطب الدین مؤلف تحفۃ العرب والعجم، نے لکھا ہے، عرب کے علماء پر جو بعضے طعن کرتے ہیں بڑی خطاء پر ہیں۔ اس لئے کہ وہ خیر البقاع کے رہنے والے ہیں۔ ۹ شاہ ولی اللہ کا قول ہے، اہل مدینہ سے ہرگز کدورت

Marfat.com

دل میں نہ لاؤ ورنہ فیضانِ محمدی سے محروم ہو جاؤ گے۔ ۱۰ لہٰذا علماء حرمین کی اتباع کرنی چاہئے۔

بریلوی مسلک کے مطابق اپنے مذہبی رہنماؤں کے یوم ولادت پر خوشی کا اظہار کرنا، اس روز تہوار منانا ایک اچھا عمل ہے اور دنیا بھر کی اقوام میں رائج ہے۔ میلاد النبی کے اس عمل سے مسلمان اپنے ایمان کو تازگی وفرحت بخشتے ہیں۔ اس کے ذریعہ اسلام کی اشاعت اور آپ علیہ السلام کے کارناموں کو روشن کرتے ہیں۔ ان نیک کاموں کے ذریعے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں۔

میلاد کے طریقے:

اس بارے فاضل بریلی نے تفصیلی بحث کی ہے، مثلاً میلاد میں ولیمے کرنا، حالِ ولادت مسلمانوں کو سنانا، خیرات کرنا، رسول کی ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہونا، گلاب چھڑکنا، خوشبو سونگھنا، مکان آراستہ کرنا، قرآن کی تلاوت اور درود بھیجنا، فرحت وسرور ظاہر کرنا، بے شک بدعت حسنہ مستحبہ فضیلہ ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے، جیسے گمراہوں کے خلاف دلائل، نحو کے علوم ..... ان کا انکار وہی کرے گا جو بدعتی ہوگا۔ اس کی بات نہ سنی جائے۔ حاکم اسلام پر واجب ہے کہ اسے سزا دے۔ ۱۱

پھر آپ نے علامہ بزنجانی کے حوالے سے لکھا، قیام وقت ذکر میلاد النبی مستحب ہے۔ تو اس کو خوشی ہو جس کی مراد حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔ اس تعظیم کو حدیث میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے حرام کہنا، جمہور محققین کے نزدیک فاسد ہے۔ عین العلم میں فرماتے ہیں، جس چیز سے شروع میں نہی نہ آئے اور بعد زمانہ سلف کے لوگوں میں جاری ہوئی، اس میں موافقت کر کے مسلمانوں کا دل خوش کرنا بہتر ہے، اگرچہ وہ بدعت ہو۔ ۱۲

دلائل:

میلاد کے جواز کے لئے فاضل بریلی نے بہت سے دلائل دیئے۔ مثلاً قرآنی آیات۔

Marfat.com

۱۔ و ذکر هم باایّام الله.

۲۔ قل بفضل الله و برحمتهٖ فبذالک فلیفرحوا.

۳۔ من حرم زینة الله التی اخرج لعبادهٖ.

۴۔ و اما بنعمةِ ربّک فحدث.

احادیث کے اعتبار سے وہی دلائل ہیں، جو بدعت کے جواز میں پیش کیے۔ دہرانے کی ضرورت نہیں۔

۱۔ فقہی اعتبار سے یہ دلال ہیں ان الاصل فی الاشیاء الاباحة ۔''اشیاء میں اصل یہ ہے کہ وہ جائز ہیں۔''

۲۔ الحلال ما احل الله فی کتابهٖ و الحرام ماحرم الله فی کتابه و ما سکت فهو مما عفا عنه ۔''حلال وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ نے اپنی کاب میں حلال فرمایا، حرام وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ نے حرام بتلایا اور جن سے خاموشی اختیار کی وہ درگذر میں سے ہے۔''[۱۳]

میلاد کے مخالفین کا استدلال تھا کہ خیر القرون میں یہ عمل نہیں تھا۔ خان بریلی کی طرف سے جواب ہے،''قرون وزمانہ کوشرعی حاکم بنانا درست نہیں۔''[۱۴]

نیز خان بریلی نے روضۃ النعیم کے حوالے سے مسلمانوں کا اجماع اور بہت سے فتاویٰ نقل کیے۔[۱۵] بعض ان میں سے باحوالہ ہیں اور بعض بلاحوالہ۔ غالبًا یہ لوگ خان بریلی کے ہم عصر یا قریب العصر علماء ہوں گے۔

مولوی نعیم الدین مرادآبادی نے قرآنی آیت الیوم اکملتُ لکم دینکم سے استدلال کیا۔ ایک یہودی نے حضرت عمر سے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید مناتے۔ آپ نے فرمایا میں اس کو بھی جانتا ہوں اور اس مقام کو بھی، مقام عرفات کا اور دن جمعہ کا تھا۔ نیز آپ نے فرمایا اس کے نازل ہونے کے دن کو دو عیدیں تھیں، جمعہ اور عرفہ۔ مسئلہ معلوم ہوا دینی کامیابی کے دن کو خوشی کا دن منانا جائز اور صحابہ سے ثابت، ورنہ

Marfat.com

حضرت عمر صاف کہہ دیتے کہ عید منانا ہم بدعت جانتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ عید منانا جائز ہے۔ ۱۶

مفتی احمد یار کا قول ہے۔ معلوم ہوا کہ محفل میلاد کی اصل قرآن سے (لقد جاء کم رسولٌ) ثابت ہے۔ ۱۷ پیر کرم شاہ نے ابنِ جوزی کے حوالے سے بحث کی۔ سب سے پہلے اربل کے بادشاہ ملک مظفر نے اس کا آغاز کیا۔ محدث ابن دحیہ نے میلاد النبی کے حوالے سے کتاب لکھی، بادشاہ نے ہزار اشرفی انعام دیا۔ یہ بادشاہ دانا بہادر، مرد میدان تھا۔ ۶۳۰ میں صلیبیوں کے خلاف عکہ کا محاصرہ کیا۔ ۱۸ علاوہ ازیں آپ نے مختلف بادشاہوں کے حوالے دیئے جو شان وشوکت سے یہ تہوار مناتے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو مختلف طریقوں سے خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ برادری کو جمع کرنا، کھانا کھلانا، زیبائش وآرائش۔ نبی اکرم علیہ السلام کی آمد، بچے کی ولادت سے زیادہ خوشی کا باعث ہے، کیونکہ آپ سے مستقل روحانی سکون ملتا ہے۔

خان بریلی نے لکھا۔ ان کا بھائی مجلس میلاد پڑھ رہا تھا، ایک بندر سامنے دیوار کے ساتھ چپکا مؤدب بیٹھا سن رہا تھا۔ جب قیام کا وقت آیا تو مؤدب کھڑا ہو گیا۔ وہ بندر تھا وہابی نہ تھا۔ ۱۹

قیام: میلاد کے وقت قیام میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک قول ہے: یحب القیام عند الذکر ولادۃ النبی ۔۲۰ جبکہ خان گجراتی کا قول ہے "یہ مسلمانوں پر بہتان ہے کہ وہ قیام کو واجب سمجھتے ہیں۔ نہ کسی عالم دین نے لکھا ہے کہ قیام واجب ہے اور نہ تقریروں میں کہا۔" ۲۱

تقارب:

مجلس میلاد کا عمل گزشتہ دور کے متعدد علماء بالخصوص جلال الدین سیوطی اور شامی جیسے بزرگوں سے منقول ہے۔ دیوبندی حضرات بھی ذکرِ میلاد کے مطلقاً منکر نہیں۔ یعنی نبی اکرم علیہ السلام کے حالات وسیرت کا بیان، ایصال ثواب اور خیرات کی حد تک اس کے قائل ہیں۔ بشرطیکہ وہ مجلس منکرات شرعیہ سے خالی ہو۔ چنانچہ دیوبندی بزرگ مولوی خلیل احمد سہارن

Marfat.com

پوری کی عبارت ہے:

''اصل ذکر ولادت کوتو کوئی بھی منع نہیں کرتا، جو کچھ تکرار وانکار ہے، وہ قیود میں ہے۔'' ۲۲

اسی طرح دیوبندی بزرگ حاجی امداد اللہ بھی اس معاملے میں کافی نرم ہیں۔ بلکہ قیام میلاد کے مسئلہ میں بریلویوں کی مخالفت نہیں کرتے۔ ۲۳

دوسری طرف بریلوی بزرگ مولوی عبدالسمیع بھی ایک احتیاط کا ذکر کرتے ہیں (مجلس میلاد میں) ''شاید فضائل میں کوئی حدیث مطعون فیہ یا موضوع بھی بیان ہوگئی ہو، تو انصاف کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو منع کرنا چاہئے .....۔ ہم نے بہت سنا ہے کہ واعظین آج کل بہتیری روایات، موضوع بیان کر جاتے ہیں، ان کو تمیز بھی حاصل نہیں۔'' ۲۴

یعنی آپ مجلس ذکر یا مجلس میلاد میں موضوع روایات پیش کرنے کے خلاف ہیں۔

اس طرح یہ اختلاف سمٹ کر منکرات شرعیہ کی حد تک رہ جاتا ہے۔ یعنی ۱۲ ربیع الاول کو جلوس نکالنا، نبی اکرم علیہ السلام کے نعلین کی شبیہ بازاروں میں لٹکانا، زیبائش میں اسراف اور عورتوں کا سرعام میل جول وغیرہ لہٰذا فریقین میں تقارب کے خاصے امکانات ہیں۔ بشرطیکہ تعصب سے نکل کر غور وفکر کیا جائے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ فتاویٰ دار العلوم کراچی، ۱:۱۷۳۔

۲ البدایہ و النہایہ، ۱۳:۲۵۶۔

۳ ایضاً، ۱۳:۱۲۶۔

۴ فتاویٰ دار العلوم کراچی، ۱:۱۷۱۔

۵ ایضاً، ۱:۱۷۰۔

Marfat.com

۶ مکتوبات مجدد الف ثانی،۳:۷۲۔

۷ فتاویٰ رضویہ،۲۳:۹۹۔

۸ بہارِ شریعت،عقیقہ کا بیان۔

۹ انوار ساطعہ،۲۵۔

۱۰ فیوض الحرمین،۴۔

۱۱ فتاویٰ رضویہ،۲۶:۵۱۵۔

۱۲ ایضاً،۲۶:۵۱۳۔

۱۳ ایضاً،۲۶:۵۵۴۔

۱۴ ایضاً،۲۳:۷۶۱۔

۱۵ ایضاً۔

۱۶ خزائن العرفان،المائدہ:۳۔

۱۷ تفسیر نعیمی:التوبہ۔

۱۸ ضیاء النبی،۲:۴۷۔

۱۹ ملفوظات،۴۷۸۔

۲۰ انوار ساطعہ،۲۶۷۔

۲۱ جاء الحق،۲۵۴۔

۲۲ براھین قاطعہ،۴۹۔

۲۳ کلیات امداد،۷۹۔

۲۴ انوار ساطعہ،۲۶۰۔

Marfat.com

ولادت نبوی کی تاریخ

اس سلسلہ کی ایک بحث یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تاریخ ولادت کیا ہے۔ فاضل بریلوی نے اس کا آغاز استقرار حمل سے کیا، کہ آپ علیہ السلام کے والد کنکریاں مارنے میں مصروف تھے کہ حضرت آمنہ نے ان سے خواہش کا اظہار کیا۔[1] پھر اس پر اعتراض اٹھا کہ ایام حج میں اگر استقرار حمل ہو اور ربیع الاوّل میں پیدائش ہو، تو حمل کے نو ماہ پورے نہیں ہوتے، حالانکہ نبی اکرم کی پیدائش نو ماہ بعد ہونا مسلمہ امر ہے۔ خان بریلی نے اس کا جواب لکھا ''عرب کے لوگ نسیئ کرتے تھے، یعنی مہینوں کا ہیر پھیر کرتے تھے۔''[2] مگر یہ جواب تشفی بخش نہیں، کیونکہ مہینوں کا ہیر پھیر ایک دو ماہ کے لئے ہوتا تھا، نہ کہ پانچ ماہ کے لئے۔

اصل بحث یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی تاریخ ولادت کیا ہے۔ محمود پاشا مصری ماہر فلکیات نے ۹/ ربیع الاوّل بتلائی۔ اسی تاریخ کو سیرت النبی از شبلی و رحمۃ العالمین از قاضی سلیمان منصور پوری نے اختیار کیا، مگر خان بریلی نے اپنی تحقیق کے مطابق، نبی اکرم کی تاریخ ولادت ۸/ ربیع الاوّل بتلائی[3] اور ۹ تاریخ کی تردید کی۔ مگر تردید میں کوئی دلیل یا تفصیل نہیں لکھی، ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی کہ ۱۲/ ربیع الاوّل کو ہی عید میلاد النبی منائی جائے۔ جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔[4] یعنی درستی کی بجائے عوام میں مشہور تاریخ کو ہی رواج دینے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل تاریخ ولادت ۸ ہے، مگر عوام چار روز بعد یعنی بارہ تاریخ کو اسے منانے کا سلسلہ جاری رکھیں۔

یہ قدرت کا کرشمہ ہے یا ہے یا محض اتفاق کہ اصل تاریخ سے ہٹ کر محض فرضی تاریخ کو نبی کا یومِ میلاد منایا جائے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قرآنی بیان کے مطابق موسمِ

Marfat.com

گرما ہے کہ دردزہ کے وقت حضرت مریم علیہا السلام کھجور کے ایک درخت کے پاس گئیں اور آپ کو حکم ہوا کہ درخت ہلاؤ تم پر تازہ کھجوریں گریں گی۔[۵] کھجور موسم گرما میں پکتی ہیں۔

اسی طرح انجیل لوقا کے مطابق بھی اس وقت موسم سرما یعنی دسمبر کا مہینہ نہیں بلکہ گرمی کا موسم تھا، کیونکہ ان کی انجیل کے بیان کے مطابق مشرق سے کچھ لوگ انہیں دیکھنے آئے، تو اس وقت چرواہے میدان میں سوتے تھے۔[۶]

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ ولادت ۲۵/ دسمبر ہوتی تو ٹھنڈے موسم اور ٹھنڈے علاقے یعنی فلسطین میں رات کو چرواہے باہر کی بجائے اندر سوتے۔ چرواہوں کے باہر سونے سے معلوم ہوا کہ وہ موسم گرما تھا، جب آپ کی پیدائش ہوئی۔

تاریخ وفات:

خان بریلی کو تاریخ ولادت کی طرح نبی اکرم ﷺ کی تاریخ وفات سے بھی اختلاف ہے۔ آپ کے ہاں تاریخ وفات ۱۳/ ربیع الاوّل ہے۔[۷]

حواشی وحوالہ جات:

۱ فتاویٰ رضویہ، ۲۶:۴۰۶۔ یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ میاں بیوی کی یہ راز کی بات کیسے معلوم ہوئی یا محض گھڑی گئی ہے، تاکہ استقرار حمل کی تاریخ کی فضیلت ثابت کی جائے۔

۲ فتاویٰ رضویہ، ۲۶: ۴۱۱۔

۳ ایضاً، ۴۱۲۔

۴ ایضاً، ۴۲۸۔

۵ مریم: ۲۵۔

۶ انجیل لوقا، باب ۸۔

۷ فتاویٰ رضویہ، ۲۶:۴۲۸۔

Marfat.com

وسیلہ

وسیلہ بمعنی قرب، حاجت، بادشاہ کے ہاں رتبہ، جنت کا ایک مقام، ذریعہ۔ وسیلہ کی بحث اس خیال پر مبنی ہے کہ جس طرح دنیا میں انسان، براہِ راست بادشاہ تک رسائی نہیں رکھتا بلکہ اس کو کسی کے واسطے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح خالق تک رسائی کے لئے بھی وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ وسیلہ بہت سی چیزیں بن سکتی ہیں، مثلاً ایمان، نیک اعمال، قرآن، صبر، نماز، زندہ شخصیات۔ یہ تمام چیزیں جائز ہیں، کیونکہ ان کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اختلاف صرف مردہ شخصیات کے توسل میں ہے۔ بریلوی حضرات اس میں پر جوش ہیں، جبکہ دیوبندی حضرات اس میں محتاط ہیں۔

بریلوی دلائل:

قرآنی آیت ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ اس کی طرف وسیلہ اختیار کرو۔ اس بارے میں مفتی احمد یار کی تفسیر ہے ''مسلمانوں کو اعمال کے ساتھ انبیاء واولیاء کا وسیلہ ڈھونڈنا چاہئے۔ کیونکہ اعمال تو اتقوا اللہ میں آگئے۔ پھر تلاش وسیلہ کا حکم ہوا۔ کوئی متقی مومن بغیر وسیلہ رب تک نہیں پہنچ سکتا۔ [1]

معلوم ہوا کہ آپ کے ہاں وسیلہ صرف اختیاری نہیں بلکہ لازمی امر ہے۔

دوسری آیت یا ایھا الساحر ادع لنا ربک۔ ''اے جادوگر ہمارے لئے (اپنے) رب سے دعا کر۔'' اس کی تفسیر میں بھی آپ کا قول ہے۔ نبی کے توسل کا فرعون بھی قائل تھا، جو اس وسیلہ کا منکر ہے وہ فرعون سے زیادہ گمراہ ہے۔'' [2] آپ کی تیسری عبارت ہے

Marfat.com

''جب کبھی اہل کتاب مشرکین سے جنگ کرتے تو حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے دعائے نصرت کرتے.....نہ ماننے والے یہود سے بھی بدتر کافر ہیں۔'' ۳

معلوم ہوا کہ آپ کا نظریہ توسل کافی سخت ہے۔

وسیلہ کے بارے میں فاضل بریلوی کا بیان ہے ''علماء اہل حاجت، ابو حنیفہ کی قبر سے توسل کرتے اور مرادیں پاتے۔ امام شافعی تبرک حاصل کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے، خدا سے سوال کرتے اور حاجت پوری ہوتی۔'' ۴

آپ کی مزید عبارت ہے ''قطبیت، غوثیت وابدالیت وغیرہا یہ تمام مراتب حضرت علی کے زمانہ باکرامت سے دنیا کے اختتام تک بواسطہ علی حاصل ہوتے ہیں اور ان حضرات کو بادشاہوں کی سلطنتوں اور امراء کی امارت میں اہم دخل ہوتا ہے۔ جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔ ۵

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ آپ توسل کے جواز کے قائل ہیں، لزوم کے نہیں۔

دیوبندی مسلک میں توسل کی تمام اقسام درست ہیں صرف مردہ سے توسل منع ہے وہ بھی مطلقاً نہیں، بلکہ اس کی صرف دو نوعیتیں ممنوع ہیں (۱) استغاثہ (۲) تعبد۔

ا۔ استغاثہ:

آیت ہے یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ اختیار کرو۔'' بقول علامہ آلوسی ''جس شخص سے دعا کی درخواست کی جائے اگر وہ مردہ یا غائب ہو تو ایسے شخص سے استغاثہ کے ناجائز ہونے میں کوئی عالم شک نہیں کرتا اور مردوں سے استغاثہ ان بدعات میں سے ہے، جن کو سلف میں سے کسی نہ اختیار نہیں کیا۔'' ۶

اس جگہ آلوسی نے ابو یزید بسطامی کا قول بھی نقل کیا ''مخلوق کا مخلوق سے استغاثہ کرنا ایسے ہے جیسے قیدی کا قیدی سے استغاثہ کرنا۔''

Marfat.com

آیت کا مطلب یہ ہوا ''اے مومنو! تقویٰ اختیار کرو۔ یہ دل کی کیفیت یعنی قلبی عمل ہے، جو کہ خفیہ ہوتا ہے۔ پھر ظاہری اعمال کا وسیلہ تلاش کرو، مجاہدہ کروتا کہ تم فلاح پاؤ۔''

۲۔ تعبد:

ابوالکلام لکھتے ہیں ''(چینی مذہب کے بانی کنفیوشش نے) ملک کو عملی زندگی کی سعادتوں کی راہ دکھائی۔ معاشرتی حقوق وفرائض کا قانون مہیا کیا۔ لیکن خدا کے بارے میں قدیمی تصور (آسمان خدا ہے) قائم رہا اور اجداد پرستی کے عقائد نے اس کے ساتھ مل کر ایسی نوعیت پیدا کرلی، گویا آسمانی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ گزری ہوئی روحوں کا وسیلہ اور شفاعت ہے۔ روحانی تصورات میں وسیلہ کا اعتقاد ہمیشہ عابدانہ پرستش کی نوعیت پیدا کرلیتا ہے۔ چنانچہ یہ توسل بھی عملاً تعبد تھا اور ہر طرح کے دینی اعمال ورسوم کا مرکزی نقطہ بن گیا۔ ے

یعنی مردہ کو وسیلہ بنانے میں قباحت یہ ہے کہ اس کی عظمت بڑھتی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ معبود بن جاتا ہے اور شرک شروع ہوجاتا ہے، مگر زندہ کو وسیلہ بنانے میں یہ نقص نہیں۔

۳۔ دیوبندی مسلک میں جائز صورتیں یہ ہیں:

''انبیاء واولیاء کا توسل وفات کے بعد بایں لفظ کہ الٰہی ان کے طفیل سے میری حاجت پوری کر، جائز ہے۔ ۸ شرک نہیں۔''

''مزار پر کھڑے ہوکر دعا مانگنا کہ محمد ﷺ کے صدقے اور ان صاحب قبر کے واسطے سے میری فلاں حاجت روائی کر، درست ہے۔'' ۹

نیز زندہ افراد سے توسل بالکل جائز ہے۔ جیسے صحابہ کرام نے نبی اکرم اور پھر حضرت عباس سے کیا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ سے کیا، اور یہود نے نبی اکرم ﷺ کا توسل کیا۔ ان سب کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے۔ نیز اسلام میں توسل کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹا، کسی بڑے کا توسل کرے، بلکہ بڑی ہستی چھوٹے کو بھی وسیلہ بناتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے

Marfat.com

فقراء مہاجرین کا توسل کیا۔ ۱۰

۴۔ قرآن وحدیث میں جس قدر دعایں سکھائی گئیں وہ وسیلہ سے خالی، یعنی بلا واسطہ ہیں۔ مثلاً ادعوا استجب لکم ۔ ''مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا۔'' اھدنا الصراط المستقیم۔ ''ہمیں سیدھی راہ دکھا۔'' اذا سئلک عبادی عنی فانی قریب ۔ ۱۱ ''میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں تو تُو بتا کہ میں قریب ہوں۔'' امام رازی کی تشریح یہ ہے اما فی وقت الدعاء فلا واسطة بینی و بینک ۔ ''دعا کے وقت تیرے اور میرے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔'' مقصد یہ ہے کہ اللہ چونکہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس لئے کسی مردہ یا غائب شخص کو وسیلہ بنانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ تو دور ہے۔ قریبی ہستی کو چھوڑ کر دور کی طرف جانا غلط ہے۔

امام جعفر کا قول ہے ''عطائے الٰہی بلا واسطہ ہے نہ کہ بالواسطہ۔'' ۱۲

بایزید نے تیس سال دعا کی مگر قبول نہ ہوئی۔ ۱۳ جس کی اپنی دعا قبول نہ ہوا سے وسیلہ بنانے کا کیا فائدہ؟ عبدالحق محدث دہلوی کی دعا ہے، ''اے اللہ! میں تیرے قرآن اور تیرے محبوب کی سنت کے وسیلہ سے دعا کر رہا ہوں۔ میری دعا قبول فرما۔'' ۱۴ یہاں آپ نے ذات کی بجائے عمل کو وسیلہ بنایا۔

تقارب:

توسل کی تمام اقسام میں اتفاق ہے، البتہ مردہ سے توسل کی دو نوعیّتوں میں اختلاف ہے۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات:

۱ تفسیر نور العرفان، المائدہ:۳۵۔

۲ ایضاً، الاعراف:۱۳۴۔

۳ ایضاً، البقرہ:۸۹۔

۴ فتاویٰ رضویہ، ۷:۶۰۵۔

۵ ایضاً، ۱۵:۲۲۴۔

۶ روح المعانی، المائدہ:۳۵۔

۷ مأخوذ از الیس ایم شاہد، مذاہب عالم، ص ۴۴۰۔

۸ فتاویٰ دار العلوم کراچی، ۱:۱۰۱۔

۹ ایضاً، ۱:۴۰۷۔

۱۰ ضیاء القرآن، ۲:۵۰۹۔

۱۱ البقرہ:۱۸۶۔

۱۲ تذکرۃ الاولیاء، ۱۱۔

۱۳ ایضاً، ۳۴۶۔

۱۴ اخبار الاخیار، ۵۲۳۔

Marfat.com

استعانت

دیوبندی مؤقف کے مطابق زندہ افراد سے استعانت روزانہ کا معمول اور انسانوں کی عمومی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر دنیوی زندگی کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔ ہر شخص خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، دوسرے سے مدد کا ضرورت مند ہے۔ پھر یہ مدد تحت الاسباب ہوتی ہے نہ کہ مافوق الاسباب۔ مردہ سے استعانت چونکہ مافوق الاسباب بن جاتی ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے، لہٰذا وہ جائز نہیں۔ اگر بزرگوں کی ارواح سے استعانت جائز قرار دی جائے تو ارواح پرستی کا دروازہ کھل جائے گا۔

اسباب وسائل کے انداز میں استعانت درست ہے۔ مثلاً ایک شخص قلم و دوات کی مدد سے لکھتا ہے، دوسرے شخص نے یہ چیزیں مہیا کیں۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ کی مدد سے لکھائی کی اور اللہ کی توفیق سے تمام مراحل طے ہو گئے۔ اس جگہ مدد کی پہلی تین اقسام میں غیر اللہ سے استعانت ہے، مگر اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ چوتھی قسم یعنی اللہ سے استعانت کا جو انداز ہے وہ غیر اللہ سے مانگنا منع ہے، اور اسی میں اختلاف ہے۔

نبی اکرم علیہ السلام نے ایک صحابی سے فرمایا **استعن بیمینک**۔[1] ''اپنے (داہنے) ہاتھ سے مدد حاصل کر۔'' ذوالقرنین بادشاہ نے مشرقی سفر میں لوگوں سے کہا، **اعینونی بقوۃ**۔[2] ''پوری طاقت سے میری مدد کرو۔'' آیت ہے **واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ**۔ ''نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو۔'' یہ تمام امور ماتحت الاسباب زندگی سے متعلق ہیں، کیونکہ صبر قلبی عمل ہے، نماز جسمانی عمل ہے۔ یہ استعانت کسی مردہ سے نہیں۔

Marfat.com

دلائل:

آیت ہے ایـاک نعبد و ایّاک نستعین ۔''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔اس آیت کے دونوں حصوں میں حصر ہے، جس طرح عبادت مافوق الفطرت ہستی کے لئے ہے۔اسی طرح مافوق الاسباب استعانت بھی اسی سے مخصوص ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے بقول''مسئلہ عبادت مرغیر خدارا جائز نیست و نہ مدد خواستن از غیر حق۔'' ۳ ''نہ تو عبادت غیر خدا کی جائز ہے اور نہ ہی غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔''

شیخ ابوبکر کتانی کا قول ہے''جس طرح محشر میں خدا کے سوا کوئی معاون نہیں ہوگا، اسی طرح دنیا میں اس کے سوا کسی کو معاون تصور نہ کرو۔'' ۴

شاہ ولی اللہ کا قول طلب الحوائج من الموتیٰ عالماً بانه سبب لانجا جها کفر و الناس الیوم منهمکون فیها ۔ ۵ شیخ عبدالحق حقانی کے بقول''استعانت میں افراط یہ ہے کہ ہر چیز کو سبب سمجھ کر اور وسیلۂ حاجات جان کر اس سے سوال کرے، اور عناصر، آفتاب و ماہتاب، ارواح انسانیہ اور دیگر غیر مرئی چیزوں کو خدا کے خزانہ غیب کا داروغہ یا مالک یا مختار جان کر ان سے مدد مانگے اور ان کے نام سے نذر و نیاز کرے۔ ۶

اس کی مزید تشریح یہ ہے''اس میں اشارہ ہے کہ استعانت اسی سے چاہتے ہیں، جس کی عبادت کرتے ہیں، کیونکہ عبادت کا وہی مستحق ہے جو خالق و مربی ہے اور ہر طرح کی قدرت و اختیار رکھتا ہو اور وہی مستحق استعانت ہے۔گویا یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ۷

پس شرک کی دو شاخیں ہیں، ایک عبادت، دوسری استعانت۔ ۸

اس بناء پر مقربان حق کو، اللہ کے ساتھ نہیں ملایا جا سکتا۔جیسے مقربان حق کی عبادت حرام اور ان کو سجدہ حرام، اسی طرح ان سے استعانت بھی منع ہے۔

یہ کہنا کہ، مقربانِ حق کی امداد، اللہ کی امداد ہے، دو مختلف ہستیوں کو خوش نما فقرے میں اکٹھا کرنا ہے، مگر اس سے ان کا حکم یکساں نہیں ہو جاتا۔اس سے شرک کا راستہ کھل سکتا

Marfat.com

ہے۔ مثلاً آئین اکبری میں عبارت ہے۔ ''آفتاب کی سلاطین پر خاص عنایت ہے۔ اس کی عبادت، خدا کی عبادت خیال کرتے ہیں۔'' اس کی ستائش خدا کی ستائش سمجھتے ہیں۔

مفسر عبدالحق کی مزید تشریح ہے۔ سینکڑوں جاہل حضرات، اولیاء وانبیاء ملائکہ و دیگر غیر محسوس چیزوں اور ارواح غیر مرئیہ کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کی پرستش نہ کریں تو ہمارے کاروبار میں فرق آجائے اور وہ لوگ ہم کو مضرت پہنچائیں اور اس پر اتفاقاً مراد کا حاصل ہونا، یا کسی عبادت میں اتفاقاً کوئی حادثہ پیش آنا۔ ان کے خیالِ باطل کی اور قوی دلیل بن جاتا ہے، مگر درحقیقت یہ قوتِ وہمیہ کی کاریگری ہوتی ہے۔[9]

اس تمام بحث کے بعد، دیوبندی مسلک کی تشریح اور حکم یہ ہے

''یا رسول اللہ کہنا، یا بطریق استعانت یا شیخ عبدالقادر جیلانی متصرف بالذات مان کر، شرک و بدعت اور صحیح عقیدے سے کہنا بھی اچھا نہیں۔ اس سے غلط عقیدے کا وہم ہوسکتا ہے۔''[10]

''ہاں یہ عقیدہ رکھنے میں مضائقہ نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس پر قادر ہے کہ رسول اللہ یا کسی ولی کی روح کو کسی جگہ بھیج دے اور کسی کو اس سے فائدہ پہنچے۔''[11]

استعانت کی ایک دلیل تھی اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور۔ ''جب تم امور میں حیران ہوجاؤ تو اصحاب قبور سے مدد مانگو۔'' اس کا مطلب ہے احکام ومسائل میں الجھ جاؤ تو گذشتہ علماء کی کتب سے مدد حاصل کرو، جبکہ شاہ ولی اللہ کے ہاں مراد ہے ''مردوں کے حالات یاد کرو اور ان سے عبرت حاصل کرو۔''[12]

توسل کی مانند ایک بحث یہ ہے کہ غیر اللہ سے استعانت و استمداد کی کیا حیثیت ہے۔ یہ استعانت تحت الاسباب بھی ہوسکتی ہے اور فوق الاسباب بھی۔ اس معاملے میں بریلوی مسلک کے مختلف علماء کے نظریات درج ہیں۔

خان بریلی کے ہاں اس استعانت کا مفہوم بہت وسیع ہے، یعنی زندہ افراد سے استعانت کی جاسکتی ہے اور بعد از موت بھی۔ مثلاً آپ کی عبارت ہے۔

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت کی تمام زمینوں کا مالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دیا، حضور اکرمؐ جنت کی زمین جتنی چاہیں جسے چاہیں دے دیں۔ تو دنیا کی زمین کا کیا ذکر۔'' ۱۳

دوسری عبارت۔ اذن للانبیاء ان یخرجوا من قبورھم..... ۔۱۴ ''انبیاء کرام کو اجازت ہے کہ وہ قبروں سے نکلیں اور زمین وآسمان کی سلطنت میں تصرف کریں۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام وفات کے بعد زمین وآسمان میں ہر طرح کے تصرف پر قدرت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان سے استمداد کرنا درست ہوگا۔ خان بریلی کے ہاں یہ استعانت اور انہیں وقت توسل وامداد کے لئے ندا کرنا، یا رسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنا اور انہیں واسطہ فیض الٰہی جاننا ضرور حق ہے۔ ۱۵

خان بریلی اس معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔ آپ کی عبارت ہے ناد علیاً مظھر العجائب ، تجدہ عونا لک فی النوائب، کل ھم و غم سینجلی بولایتک یا علی یا علی. ۱۶ علاوہ ازیں خان بریلی، شاہ عبدالقادر جیلانی کے ساتھ انتہائی عقیدت وتعلق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مثلاً جب کبھی میں نے استعانت کی یا غوث کہا، یک در گیر، محکم گیر۔ ۱۷

خان بریلی کے شاگرد صدر الافاضل نعیم الدین بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں۔ چنانچہ غیر اللہ سے استعانت کے جواز میں یہ دلیل لکھتے ہیں۔ مقربانِ حق کی امداد، امدادِ الٰہی ہے، استعانت بالغیر نہیں۔ آگے لکھتے ہیں اگر وہابیہ والے معنی ہوتے تو قرآن میں اعینونی بقوۃٍ، واستعینوا بالصبر وا لصلوٰۃ، کیوں وارد ہوتا۔ احادیث میں اہل اللہ کی استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی۔ ۱۸

اسی موقف کو مفتی احمد یار خان نے بھی پیش کیا۔ مثلاً ''بسم اللہ کی 'ب' استعانت کی ہے۔ اللہ کے نام کی مدد سے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا سے بھی مدد لینا جائز ہے۔ تو اللہ، رسول اور اس کے نیک بندوں سے بھی جائز ہے کہ وہ بسم اللہ کی طرح اللہ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ ۱۹

اس معاملے میں آپ کا موقف اس وقت زیادہ پر جوش اور انتہائی زوردار معلوم ہوتا ہے، جب آپ لکھتے ہیں ''اللہ کے بندوں کی زبان کن کی کنجی ہوتی ہے۔ رب کی وہ مانتے ہیں،

Marfat.com

رب ان کی مانتا ہے۔'' ۲۰ اس کی مثل دوسری عبارت ہے ''رب اپنے بعض مقبول بندوں کو اپنے فضل سے خدائی کا مالک بنادیتا ہے۔'' ۲۱

ان عبارتوں میں نیک بندوں کے اعلیٰ مقام، ان کے بااختیار ہونے کا وسیع مفہوم اوران سے استعانت کی گہری تلقین نظر آتی ہے۔اسی بناء پر بعض مساجد کے دروازوں پر یہ الفاظ تحریر ہوتے ہیں ''اغثنی یا رسول اللہ. امداد کن، امداد کن از غم دنیا آزاد کن۔''

تقارب:

استعانت کی پہلی تین اقسام میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ چوتھی قسم میں اختلاف ہے۔ دیوبندی مکتب فکر کے مطابق جب ان کی زندگی میں ان بزرگوں کی اپنی بہت سی مرادیں پوری نہیں ہوئیں تو موت کے بعد دوسروں کی مرادیں کیسے پوری کریں گے۔ ہاں اگر یہ مفہوم ہو کہ ہماری دعا فرشتوں کی وساطت سے ان تک پہنچے۔ پھر ان کی دعا بھی ساتھ شامل ہوجائے تو مقبولیت کا امکان زیادہ ہے۔اس طرح تقارب کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔مثلاً اہل دیوبند کا فتویٰ ہے۔

۱۔ کسی بزرگ کے مزار کے پاس اس خیال سے دعا کرنا کہ اس متبرک مقام کی برکت سے شاید دعا زیادہ قبول ہوجائے، گنجائش ہے۔ اللہ کے سوا کوئی کسی کی حقیقی مدد نہیں کرسکتا۔اللہ سے مانگیں، مردے سے مانگنا جائز نہیں۔ ۲۲

۲۔ حاجی امداداللہ کے ہاں اس مسئلے میں مزید گنجائش ہے۔ ۲۳ مگر وہ فقیہ نہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ ترمذی، کتاب العلم، ۱۲۔

۲ الکہف: ۹۵۔

۳ ارشاد الطالبین، ۲۰۔

Marfat.com

۴ تذکرۃ الاولیاء،۳۰۲۔

۵ الخیر الکثیر،۱۰۵۔

۶ تفسیر حقانی،الفاتحہ،۵۔

۷ ایضاً،الفاتحہ،۲۶۔

۸ ایضاً،۲۷۔

۹ ایضاً،البقرہ:۲۲۔

۱۰ فتاویٰ دار العلوم کراچی،۱:۱۵۰۔

۱۱ ایضاً،۱:۱۰۴۔

۱۲ انفاس العارفین،۱۶۸۔

۱۳ فتاویٰ رضویہ،۱۴:۶۶۷۔

۱۴ ایضاً،۶۸۵۔

۱۵ ایضاً،۲۹:۶۱۶۔

۱۶ ایضاً،۱۵:۲۱۷۔

۱۷ ملفوظات،۳۴۱۔

۱۸ خزائن العرفان،الفاتحہ:۴

۱۹ تفسیر نور العرفان،سورۃ الفاتحہ کا حاشیہ۔

۲۰ ایضاً،البقرہ:۱۲۸۔

۲۱ ایضاً،النحل:۷۱۔

۲۲ فتاویٰ دار العلوم کراچی،۱:۲۶۴۔

۲۳ کلیات امداد،۸۴۔

Marfat.com

قبور اور عرس

اسلام میں جس طرح زندہ انسان قابل احترام ہے، اسی طرح مردہ بھی ہے، اس احترام سے مراد ہے کہ نہ کوئی اس کی قبر پر بیٹھے، نہ اسے روندے، نہ قضائے حاجت کے لئے ادھر جائے۔ البتہ پچاس ساٹھ سال بعد ان قبروں کو ہموار کرنا جائز ہے، کیونکہ اتنے عرصے میں مردہ کی ہڈیاں مٹی بن جاتی ہیں۔

دیوبندیوں کے ہاں قبور کو پختہ کرنا اس حدیث کی بناء پر منع ہے۔ نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحبصص القبر و ان ینبی علیہ و ان یقعد علیہ۔[1]

علامہ آلوسی کا بیان ہے، ثم اجماعاً فان اعظم المحرفاتِ و اسباب الشرک، الصلوٰۃ عندھا و اتخادھا مساجد او بناؤ ھا علیہ و تجب المبادرۃ الیٰ ھدمھا و ھدم القباب التی علی القبور..... ۔[2]

اس پر اجماع ہے کہ تحریف اور شرک کے بڑے اسباب یہ ہیں۔ قبور کے نزدیک نماز پڑھنا، اسے مسجد بنانا، اس پر تعمیر کرنا۔ قبروں کی عمارات اور قبوں کو فوراً گرانا ضروری ہے، کیونکہ وہ مسجد ضرار سے بڑھ کر نقصان دہ ہیں۔ ان کی بنیاد نبی اکرم کی نافرمانی پر رکھی گئی ہے۔ قبر کے ہر چراغ اور بتی کا خاتمہ ضروری ہے۔ نہ نذر درست ہے نہ ہی وقف۔

قاضی ثناء اللہ کے بقول ''اولیاء کی قبر کو بلند کرنا، ان پر گنبد بنانا، عرس منانا، اسی طرح چراغاں کرنا، سب کچھ بدعت ہے۔ ان میں سے بعض حرام اور بعض مکروہ ہیں۔ قبر کے نزدیک شمع جلانے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر پیغمبر خدا نے لعنت بھیجی ہے۔''[3]

شاہ عبدالعزیز کے بقول ''قبور کی زیارت کے لئے دن معین کرنا بدعت ہے۔ اصل

Marfat.com

زیارت درست ہے۔ وقت معین کرنا سلف سے ثابت نہیں۔'' ۴

دوسری عبارت ''چادر سے قبر چھپانا لغو حرکت ہے، نہ کرنا چاہئے۔ ایسے ہی چار دیواری اور چھت بنانا۔'' ۵

ان تمام امور کے حرام ہونے کی وجہ نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث ہے لعن رسول اللہ زائرات القبور و المتخذین علیھا المساجد و السرج۔ ۶

چراغ جلانے اور مسجد بنانے کا یہ مطلب نہیں کہ صرف قبور کے اوپر منع ہے، بلکہ نزدیک بھی منع ہے۔ کیونکہ لفظ ''علیٰ'' قرآن میں قریب کے مفہوم کے لئے بھی آتا ہے۔ مثلاً آیت ہے او کالذی مرّ علی قریۃ۔ ۷ یعنی ''بستی کے قریب سے گزرے۔'' حضرت عمرؓ نے حضرت انس بن مالک کو قبور کے نزدیک نماز پڑھنے پر ٹوکا۔ لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ ۸

نبی اکرم علیہ السلام کا فرمان ہے۔ اللھم لا تجعل قبری عیداً۔ ۹ جب آپ کی قبر پر عرس جائز نہیں تو پھر دوسری جگہ کیسے درست ہوسکتا ہے۔

اس معاملے میں اصحاب کہف کے واقعہ سے پختہ قبر، مسجد یا عرس کا استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ قرآنی بیان کے مطابق یہ امور ان کے نیک افراد نے نہیں کیے۔ بلکہ غلبہ اور تسلط پانے والوں نے یہ روش اپنائی۔

مجموعی طور پر ہر وہ کام جس سے قبور کی تعظیم پیدا ہو، وہ منع ہے۔ یعنی قبور کو پختہ کرنا، چراغ جلانا، چادر چڑھانا، عرس منانا، وغیرہ۔ بقول ملا علی قاری ''قبروں پر چراغ جلانے کی ممانعت اس بناء پر ہے کہ اس میں مال کا ضیاع، جہنم کے آثار اور اس میں قبروں کی تعظیم ہے۔ ۱۰

مفتی محمد شفیع نے ان مسائل پر بحث کرتے ہوئے، ان تمام امور کو بدعت و ناجائز قرار دیا۔ ۱۱ نیز آپ نے تفسیر مظہری کے حوالے سے لکھا لایجوز ما یفعلیہ الجھال بقبور الاولیاء و الشھداء ..... ''اولیاء اور شہداء کی قبور کے ساتھ جاہل لوگ جو کچھ کرتے ہیں، وہ جائز نہیں، یعنی سجدہ کرنا، طواف کرنا، چراغ جلانا، ان کی طرف مساجد بنانا، سال بعد عید کی طرح اجتماع کرنا جسے عرس کہتے ہیں۔'' ۱۲ نیز آپ کا فتویٰ ہے، جیسے قبے بنانا ناجائز ہے، اسی طرح

Marfat.com

باقی رکھنا بھی منع ہے، اگر قدرت ہوتو گرائے جائیں اگر فتنہ کا خوف ہوتو گرانا مناسب نہیں۔ ۱۳

استفادہ:

اس سلسلہ کی دوسری بحث کا تعلق قبور سے استفادہ کے ساتھ ہے، یعنی قبور سے فیض حاصل کرنا۔ حدیث ہے کنتُ نهيتكم عن زيارة القبور ..... ۱۴ ''میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا، خبردار رہو قبور کی زیارت کرو، وہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔'' یعنی قبور کی زیارت کا مقصد آخرت کی یاد ہے۔ قبرستان آکر دنیا کی بے ثباتی کا منظر سامنے آتا ہے۔ ماں کی قبر پر رونے سے بھی سکون ملتا ہے۔ اس کی محبت سے وابستہ یادوں سے ذہنی تازگی میسر آتی ہے۔ مرشد کی قبر پر آمد سے روحانی سکون ملتا ہے اور نشاط کی کیفیت دو چند ہو جاتی ہے۔ شرح صدر پیدا ہونے سے مسائل کی گرہیں کھل سکتی ہیں۔ صبر وحوصلہ کی قوت بڑھ سکتی ہے۔ بقول مفتی محمد شفیع عام مؤمنوں کی قبر پر جانے سے عبرت اور اقرباء کی قبروں پر عبرت کے ساتھ ادائے حق بھی اور بزرگوں کی قبر پر اس کے ساتھ برکات بھی۔ دعا میں صاحب قبر کو خطاب نہ کرنا چاہئے۔ ۱۵

اس استفادے کا تعلق روحانی امور سے ہے، مادی اغراض سے نہیں۔ مثلاً کوئی شخص قبر پر آکر روزگار کا سوال کرے یا کوئی عورت اولاد مانگے تو درست نہیں۔ گو ممکن ہے کہ اس کی مراد پوری ہو جائے۔ جیسے مشرک، بت کے آگے سوال کرتا ہے اور اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ در حقیقت ہر کام اللہ کی طرف سے مقررہ وقت پر ہوتا ہے۔ مسلمان اس وقت اللہ کے حضور دعا گو ہوتا ہے اور کافر بت کے سامنے سجدہ ریز۔ کام ہو جانے پر دونوں کے عقیدے پختہ ہو جاتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ ترمذی، ابواب الجنائز۔ مسند احمد، ۶:۲۹۹۔

۲ تفسیر روح المعانی، الکہف:۲۱۔

Marfat.com

۳ تفسیر مظہری، الکہف:۲۱۔

۴ فتاویٰ عزیز، ۱:۸۹۔

۵ ایضاً، ۱:۱۷۴۔

۶ کتب سنن، باب الجنائز۔

۷ البقرہ:۲۵۹۔

۸ بخاری، کتاب الصلوٰۃ۔

۹ فتاویٰ دار العلوم کراچی، ۱:۱۰۰، حاشیہ۔

۱۰ مرقاۃ، ۱:۴۷۰۔

۱۱ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۱۹۳۔

۱۲ ایضاً، ۱۶۲۔

۱۳ ایضاً، ۴۴۸۔

۱۴ ترمذی کتاب الجنائز۔

۱۵ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۱۹۵۔

Marfat.com

جعلی قبور

ہر مقبول عام چیز کی نقل یعنی جعل سازی شروع ہوجاتی ہے۔قبروں کے معاملے میں بھی یہی کچھ ہوا، بالخصوص اگر قبر پختہ ہوتو اس کی تعظیم بڑھ جاتی ہے۔نذر ونیاز کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔

قبروں کے بارے میں یہ جعل سازی کوئی نئی بات نہیں، بلکہ قدیم دور سے اس کی تاریخ وابستہ ہے۔مثلاً اصحاب کہف کا مخصوص مقام، ملک شام میں بتلایا جاتا ہے اور اندلس کے شہر غرناطہ میں بھی۔[1] حضرت دانیال کی قبر بھی متعدد جگہوں پر بیان کی جاتی ہے۔یہ تو زمانہ بعید کے قصے تھے۔اسلامی دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا، تو دشمنوں کے خوف سے گھر کے اندر چھپادیا۔ پھر رات کو پوشیدہ طور پر شہر سے باہر لے جا کر لاش دفن کی۔حضرت امام صادق کے دور میں وہ جگہ کھودی گئی تو تین مزار اس جگہ نکلے۔ایک لوح پر حضرت آدم، دوسرے پر حضرت نوح اور تیسرے پر حضرت علی لکھا ہوا تھا۔ پھر وہاں گنبد بنوادیا گیا۔[2]

ان فرضی قبروں سے آگے بڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان جعلی مزارات کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ ان میں مدفون کوئی انسان ہی ہو۔ بلکہ بعض اوقات جانوروں کے بھی مزارات بن جاتے ہیں۔مثلاً۔

خواجہ ابوالعباس نہاوندی کے مرید اخی فرخ زنجانی کی بلی مرگئی، تو انہوں نے فرمایا ''اس بلی نے اپنی جان درویشوں پر قربان کردی، اس کی قبر بنائی جائے۔تاکہ لوگ اس کی زیارت کو آئیں۔'' چنانچہ بلی کو قبر میں دفن کردیا۔آج تک وہ قبر موجود ہے۔لوگ زیارت کو آتے ہیں۔[3]

حضرت گیسو دراز کا بیان ہے، چار آدمی سفر کررہے تھے، پانچواں کتا تھا۔راہ میں وہ مرگیا، تو اسے دفن کرکے اس جگہ کو نشان زد کردیا۔ پھر وہ جگہ قبر بن گئی۔ یہاں سے گزرنے

Marfat.com

والے ایک قافلے نے نذر مانی کہ اگر وہ صحیح سالم پہنچ جائے تو دسواں حصہ اس کی نذر کرے گا۔ اتفاقاً وہاں کے ڈاکو آپس میں الجھ گئے اور قافلہ محفوظ رہا تو قافلے کی نذر کے مال سے وہاں گنبد اور خانقاہ بن گئی۔ پھر شہر آباد ہو گیا۔ مدت بعد وہ چار افراد ادھر سے گزرے۔ انہوں نے راز افشا کیا۔ پہلے تو وہ مزاحم ہوئے۔ پھر جگہ کھودی تو کتے کی ہڈیاں برآمد ہوئیں۔[۴]

دوسرا واقعہ۔ دولت آباد میں کتا مر گیا، تو اسے ایک درخت کے نیچے دفن کر دیا اور درخت پر بطور نشان ایک کپڑا باندھ دیا۔ کچھ عرصہ بعد دیکھا گیا کہ اس درخت پر اس قدر کپڑے لٹکے ہوئے تھے کہ انگلی رکھنے کو جگہ نہ تھی۔[۵]

آپ نے فرمایا **لا عبرة لقول الخلق، لا سيما العوام.....** [۶] ''لوگوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں، خاص کر عوام، بلا وجہ کسی بات کو قبول کر لیتے ہی اور بلا وجہ رد کر دیتے ہیں۔

تقارب:

جعلی قبریں بنانا دونوں کے ہاں منع ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ روح المعانی، الکہف:۲۱۔
۲ جوامع الکلم، ۷۰۔
۳ مراۃ الاسرار، ۴۲۱۔
۴ جوامع الکلم، ۴۳۷۔
۵ ایضاً۔
۶ ایضاً۔

Marfat.com

قبور وعرس

بریلوی خیال کے مطابق قبروں کو پختہ کرنا، ان پر قبے بنانا، چراغ جلانا، غلاف چڑھانا، عرس منانا درست ہے۔ قبور کو پختہ بنانے کا عمل پہلے صرف بزرگوں کے ساتھ مخصوص تھا، مگر اب عام لوگوں نے بھی قبور کو پختہ بنانے، چھتیں ڈالنے، ماربل لگانے، بلکہ چار دیواری کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے ہٹ کر دیکھیں تو اس عمل کی وجہ سے قبرستانوں میں جگہ کی تنگی پیدا ہو رہی ہے اور تدفین مہنگی ہوگئی ہے، کیونکہ قبور کو پختہ بنانے اور زیادہ جگہ گھیرنے سے دوبارہ تدفین کی گنجائش نہیں رہتی۔

بریلوی مسلک میں عرس اور میلہ مذہبی اجتماع کی مانند ہے۔ جو مختلف بزرگوں کے مزارات پر ہر سال مقررہ وقت پر منعقد ہوتا ہے۔ دور دراز سے لوگ آتے ہیں، نذر و نیاز مانتے ہیں، قوالیاں، رقص وسرور مزامیر اور ڈھول باجے کا بھی سماں ہوتا ہے۔ گدی نشین اور سجادہ نشین حضرات کے زیر اہتمام یہ تمام پروگرام باقاعدگی سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے امور ہیں کہ خود فاضل بریلی نے ان کی تردید لکھی ہے۔

> ''مزارات اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا، باتباع غنیّہ علامہ محقق ابراہیم حلی، ہرگز پسند نہیں کرتا۔ خصوصاً اس طوفان بدتمیزی، رقص ومزامیر وسرور میں، جو آج کل جہال نے اعراس طیبہ میں برپا کر رکھا ہے۔ اس کی شرکت تو میں عوام رجال کو بھی پسند نہیں کرتا۔[1]

دوسرا فتویٰ۔ صحیح اور قابل ترجیح مذہب میں کسی بھی قبر کو بوسہ دینے، چومنے کی اجازت نہیں، بلکہ ممانعت ہے۔ ملا علی قاری کی شرح عین العلم میں ہے کہ قبر، تابوت اور دیوار کو

Marfat.com

ہاتھ نہ لگائے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی قبر اطہر کے بارے میں اس طرح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ پھر لوگوں کی قبور کے ساتھ یہ معاملہ کیسے روا ہوسکتا ہے اور قبر کو بوسہ نہ دیا جائے، کیونکہ یہ تو ہاتھ لگانے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اسی طرح جھک کر سلام کرنا منع ہے۔ لہٰذا اس کے لئے نہی بطریق اولیٰ ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ ''سلام کے لئے جھکنے کا کیا حکم ہے۔'' فرمایا ''نہیں۔'' مگر واضح رہے کہ ان میں سے کوئی کام کفر وشرک نہیں۔[۲]

تیسرا فتویٰ۔ جامع صغیر میں ہے کہ کسی بڑے کے آگے زمین بوسی حرام.....۔[۳]

طواف کے متعلق آپ کا فتویٰ ہے۔ متبرک مقام کا طواف نہ کرے، اس لئے کہ طواف کرنا، کعبہ معظّمہ کی خصوصیات سے ہے۔ لہٰذا انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی قبروں کے پاس گھومنا منع ہے۔[۴]

اسراف کی ممانعت۔ آپ کا قول ہے، مزارات وعرس پر روشنی میں اسراف منع ہے۔[۵]

معلوم ہوا کہ نفس عرس تو آپ کے ہاں جائز ہے۔ البتہ خرافات وفضولیات سے پرہیز لازم ہے۔ بریلوی مسلک میں عرس کی خاصی اہمیت ہے۔ مفتی احمد یار کا قول ہے۔ بزرگوں کا عرس منانا بڑی پرانی رسم ہے۔[۶]

آپ کے بیٹے اقتدار احمد خاں نے بھی سورہ کہف والی آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ہم یہاں عبادت کریں گے۔ ہر سال یہاں عبادت الٰہی کے لئے میلے لگایا، عرس سجایا کریں گے۔ شان اولیاء کے منکروں کے خلاف یہ ہمارا عمل، مضبوط دلیل بن جائے گا۔ غلامان اولیاء اس دلیل سے گستاخوں، منکروں کو دندان شکن جواب دیں گے۔[۷]

قبور کی تعظیم:

بریلی علماء، قبور کی تعظیم میں کافی حساس ہیں۔ مفتی احمد یار کا قول ہے۔ اولیاء کی قبور کی تعظیم ایسی ہے، جیسے کہ کعبہ معظّمہ کی توقیر اور حجر اسود یا مقام ابراہیم کی تعظیم وتوقیر یا قرآن شریف کا احترام کیونکہ یہ رب کی طرف نسبت رکھتی ہیں۔[۸] (یہاں قبر کا درجہ قرآن کے برابر

Marfat.com

ٹھہرانا غور طلب ہے۔) آپ کا دوسرا قول ہے۔ جب کعبہ معظّمہ میں بت تھے۔ تب بھی حضور اکرم ﷺ اسی کا طواف کرتے اسی کی طرف نماز ادا کرتے۔ لہٰذا اگر مقابر اولیا پر ناجائز چیزیں ہوتی ہوں تو وہ مقامات متبرک ہی رہیں گے۔[9]

مولوی امجد علی کا بیان ہے، اگر برکت کے لئے قبر کا طواف کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔[10] مزار کی تعظیم میں خود خاں بریلوی بھی اسی راہ پر گامزن ہیں۔ عبارت ہے، مزارات کی مٹی منہ پر ملنا جائز ہے اور طواف تعظیمی صرف کعبہ معظّمہ کا ہے۔[11] معلوم ہوا کہ بریلوی مسلک میں قبور کی انتہائی تعظیم ہے۔ گو طواف کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔

حصول فیض:

یعنی قبور سے استفادہ۔ خان بریلی کا قول ہے، ان کی قبروں کی زیارت کو جائے، وہاں سے فیض حاصل کر کے۔[12]

شاہ ولی اللہ غالباً اس معاملے میں دوگونہ مزاج کے حامل ہیں۔ بڑی کتب یعنی حجۃ اللہ البالغہ باب شرک میں ان خیالات کی تردید کرتے ہیں۔ چھوٹی کتب ہمعات وغیرہ میں اس کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی فطرت میں یہ تضاد کچھ موروثی یعنی فطری ہے اور کچھ تصوف کی بناء پر۔ تفصیل آگے۔

تصاویر کا حکم:

خان بریلی کا قول ہے "بالقصد تصویر کی عظمت وحرمت کرنا، اسے معظم دینی سمجھنا، اسے تعظیماً بوسہ دینا، سر پر رکھنا، اسے دیکھ کر سجدہ کرنا، افعال تعظیم بجالانا، اشد حرام، سخت ملعونہ اور صریح بت پرستی سے ایک قدم پیچھے ہے۔"[13]

تقارب:

Marfat.com

اس تمام بحث میں کچھ اتفاقی امور موجود ہیں۔ مثلاً اگر قبر پختہ بن چکی ہے تو اسے نہ گرایا جائے، عرس پر فضولیات وخرافات منع ہیں۔ قبور کو بوسہ دینا، طواف کرنا، جعلی قبریں بنانا منع ہے۔ قبور سے روحانی سکون حاصل کرنا درست ہے۔ نیز قبور کے نزدیک مسجد بنانے کی اجازت تفسیر مظہری میں موجود ہے، جسے دیوبند حضرات بھی معتبر خیال کرتے ہیں۔ ضیاء القرآن نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے۔ (یعنی اصحاب کہف کی غار پر مسجد بنانے کا قصہ) قبور کو مسجود الیہ بنا کر مسجد بنانا منع ہے۔

اختلافی امور: (۱) قبر کو پختہ کرنا، (۲) عرس اور میلے لگانا، (۳) چادر چڑھانا، (۴) چراغ جلانا۔ تاہم اس مقام پر اگر حاجی امداد اللہ کا موقف لایا جائے تو مزید تقارب پیدا ہوسکتا ہے۔ آپ کے بقول ''زیاراتِ مقابر انفراداً واجتماعاً دونوں جائز، ایصال ثواب، قرأت وطعام بھی جائز اور تعیین بہ مصلحت بھی جائز ...... جولوگ نہ کریں ان کو کمال اتباع سنت کا شائق سمجھیں۔ جو کریں ان کو اہل محبت سے جانیں۔[۱۴]

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ۲۳:۱۱۱۔
۲۔ ایضاً، ۲۲:۳۱۸۔
۳۔ ایضاً، ۲۲:۴۱۳۔
۴۔ ایضاً، ۲۲:۳۹۴۔
۵۔ ایضاً، ۲۳:۲۵۹۔
۶۔ تفسیر نور العرفان، الکہف:۱۰۔
۷۔ تفسیر نعیمی، الکہف:۱۰۔
۸۔ تفسیر نور العرفان، الاعراف:۱۹۳۔
۹۔ ایضاً، العلق:۱۰۔
۱۰۔ بہار شریعت، ۴:۱۳۳۔
۱۱۔ فتاویٰ رضویہ، ۲۹:۳۳۴۔
۱۲۔ ایضاً، ۷:۶۰۵۔
۱۳۔ ایضاً، ۲۴:۶۴۱۔
۱۴۔ کلیات امدادیہ، ۸۳۔

Marfat.com

فصل ہفتم: تصوف کے محاسن

تصوف اوراس کے اہم مباحث

تصوف کا لفظ بطور اصطلاح، دورِ اول میں موجود نہ تھا، لیکن تصوف کی روح ایک حقیقت کے طور پر موجود تھی۔ لغوی اعتبار سے تصوف کے متعدد مفہوم بیان کیے جاتے ہیں۔ مگر ان سے بحث کی ضرورت نہیں۔

تصوف سے مراد تزکیہ نفس ہے جو کہ بعثت نبوی کا چوتھا مقصد قرآن نے بیان کیا ہے۔ یعنی انسانی نفس کو دنیوی کدورتوں اور آلائشوں سے پاک صاف کرنا، سفلی جذبات کو دبانا، مادی لذائذ اور ماسوا اللہ سے بے نیاز کرنا، کہ پھر اس کا ہر قول وفعل صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے سرزد ہو اور اس کے دل میں اللہ ورسول کی محبت واطاعت جاگزیں ہو۔

تاریخی لحاظ سے صوفی کا لفظ دوسری صدی تک نظر نہیں آتا۔ تیسری صدی میں اس کو فروغ ملا اور چوتھی صدی میں اسے عروج حاصل ہوا۔ تصوف کے تمام سلاسل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بواسطہ حضرت حسن بصری آگے کی طرف رواں ہوتے ہیں۔ صرف طریقہ نقشبندیہ حضرت ابوبکر کی طرف منسوب ہے۔ برصغیر کے چار اہم سلسلوں کا تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ قادریہ: یہ سلسلہ عبدالقادر شاہ جیلانی، متوفی ۵۶۱ھ کی طرف منسوب ہے۔ برصغیر میں اس کے اہم بزرگ حضرت سخی سرور متوفی ۱۵۷۷ء، ڈیرہ غازی خاں کے قریب مدفون ہیں۔

۲۔ چشتیہ: یہ سلسلہ ابواسحاق شریف الدین شامی چشتی متوفی ۳۲۹ کی طرف منسوب ہے۔ برصغیر میں اس سلسلہ کے اہم بزرگ خواجہ معین چشتی اجمیری متفوی ۶۳۳، بابا فرید الدین متوفی ۶۶۴ پاک پتن اور خواجہ نظام الدین اولیاء ولات ۶۳۶۔

۳۔ نقشبندیہ: خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبندی بخاری متوفی ۷۹۱ کی طرف منسوب ہے۔ برصغیر

Marfat.com

میں اس کے اہم بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴۔ آپ مجددیہ سلسلہ کے بانی ہیں۔

۴۔ سہروردیہ: شیخ شہاب الدین سہروردی متوفی ۶۳۲، برصغیر میں اسی سلسلہ کے اہم بزرگ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی متوفی ۶۶۱ ہیں۔

تصوف کی چند اہم کتب کا تعارف:

۱۔ کتاب اللمع: مؤلف ابوالنصر عبداللہ بن سراج طوسی، م ۳۷۸ھ۔

۲۔ حلیۃ الاولیاء: مؤلف ابونعیم بن عبداللہ اصفہانی، م ۴۳۰ھ۔

۳۔ رسالۃ قشیریہ: مصنف، ابوالقاسم عبدالکریم قشیری، م ۴۶۵ھ۔

۴۔ کشف المحجوب: مصنف حضرت علی ہجویری، م ۴۷۰ھ۔

۵۔ فتوح الغیب: مصنف شیخ عبدالقادر جیلانی۔

۶۔ عوارف المعارف: شیخ شہاب الدین سہروردی۔

۷۔ احیاء علوم الدین: امام غزالی، م ۵۰۵ھ۔

تصوف کے اغراض ومقاصد:

تصوف سے مراد تزکیہ نفس ہے۔ اس کے مقاصد وفوائد درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ دین کی روح یعنی اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت اور اس سے تعلق کو اس کے ذریعے ایک نئی جہت ملی۔

۲۔ اخلاقی رذیلہ یعنی جھوٹ، حسد اور تکبر کا علاج، اخلاق فاضلہ، صدق، عفو وغیرہ کی ترویج ہوئی۔

۳۔ انسانوں کی باہمی نفرت وعداوت کا خاتمہ کر کے، محبت واخوت کی تعلیم اور عالمی بھائی چارے کا درس دیا۔

۴۔ مادہ پرستی اور اقتدار پسندی کی ہوس سے نکال کر انسان کو خدا خوفی اور تقویٰ کے زیور سے آراستہ کیا۔ ظاہر پسندی اور ریاکاری کی بجائے، باطنی طہارت اور قلبی صفائی پر زور دیا۔

Marfat.com

۵۔ دنیوی تکالیف ومصائب پر اس تصوف نے صبر وحوصلہ کی تلقین بخشی اور انسان کو ذہنی و نفسیاتی سکون عطا کیا۔

۶۔ جو لوگ فقہاء کی منضبط اور بااصول زندگی سے بیزار اور فلسفہ کے گنجلک نظریات سے آزادی کے خواہاں تھے، وہ تصوف سے وابستہ ہوکر پرسکون ہوگئے۔ امام غزالی جیسے فلسفی کو بالآخر تصوف کے دامن میں پناہ ملی۔

دوسرا رخ:

تصوف کے محاسن وفوائد اپنی جگہ بجا، مگر کچھ لوگ تصوف پر اعتراضات اور اس کے عیوب بھی شمار کرتے ہیں۔

۱۔ دنیوی زندگی سے الگ تھلگ اور معاشرتی زندگی کے حقوق وفرائض سے منقطع ہوکر محض روحانی ارتقاء کو منزل مقصود بنانا، انبیاء علیہم السلام کی سنت کے خلاف ہے۔

۲۔ تصوف میں غیر اسلامی نظریات، یعنی یونانی، ہندی اور ایرانی افکار کی آمیزش سے اس کا حلیہ بدل گیا۔ مثلاً نظریہ وحدت الوجود، حلول، رہبانیت، کشف ومراقبہ، عالم امثال وغیرہ۔

۳۔ استناد سے غفلت برتی گئی۔ جس کی وجہ سے غیر معتبر احادیث، موضوع روایات اور بے سروپا کرامات تصوف کی کتب میں بڑی تعداد میں شامل ہوگئیں۔ شاید ہی کوئی کتاب ضعیف روایات سے خالی ہو۔ حتیٰ کہ بقول ابن خلدون ''حضرت حسن بصری کی ملاقات ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔''[1] اس طرح بنیاد ہی منہدم ہوجاتی ہے، کیونکہ حضرت حسن بصری تمام سلسلوں کے لئے مرکز ٹھہرتے ہیں، پھر یہی وجہ بنی کہ فقہاء ومتکلمین، تصوف کی ان کتب کو غیر مستند ہونے کی وجہ سے ماٰخذ نہیں بناتے۔

۴۔ تصوف میں مرشد سے اس قدر عقیدت ہے کہ اسے شارع کی حیثیت دے دی جاتی ہے۔ مثلاً خواجہ نظام الدین اولیاء کا قول ہے ''لوگوں نے ہمارے پیر شیخ فرید الدین کے سامنے سجدہ کیا ہے۔ انہوں نے لوگوں کو منع نہیں کیا۔ اپنے پیر کے مشرب کے موافق اب

Marfat.com

اگر میں مریدوں کو روکوں تو پیر کے فعل پر اعتراض ہوگا۔ اور یہ میرے لئے ممکن نہیں۔"[۲]
آپ کو ایک مرتبہ حج کا شوق پیدا ہوا۔ اپنے مرشد کے مزار کی زیارت کی اور مقصود حاصل ہو گیا، بلکہ زیادہ ہی حاصل ہوا۔[۳] اس سے بڑھ کر یہ واقعہ ہے کہ تاجروں کے گروہ پر دوران سفر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ جن لوگوں نے شیخ خرقانی کا نام لیا وہ محفوظ رہے اور جنہوں نے اللہ، رسول اور آیت کرسی کا ورد کیا وہ ہلاک ہو گئے۔[۴]

۵۔ تصوف میں بہر حال صبر، شکر اور توکل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تدبیر پسندی کی بجائے تقدیر پرستی کی تلقین ہے۔ بے عملی و بے حرکتی کے اس نظام نے کاہلی و سستی کو فروغ دیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر جمود اور تعطل پیدا ہوا اور امت مسلمہ تیزی سے زوال پذیر ہونے لگی۔

۶۔ تصوف کا بڑا حصہ شیعیت سے ماخوذ یا متاثر ہے۔ اس کے ذریعہ شیعہ نظریات، اہل سنت میں سرایت کر گئے۔ مثلاً رجال الغیب، یعنی غوث وقطب کا نظام، کائنات میں ارواح کا تصرف، حضرت علی کی برتری و مرکزی حیثیت اور پھر آپ کی شیخین پر فضیلت۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تشیع اور تصوف میں تخالف کے بجائے توافق کی جہات زیادہ ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ مقدمہ ابن خلدون، ۲:۲۷۲۔
۲۔ مراۃ الاسرار، ۱:۷۔
۳۔ فوائد الفواد، ۱۵۵۔
۴۔ مرأۃ الاسرار، ۹۸۔

Marfat.com

فقہ اور تصوف

دوسری طرف علوم اسلامیہ یعنی فقہ و کلام وغیرہ منظّم علوم تھے۔ جن میں قرآن و حدیث سے استدلال ہے، ان پر عمل کرنا ہر مسلمان پر لازم، حدیث و روایات کا استناد ضروری، اجتہاد کے اصول وضوابط اور کلیات و جزئیات کا مستند ذخیرہ، فقہاء اربعہ کا خصوصی درجہ و مقام۔ نیز یہاں مفتی کا فتویٰ اور قاضی کے دوٹوک فیصلے، سزا پر عمل درآمد، قانون کی گرفت اور حاکموں کی سزاؤں کا خوف تھا۔

اس اصولی اختلاف کی وجہ سے فقہ اور تصوف میں بعض اوقات ٹکراؤ اور تصادم ہوا۔ اس کی مشہور مثال حسین بن منصور حلاج کی شخصیت، انا الحق کا دعویٰ اور فریضہ حج سے انکار ہے۔ جس کی بنا پر شریعت کے حاملوں نے اسے تخت پر چڑھایا۔ مگر طریقت کے حامیوں نے اسے مجذوب قرار دے کر عقیدت کے تخت پر بٹھا دیا۔ کیونکہ تصوف میں خلاف اسلام اقوال کو شطحیات کا نام دے کر یا جذب وسکر کی مہر لگا کر اس معاملہ کو سرد خانہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ مگر معتقدین کی قلبی محبت قائم ودائم رہتی ہے۔ بلکہ اسے مظلومیت کا مقدس جامہ پہنا دیا جاتا ہے۔

اسی طرح شریعت میں کسی صوفی کے قلبی واردات اور ذاتی کیفیات کو حجت قرار نہیں دیا جاتا۔ مجدد الف ثانی کا فیصلہ ہے۔ حل وحرمت میں صوفیہ کا عمل حجت نہیں۔ بس یہی کافی ہے کہ ہم ان کو معذور جانیں اور ملامت نہ کریں۔ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔ یہاں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف ومحمد کا قول معتبر ہے۔ ابوبکر، شبلی اور ابوحسن نوری کا قول معتبر نہیں۔[1]

اس کی دوسری مثال شاہ ولی اللہ کے والد اور چچا کی ہے، جن پر تصوف کا گہرا رنگ تھا۔ بقول شاہ ولی اللہ ''ان دونوں کو الہام ہوا کہ نماز معاف ہوگئی۔[2] یعنی اسقاط شریعت کا حکم

Marfat.com

ہوا، گوانہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔"

اس کی تیسری مثال خود شاہ ولی اللہ دہلوی کے حوالے سے ہے، جو ایک طرف اسلام کے عظیم مفکر، اسرارِ شریعت کے واقف و کاشف تھے۔ تو دوسری طرف ان پر تصوف کی خاصی چھاپ تھی۔ یعنی ایک تو ان کا اپنا مزاج اور فطرت، دوسرے خاندانی و موروثی اثرات، پھر اس دور کے سیاسی و مذہبی تقاضے، یعنی برصغیر میں نادرشاہ کا حملہ، مغلیہ سلطنت کا سیاسی و عسکری زوال، دربار حکومت پر شیعہ عمائدین کا سلسلہ وغیرہ، ایسے اسباب تھے، جن کی وجہ سے آپ تضادات کا شکار ہوئے اور طبیعت میں الجھن پیدا ہوگئی۔ آپ کے بقول:

"بارگاہ نبوی سے جو میں نے استفادہ کیا، آخر امر یہ ہے کہ مجھے حضرت علی پر، حضرت ابوبکر و عمر کو فضیلت کا حکم دیا گیا۔ گو اس معاملے میں اگر میری طبیعت اور میرے رجحان کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو وہ دونوں حضرت علی کو فضیلت دیتے اور ان سے زیادہ محبت کرتے۔ لیکن یہ چیزیں میری طبیعت کی خواہش کے خلاف عبادت کی طرح مجھ پر عائد کی گئی، غرضیکہ میرے اندر ان تین متناقص چیزوں (ترک اسباب، فقہ کی پابندی، تفضیل شیخین) کا ہونا ایک عجیب بات ہے۔ کاش ایسا نہ ہوتا، لیکن میری ذات میں جو جامعیت کی شدت ہے، اس نے مجھے ان متناقضات میں ڈالا۔" [۳]

ختم خواجگاں:

یہ بھی صوفیا کے درمیان اختلافی معاملہ ہے شاہ ولی اللہ کے بقول ان کے والد فرماتے ہیں کہ "ہم شیخ عبدالاحد کے گھر گئے، وہ ختم خواجگاں پڑھ رہے تھے۔ مجھ سے بھی اس میں شرکت کی درخواست کی۔ میں نے کہا، ختم پڑھنا بیکار ہے کام نہیں ہوگا۔" [۴]

دوسری طرف حاجی امداد اللہ اس کی حمایت میں تشریح کرتے ہیں۔ مشکل مہم کے واسطے مخصوص وظائف کرنا اور پھر اللہ سے دعا مانگنا۔ [۵]

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات:

۱ مکتوبات،۱:۲۶۶۔

۲ فیوض الحرمین،۱۱۸۔

۳ ایضاً،۲۰۳۔

۴ انفاس العارفین،۹۰۔

۵ کلیات امداد،۶۵۔

Marfat.com

نفس اور مثالی اجسام

تصوف کی اصطلاحات میں سے ایک نفس ہے، جو جسم اور روح کے درمیان فاصل ہے۔ جسم ایک مادی وجود ہے، جبکہ روح غیر مادی ہے۔ اس لئے دونوں میں باہمی ربط قائم نہیں ہوتا۔ دوسری طرف نفس ایک لطیف اور غیر مادی وجود ہے، جس کا ربط دونوں سے ہوسکتا ہے۔

قرآن میں نفس کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں۔ (۱) نفس مطمئنہ، سورہ فجر (۲) نفس امارہ، سورہ یوسف (۳) نفس لوامہ، سورہ قیامہ۔

نفس لوامہ سے مراد ہے کہ کسی غلطی کے بعد برائی کا احساس، ندامت کا اظہار اور پھر توبہ کی توفیق اس جوہر لطیف کے ذریعہ ہوتی ہے، جو انسانی ذات میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ پھر چونکہ اس میں مادی وجود بھی ہے، اس لئے کبھی اس کا حسی ظہور بھی ہوتا ہے۔ تصوف کی زبان میں یوں کہئے کہ مراقبہ اور ارتکاز توجہ سے یا پیدائشی خصوصیت کی بناء پر بعض انسانوں کی قوت متخیلہ قوی ہوتی ہے۔ جس کی بدولت اس انسان پر ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں، جو عام انسانوں پر نہیں ہوتیں۔ بعض اوقات یہ کیفیات جسمانی شکل میں محسوس ہوتی ہیں۔ جسے مثالی جسم بھی کہہ سکتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا قصہ ہے۔

ایک مرتبہ کتے کے بارے میں برا خیال پیدا ہوا۔ اس وقت آپ سفر میں تھے اور آپ ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ گلی میں پانی کھڑا تھا اور سامنے سے کتا آرہا تھا۔ آپ اس خیال سے گلی میں خشکی کی جانب ہوگئے کہ کہیں کتے کی وجہ سے گندے پانی کے چھینٹے ان کے کپڑوں پر نہ پڑیں۔ اسی عرصہ میں کتا سامنے آگیا۔ اس نے السلام علیکم کہا، پھر ایک حدیث پڑھی اور کہا کہ گندے چھینٹے تو پانی سے صاف ہوجائیں گے مگر دل کی گندگی (کتے سے نفرت)

Marfat.com

سات سمندروں کے پانی سے بھی صاف نہ ہوگی۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی صفائی میں حجت بازی کی، بحث ہوئی۔ مگر کتے نے لاجواب کر دیا اور اگلے ہی لمحے کتا غائب ہوگیا۔ [1] ملخص۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا کتا السلام علیکم کہہ سکتا ہے، حدیث پڑھ سکتا ہے، اور شاہ ولی اللہ جیسی شخصیت کو لاجواب کرسکتا ہے؟ اس کی عقلی توجیہہ یہی ہوسکتی ہے کہ کتے سے نفرت کے موقعہ پر شاہ ولی اللہ کا نفس لوامہ بیدار ہوا۔ پھر وہ کتے کی شکل میں نمودار ہوا، آپ کو وعظ ونصیحت کی اور آپ کی ندامت کے بعد غائب ہوگیا، یعنی معاملہ ختم ہوگیا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ آپ کی قوتِ متخیلہ نے ندامت کے اشکوں سے حسی وجود حاصل کیا۔ اور پھر روحانی کیفیت سے مخلوط حسی وجود چند لمحوں میں ختم ہوگیا۔ (اسی پر قیاس کریں کہ نفس مطمئنہ، مرشد کی شکل میں ظاہر ہوجائے۔)

حواشی وحوالہ جات:

[1] انفاس العارفین، ۸۵ ملخص۔

Marfat.com

روح

قرآن میں لفظ روح متعدد مقامات پر مذکور ہے۔ اکثر مقامات پر اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ سورہ شوریٰ میں اس سے مراد قرآن اور بنی اسرائیل، آیت ۸۵ (روح میرے رب کا حکم ہے) سے وہ شعور یا غیر مرئی قوت مراد ہے، جس سے انسانی حیات وابستہ ہوتی ہے اور اس کی علیحدگی سے جسم پر موت طاری ہوجاتی ہے۔ وہ روح خود زندہ رہتی ہے۔ پھر نیک ارواح، علیین میں اور بد ارواح سجین میں بند کردی جاتی ہیں، گو روز قیامت وہ بھی فنا ہوجائیں گی۔ ۱

اس وقت بحث یہ ہے کہ کیا روحیں زمین پر آتی ہیں اور انہیں کسی تصرف کی اجازت ہے۔ بقول فاضل بریلی اذن للانبیاء ان یخرجوا من قبورھم و یتصرفوا فی ملکوت السموات والارض ۲ ''انبیاء علیہم السلام کو اجازت ہے کہ وہ قبور سے نکلیں۔ آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت میں تصرف کریں۔'' مولوی عبدالسمیع کا بیان ہے ''کچھ خصوصیت اس زمین کی نہیں بلکہ تمام عالموں میں حضرت محمد ﷺ مع ارواح صحابہ پھرتے ہیں۔'' ۳

خان بریلی کی دوسری عبارت ہے مرنے کے بعد روح کا ادراک بے شمار بڑھ جاتا ہے۔ خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ ۴

مفتی شفیع کا بیان ہے:

''جنات اور ارواح کا اس عالم میں آکر انسان یا غیر انسان پر کسی قسم کا تصرف کرنا نہ عقلاً محال ہے اور نہ شرعاً ممنوع۔ اور نہ کوئی دلیل عقلی یا نقلی ایسے تصرفات کی نفی پر موجود ہے۔ مگر ان کی حیثیت مشین کے کل پرزوں کی طرح بیان

Marfat.com

کی جاتی ہے۔ حکماء محققین، ارواح خبیثہ کے تصرفات کو تسلیم کرتے ہیں۔"

نیز آپ نے نبی اکرم ابوبکر وعمر کو خواب میں دیکھنے اور کفار کے لشکر کو شکست دینے کا حوالہ بھی دیا ہے۔۵

دوسرا نظریہ:

ارواح سے متعلق دوسرا خیال یہ ہے کہ قبور سے آتی ہیں کہ صدقہ کرو۔ اگرچہ روٹی کا ایک ٹکڑا ہو، نہ کریں تو افسوس سے لوٹتی ہیں۔۶ اس عبارت میں ارواح کو بھکاری کا روپ دیا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جمعرات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا گیا ہے۔"۷ بریلوی بزرگ عبدالسمیع کے بقول ارواح کی آمد کے بارے میں احادیث صحیح الاسناد نہیں۔ بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے۔۸

آپ کے اس بیان سے مندرجہ بالا روایات کی حیثیت کمزور ہو جاتی ہے۔

تیسرا موقف:

مخدوم (گیسو دراز) نے فرمایا، ایک شخص ایک وقت میں ایک مقام پر ہوتا ہے۔ دوسرے مقام پر اس کی جھلکیاں ہوتی ہیں۔ یہ عمل حروف کے خواص سے ہوتا ہے۔ جو محی الدین ابنِ عربی کو حاصل تھا، وہ خود ایک مقام پر ہوتے۔ پندرہ مقامات پر نہیں۔ بقیہ مقامات پر ان کی جھلکیاں ہوتیں۔۹ مثلاً حضرت مجدد کے مرید مختلف ملکوں میں ان کی جھلکیاں دیکھتے مگر خود مجدد کو ان کی خبر نہ ہوتی۔ یعنی یہ جھلکیاں مثالی وجود ہوتا ہے نہ کہ حقیقی وجود۔ (دیکھئے مکتوب، ۲/ ۵۸۔)

چوتھا موقف:

بقول مولوی غلام اللہ، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آدمی اپنے شیخ کو غائبانہ پکارتا ہے، تو شیطان، اس کے کلام کو انسانی آواز اور لہجے میں اس کے پیر کے کانوں میں ڈال دیتا

Marfat.com

ہے، جس سے اس کا پیر بھی دھوکا کھا جاتا ہے کہ اس نے اتنی مسافت سے اپنے مرید کی بات سن لی ہے اور جب پیر اس کی بات کا جواب دیتا ہے اور اس کی مصیبت ٹالنے کے لئے کوئی اشارہ کرتا ہے تو شیطان اس کے کلام کو اس کی آواز کی مماثل آواز میں مرید کے کانوں میں ڈال دیتا ہے، جس سے وہ سمجھ لیتا ہے کہ پیر و مرشد نے اس کی پکار سن کر اس کی مدد کی ہے۔ اس طرح دونوں پیر و مرشد گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔[10] آپ نے اس مؤقف کی حمایت میں ابن تیمیہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔

پھر اس مؤلف نے حضرت خضر، حضرت جیلانی اور حضرت الیاس کی حاضری کو اسی قسم میں شمار کیا ہے۔ اس جگہ فقہاء کا ایک مشہور فتویٰ بھی قابل ذکر ہے۔

من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم کفر۔[11] ''جس نے کہا بزرگوں کی ارواح حاضر ہیں، جانتی ہیں، وہ کافر ہو جائے گا۔''

یہ چاروں مؤقف قارئین کے سامنے ہیں، اس پر غور و فکر یا تحقیق خود کر سکتے ہیں۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ روح ایک بین الاقوامی تصور ہے۔ ہر مذہب نے اپنے انداز میں اس کی تشریح کی۔ آگے چلیں تو ہندومت اور کنفیوشس یعنی چینی مذہب میں ارواح پرستی ہوتی ہے۔ ہندومت میں اللہ کو روح الارواح بھی کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات ملائکہ اور ارواح کو مماثل کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے ان نظریات میں زیادہ الجھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ سلجھنے کی صورت نظر نہیں آتی، بس قرآنی ارشاد پر اکتفا کریں، کہ روح میرے رب کا حکم ہے۔ ارواح کی آمد ممکن ہے، مگر وقوع یقینی نہیں۔ اس کے لئے قطعی دلیل کی ضرورت ہے۔

تجزیہ:

۱۔ مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ خان بریلوی کا مؤقف ارواح کے بارے میں زیادہ سخت ہے، جبکہ مفتی محمد شفیع کا مؤقف صرف عدم انکار کی حد تک ہے۔

۲۔ عبارتوں کے پہلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح بااختیار اور صاحب تصرف ہیں،

Marfat.com

جبکہ دوسرے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل بے بس یعنی بھکاری ہیں۔

۳۔ یہ عبارات متأخرین اور تصوف طرز کی کتب سے منقول ہیں۔ جن میں ضعیف، موضوع روایات بکثرت موجود ہیں۔ علامہ سیوطی کا شمار متساہل علماء میں ہوتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے متعلق خود خان بریلی کا بیان ہے کہ انہوں نے احادیث کے طبقہ رابعہ بلکہ ان سے بھی اتر کر استدلال کیا ہے۔ ۱۲

۴۔ ارواح کی یہ بحث اور نظریات، قرآن، حدیث یا ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں۔ امام رازی کا قول ہے ''یہ نظریہ کہ مرنے کے بعد روح کائنات میں گھومتی رہتی ہے، تصوف کے ذریعہ اسلام میں داخل ہوا۔'' ۱۳

آلوسی کا بیان ہے ''کائنات میں تصرف کا اختیار صرف ملائکہ کو حاصل ہے اور بقول ابن عطیہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔'' ۱۴

آپ کا دوسرا بیان ہے ''اس جہان سفلی کے تمام احوال ملائکہ کی تدبیر کے سپرد ہیں۔ ۱۵

پھر چونکہ روح کی بحث، تصوف کی کتب سے ماخوذ ہے، لہٰذا اس کی مزید وضاحت بھی انہی کی کتب سے کی جاتی ہے، کہ بیداری میں نبی اکرم کی زیارت کس طرح ہوتی ہے۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ان کو دیکھنا ایک مثالی شکل ہے جو کبھی نیند میں ہوتا ہے اور کبھی بیداری میں، جبکہ نبی اکرم ﷺ مدینہ میں آرام فرما ہیں۔ ۱۶

شاہ ولی اللہ اپنا روحانی مشاہدہ لکھتے ہیں ''میں ایک دن عصر کی نماز کے بعد (روضہ نبی کے سامنے) اللہ کی طرف یکسو ہو کر بیٹھا ہوا تھا کہ نبی اکرم کی روح ظاہر ہوئی۔ اس نے مجھے اوپر کی جانب سے کسی چیز سے ڈھانپ لیا۔ میرے خیال میں وہ کپڑا تھا جو مجھ پر اوپر سے ڈال دیا گیا اور اپنے اسرار سے آگاہ کیا۔'' ۱۷

پھر لکھتے ہیں۔ میری توجہ آپ کی روحانیت کی طرف تھی نہ کہ جسمانیت کی طرف۔ یہی وہ حقیقت ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو دوسروں کی طرح موت نہیں آتی۔ وہ قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، انہیں وہاں زندگی ملتی ہے۔ اس طرح

Marfat.com

آنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ ۱۸؎

یادرہے کہ کائنات میں ارواح کا تصرف بنیادی طور پر ہندی اور چینی مذہب کا عقیدہ ہے۔ وہاں ارواح اور ملائکہ دونوں ہستیاں یکساں اور ملتی جلتی ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

۱؎ تذکرۃ الاولیاء،۳۷۱۔
۲؎ فتاویٰ رضویہ،۱۴:۶۸۵۔
۳؎ انوار ساطعہ،۱۸۱۔
۴؎ ملفوظات،۱:۱۴۰۔
۵؎ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند،۲:۱۲۴۔
۶؎ فتاویٰ رضویہ،۱۴:۲۹۴۔
۷؎ ایضاً،۱۴:۶۹۳۔
۸؎ انوار ساطعہ،۱۰۰۔
۹؎ جوامع الکلم،۵۲۶۔
۱۰؎ جواہر القرآن،۳:۱۰۷۸،حم السجدہ۔
۱۱؎ البحر الرائق،۵:۱۲۳۔
۱۲؎ فتاویٰ رضویہ،۵:۵۴۱۔
۱۳؎ تفسیر کبیر، بنی اسرائیل:۸۵۔
۱۴؎ روح المعانی، بنی اسرائیل:۸۵۔
۱۵؎ ایضاً۔
۱۶؎ براہین قاطعہ،۲۰۸۔
۱۷؎ فیوض الحرمین، مشاہدہ۹-۱۰۔
۱۸؎ ایضاً۔

Marfat.com

رجال الغیب (غوث وقطب)

بحث یہ ہے کہ کیا کائنات کی تدبیر کے لئے غوث وقطب کا کوئی نظام ہے۔ ''صوفیہ کے اعتقاد کے مطابق زمین پر اللہ کے نیک بندوں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے، جو نظام عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔ انہیں کے توسط سے زندگی رواں ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ انہی نیک انسانوں کی مرضی کے تابع ہے۔ انہی کی وجہ سے دنیا قائم ہے۔ انہیں کے طفیل بارش ہوتی ہے۔ بعض خوش عقیدہ صوفیہ کے مطابق موت وحیات کا پورا نظام انہیں درویشوں کے اختیار میں ہے۔''[1]

خان بریلوی بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں۔ ان کے بقول ''قطبیت، غوث، ابدالیت وغیرہا، یہ تمام مراتب حضرت علی کے زمانہ با کرامت سے دنیا کے اختتام تک بواسطہ علی حاصل ہوتے ہیں اور ان حضرات کو بادشاہوں کی سلطنتوں اور امراء کی امارت میں اہم دخل ہوتا ہے، جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔''[2] خان بریلوی کی دوسری عبارت ہے ''تمام امت مریدوں کی طرح حضرت علی اور ان کی اولاد کو مرشد مانتی ہے اور تکوینی امور کو ان سے وابستہ مانتی ہے۔ نذر و نیاز ان کے نام پر رائج اور معمول ہے۔''[3] آپ کی یہ عقیدت ان الفاظ سے واضح ہے، **نادِ علیا مظهر العجائب، تجده عونا لک فی النوائب**۔[4] ''علی کو پکار جو عجائب کا مظہر ہے، تو مصائب میں معاون پائے گا۔ اے علی تیری ولایت سے تمام غم اور مشکلات ختم ہو جائیں گے۔

دوسرا نظریہ:

علامہ ابن خلدون نے اس نظام کی تردید کی اور اسے روافض کا عقیدہ قرار دیا۔ آپ کے بقول ''صوفیا کی تحریروں میں لفظ قطب بھی آئے گا..... پھر رافضی، قطب کے بعد ابدال کے

Marfat.com

وجود کی ترتیب کے قائل ہیں۔ جیسے شیعہ، نقباء کے قائل ہیں۔ یہ اپنے طریقہ کو مستند بنانے کے لئے خرقہ تصوف کو حضرت علی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ بھی شیعہ کی نقل ہے۔ اس فرقہ (صوفیہ) نے امام مہدی کے بارے میں بہت لکھا ہے۔ یہ عقیدہ شیدہ رافضہ سے لیا ہے۔ ۵

حضرت عبدالقادر شاہ جیلانی کا بھی یہی عقیدہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے بقول المفوضة فهم القائلون ان الله فوض تدبير الخلق الى الائمه۔ ۶ ''رافضہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تدبیر کا معاملہ ائمہ کے سپرد کیا ہے۔'' عالم کی تخلیق اور تدبیر نبی اکرم علیہ السلام کے سپرد کی ہے۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے انداز میں یہ بحث کی ہے۔ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ سارے جہاں کا مدبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو مخصوص علاقوں میں تصرف کا اختیار دیتا ہے۔ یہود و نصاریٰ و مشرکین حتیٰ کہ دین محمدی کے کچھ غالی منافقوں کا بھی آج یہی عقیدہ ہے۔ جیسے بادشاہ اپنے کسی نمائندہ کو ایک علاقے کا گورنر بنا کر وہاں کے معاملات کی تدبیر اس کے سپرد کردے۔ لوگوں نے ان ہستیوں کو ذیلی خدا ٹھہرایا۔ پھر اگلی نسل نے انہیں خدا مان لیا۔ ملخص۔ ۷

ملا علی قاری کا نظریہ اس بارے میں دوٹوک ہے۔ آپ کے بقول ''ابدال، اقطاب، اغواث، نجباء، نقباء کے بارے جو احادیث ہیں وہ سب باطل ہیں۔'' ۸

تیسرا نظریہ:

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے ان کے درمیان ہے۔ ''غوث کا مسکن مکہ مکرمہ ہے۔ ابدال و اخیار کی دعائیں اگر قبول ہوجائیں تو بہتر ورنہ غوث عاجزی کرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں اور سوال پورا ہونے سے قبل غوث کی دعا قبول ہوتی ہے۔'' ۹

یہ رائے اپنی جگہ اگرچہ معتدل ہے، مگر عقل پسندی کے موجودہ دور میں دوسری رائے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ گزشتہ دو صدیوں سے مسلمان انتہائی تنزل کا شکار ہیں۔ اگر قطب و غوث صاحب اختیار و صاحب تصرف ہیں، تو عالم اسلام کی زبوں حالی پر وہ کیا کر رہے ہیں۔ نہ

Marfat.com

ان کی تدبیر چل رہی ہے نہ دعا قبول ہورہی ہے۔

تطبیق:

اہل تصوف خلافت کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ خلافتِ کبریٰ، یعنی دعوت وارشاد۔ خلافت صغریٰ یعنی حکومت وسیاست اگر غوث وقطب کے نظام سے خلافت کبریٰ مراد لیں تو اس کا اطلاق اہل بیت پر کرنا درست ہے۔ کیونکہ پہلی تین صدیوں میں ائمہ اہل بیت نے تزکیہ نفس کی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے سرانجام دیا، اگر اس سے خلافت صغریٰ یعنی تکوینی امور مراد لیے جائیں تو پھر دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔

تدبیر کائنات کا نظام ملائکہ کے سپرد ہے۔ امام رازی کی تفسیر ہے **کل حالٍ من احوال العالم السفلی مفوض الیٰ تدبیر و احد من الملائکة** ۔[10] ''عالم سفلی کے تمام احول صرف ملائکہ کی تدبیر کے سپرد ہیں۔ علامہ آلوسی نے ابن عطیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ملائکہ ہی مراد ہیں۔[11]

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگر تکوینی امور یعنی خلافت صغریٰ حضرت علی اور اہل بیت کے سپرد رہی تو تاریخی حالات اس کی تردید اور نفی کیوں کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی سیاسی حکومت میں بے بس رہے۔ بوقتِ انعقاد خلافت آپ تمام عالم اسلامی کے خلیفہ اور حکمران تھے۔ مگر بوقتِ وفات آپ کی حکومت صرف کوفہ کے نواح تک محدود ہوچکی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد یہ حکومت بھی ختم ہوگئی۔ حضرت علی کی حکومت کا دور خانہ جنگی میں گزرا۔ پھر حضرت حسین کو بے دردی سے شہید کردیا گیا۔ ان کے بعد خلیفہ ہشام نے حضرات امام زید کو ۱۲۲ھ میں شہید کردیا۔ ان کی لاش برسوں سولی پر رہی۔ خلیفہ ہشام کی وفات کے بعد یہ نعش اتاری اور کپڑے گل گئے تھے۔[12]

پھر خلیفہ منصور نے امام نفس زکیہ اور امام ابراہیم کو ۱۲۵ھ میں شہید کردیا۔ اگر حضرت علی اور ان کی اولاد کو بادشاہوں کی سلطنتوں میں اہم مقام حاصل تھا تو اس مقام کا کیا فائدہ؟ کہ

Marfat.com

حضرت علی اور آپ کی اولاد بے بس اور مجبور رہی۔ ان تاریخی بیانات سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ حضرت علی کے بارے میں یہ فضائل وکمالات محض من گھڑت ہیں۔ خود فاضل بریلوی کا بیان ہے کہ روافض نے حضرت علی اور اہل بیت کے فضائل میں تین لاکھ احادیث وضع کیں۔ ۱۳

غالباً غوث وقطب اور خلافت کی یہ اصطلاح قصداً مبہم رکھی گئی تا کہ ضرورت کے وقت من پسند مفہوم مراد لیا جائے۔ اور حضرت علیؓ کی فضیلت بہر سو نکالی جاسکے۔ ورنہ حضرت عمرؓ کی شخصیت تاریخ میں ایسی بے مثال ہے کہ اسلامی خدمات، فتوحات، عدل وانصاف، رفاہ عامہ، امن وخوشحالی، حکومتی وقار، آپ کی سیاسی بصیرت، دلیری وجرأت، حالات پر مکمل گرفت اور ذاتی رعب میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں۔ پھر آپ جھوٹے فضائل سے محفوظ اور نبی کے پہلو میں مدفون ہیں۔

دوسرا رخ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایران پر لشکر کشی کی اور ہزاروں سالہ ایرانی عظمت کا خاتمہ کیا۔ جبکہ حضرت علیؓ نے ان جنگوں میں حصہ نہ لیا۔ اس لئے حضرت علیؓ، شیعہ میں مقبول اور حضرت عمرؓ معتوب ٹھہرے۔ اس طرح حضرت عمرؓ کے حقیقی کارنامے، حضرت علیؓ کے فرضی فضائل میں اوجھل کرنے کی کوشش کافی حد تک کامیاب ہوگئی۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ مطالعہ تصوف، ۴۵۱۔ ۲ فتاویٰ رضویہ، ۱۵:۲۲۴۔

۳ ایضاً، ۲۱۶۔ ۴ ایضاً، ۲۱۷۔

۵ مقدمہ ابن خلدون، ۲:۳۷۲۔ ۶ غنیّۃ الطالبین، ۱۷۰۔

۷ حجۃ اللہ البالغہ، باب التوحید والشرک۔

۸ الموضوعات الکبیر، ۱۱۸، از مطالعہ تصوف، ص ۴۷۴۔

۹ مدارج النبوۃ، ۲۸۱۔ ۱۰ تفسیر کبیر، النازعات:۵۔

۱۱ تفسیر روح المعانی، النازعات:۵۔

۱۲ فتاویٰ رضویہ، ۵:۴۱۰۔ ۱۳ فتاویٰ رضویہ، ۵:۴۶۱۔

Marfat.com

عالم غیب

تصوف میں غیب کی اخبار حاصل ہونا ایک مسلمہ نظریہ ہے۔ بلکہ اس شخص کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں، روحانی ارتقاء سے خبریں معلوم ہوجاتی ہیں۔اس کے دوطریقے ہیں۔خواب اور وظیفہ۔اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ تصوف میں ایک عالم مثال فرض کیا گیا ہے۔یعنی یہ دنیا عالم شہود ہے۔اس کے بعد عالم آخرت ہے۔اس عالم شہود کے علاوہ ایک عالم مثال ہے، جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔اس عالم شہود میں جو کچھ ہورہا ہے یا قیامت تک ہوگا وہ سب کچھ اس عالم مثال میں موجود ہے۔یعنی ہمارا ''مستقبل''، عالم مثال میں ''زمانہ حال'' ہے۔عام شخص نیند یعنی خواب میں اس عالم مثال سے کوئی جھلک دیکھ لیتا ہے۔جیسے سورہ یوسف میں دوقیدیوں کے سچے خواب دیکھنے کا قصہ اور بادشاہ کا قصہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بعض افراد کی روحانی صلاحیت قوی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے عالم مثال اس پر کھل جاتا ہے۔کبھی چلہ کشی یعنی وظائف کی بدولت یہ مقام حاصل ہوجاتا ہے اور مستقبل کی خبر معلوم ہوجاتی ہے۔دیوبندی بزرگ حاجی امداد اللہ نے اپنی کتاب ہفت اقطاب میں ایسے وظائف کا ذکر کیا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی سائل یا ضرورت مند کسی روحانی شخصیت کے پاس گیا۔ اس بزرگ نے عالم مثال میں اس کی ناکامی دیکھ لی، تو اسے مایوس کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کرلی۔کیونکہ یہی بہتر طریقہ ہے۔پھر کوئی دوسرا ضرورت مند آیا، اس کی کامرانی دیکھ لی تو اسے خوش خبری دے کر مطمئن کردیا۔

اب یہ سائل خیال کرتا ہے کہ اس بزرگ نے اپنے روحانی تصرف سے اس کی مشکل

Marfat.com

حل کی ہے اور وہ متصرف فی الامور ہے، جبکہ حقیقت میں اس نے صرف اطلاع دی تھی۔ یعنی پہلے سے طے شدہ فیصلہ یا تقدیر سے آگاہ کیا تھا۔ خود کوئی تصرف نہیں کیا، مگر اس خبر کے صحیح وقوع پر سائل کے دل میں اس بزرگ شخص سے عقیدت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ بلکہ وہ اسے مشکل کشا تصور کرنے لگتا ہے۔

مگر یہ خبریں نہ تو ہمیشہ درست ہوتی ہیں اور نہ ہی قطعی۔ صرف انبیاء علیہم السلام کی اخبار قطعی ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد وحی ہوتی ہے، جبکہ دوسروں کی اخبار میں شیطان گڑبڑ کر سکتا ہے۔ قوت وہمیہ کا اثر بھی ہوسکتا ہے۔

عالم مثال کھولنے کا طریقہ:

بقول شیخ اکبر ابن عربی ''بعض دفعہ خیال یا مثال قوی ہوکر عالم شہادت میں محسوس ہوتا ہے اور کئی دفعہ دوسروں کو بھی نظر آنے لگتا ہے۔ جمعِ ہمت، قوت ارادی، ایک نکتہ نظر پر خیال جمانا ارواح کی طرف توجہ، ظاہری و باطنی طہارت، کثرت اوراد، طروق وحواس کو بلند کرنا، استاذ یا شیخ کا توجہ کرنا وغیرہ، عالم مثال کھولنے میں مدد کرتے ہیں اور جن کی قوت متخیلہ قوی ہوتی ہے، ان پر عالم مثال خوب کھلتا ہے۔'' [1]

حواشی وحوالہ جات:

[1] فصوص الحکم، ۱۰۳، کلمہ اسحاقیہ۔

Marfat.com

فصل ہشتم: اغلاط واصلاح

خطائے بزرگاں

''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است۔'' یعنی بزرگوں کی خطائیں پکڑنا غلط ہے۔ دورِ ماضی کا ایک مقبول ومستند محاورہ تھا، مگر علم وآگہی کے اس دور میں یہ محاورہ کوئی معنوی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ یونانی فلاسفہ سے لے کر موجودہ دور کے مفکرین تک کے نظریات میں سے کئی نظریات غلط ثابت ہو چکے ہیں۔

اس عنوان کا مقصد کسی عالم و بزرگ کی تحقیر وتنقیص نہیں، بلکہ اس کا مقصد اغلاط کی اصلاح اور قدامت پسندی پر مبنی اس عقیدت کا ازالہ ہے کہ ان کا مقتدیٰ و پیشوا معصوم اور اغلاط سے محفوظ ہے۔ لہٰذا اس کے کسی قول پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ پھر اس کی بناء پر فرسودہ خیالات بھی تقدس کا جامہ پہن لیتے ہیں۔ اسلام نے حریتِ فکری کی تلقین اور غور وفکر کی دعوت دی۔ اندھی تقلید کی ممانعت کی۔ اس کا عملی ثبوت ان متعدد واقعات سے سامنے آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے مشورے پر اپنا سابقہ فیصلہ تبدیل کرلیا۔

حضرت عمر نے عورتوں کے زیادہ مہر مقرر کرنے کی ممانعت کی، پھر ایک خاتون نے قرآنی آیت کی طرف متوجہ کیا، تو آپ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ فقہ حنفی میں صاحبین نے جگہ جگہ اپنے استاذ ابوحنیفہ سے اختلاف کیا۔ تیسری صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہونے اور مسلمانوں کا تنزل شروع ہونے سے تقلید کی گرفت شدید ہوگئی اور بزرگوں سے اختلاف، گستاخی تصور ہونے لگا، مگر اب حالات بدل چکے ہیں اور روشن خیالی کے اس دور میں علماء بھی تسلیم کرتے ہیں ''علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی، خطا یا تقصیر ہوسکتی ہے۔'' [1] چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ''طوفانِ نوح ساری زمین پر تھا۔''، ''حضرت سلیمان، ذوالقرنین، نمرود اور شداد روئے

Marfat.com

ارض کے حکمران تھے۔''، ''حضرت حواء نے ممنوعہ درخت (کا پھل) کھانے پر حضرت آدم کو ورغلایا۔'' یہ سب توراۃ کے بیان تھے، سابقہ مسلم مفسرین میں سے بعض نے ان روایات کو قرآنی تفسیر میں شامل کر دیا۔ حالانکہ یہ بیانات حقائق کے خلاف ہیں۔

شاہ عبدالعزیز پر گرفت کرتے ہوئے خان بریلی کا قول ہے۔ ''نہ ایک ان کا فتویٰ بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں، جس میں سے کچھ متروک نہ ہو۔''[۲] (غالباً اسی وجہ سے اغلاط کی اصلاح کا عمل متعدد کتب میں نظر آتا ہے، مثلاً تقویۃ الایمان، خان بریلی کی ملفوظات، جن کے قدیم وجدید ایڈیشنوں کی عبارتوں میں فرق ہے۔)

اگر یہ غلطی تاریخ، جغرافیہ اور فلکیات جیسے مضامین میں ہو تو قابل فہم ہے۔ کیونکہ دینی علماء ان مضامین کے ماہر نہیں ہوتے، مگر جب یہ غلطی قرآن کے بارے میں ہو تو حیرانی ہوتی ہے۔ ذیل میں چند نمونے دیکھیں۔

۱۔ مشہور ہے کہ قرآن میں نماز کا ذکر ۷۰۰ مرتبہ آیا ہے۔ اس کی نسبت علامہ سیوطی کی طرف جاتی ہے۔

تصحیح: قرآن میں نماز کا ذکر صراحتاً واشارتاً ۱۶۸ مرتبہ آیا ہے۔[۳]

۲۔ بقول شاہ ولی اللہ ''ضروری نہیں کہ دو ٹکڑے حقیقی چاند کے ہوئے ہوں۔ ہوسکتا ہے یہ واقعہ دھویں کی طرح ہو یا ستارہ گرنے کا۔''[۴]

تصحیح: شق قمر، قرآن وحدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔ علماء نے شاہ ولی اللہ کے اس قول پر اعتراض کیا ہے۔

۳۔ خان بریلی کا قول ہے ''رسول کوئی شہید نہیں ہوا یقتلون النبیین فرمایا نہ کہ یقتلون الرسل۔''[۵]

تصحیح: رسولوں کا قتل قرآن کی تین آیات میں مذکور ہے، بقرہ: ۸۷، آل عمران: ۱۸۲، المائدہ: ۷۰۔

۴۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے حسین بن منصور حلاج کو امام ابو یوسف کا ہم عصر ٹھہرا دیا۔[۶]

تصحیح: ان دونوں شخصیتوں کے درمیان تقریباً ۵۰ سال کا وقفہ ہے۔ لہٰذا ہم عصر نہیں ہوسکتے۔

Marfat.com

۵۔ خان بریلوی کا قول ہے ''ہارون الرشید نے قسطنطنیہ فتح کر کے عیسائی بادشاہ کو گرفتار کر لیا۔'' ۷

تصحیح: اس شہر کو سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ میں فتح کیا۔ ان دونوں بادشاہوں میں ۷۰۰ سال کا وقفہ ہے۔

۶۔ مولوی شبیر احمد عثمانی نے ذوالقرنین کا مصداق یونانی سکندر کو ٹھہرایا۔ ۸

تصحیح: یونانی سکندر مشرک تھا، جبکہ ذوالقرنین موحد تھا۔ اس سے مراد ایرانی بادشاہ خورس یعنی سائرس دوم ہے۔

۷۔ مفتی احمد یار کا قول ہے ''زمین گائے کے سینگ پر کھڑی ہے۔'' ۹

تصحیح: یہ ہندوانہ فرسودہ نظریہ ہے جو جدید سائنس، عقل اور مسلّمات کے خلاف ہے۔

۸۔ مفتی محمود حسن گنگوہی کا قول ہے ''آسمان کی لمبی سفیدی کا نام کہکشاں ہے۔ قیامت کو آسمان اس جگہ سے پھٹے گا۔'' ۱۰

تصحیح: یہ لمبی سفیدی روشنیوں کا مجموعہ ہے، نہ کہ پھٹن، یہاں سے آسمان پھٹنے کی کوئی دلیل نہیں۔

۹۔ خان بریلوی کے بقول ''ہمارے نزدیک نہ زمین متحرک نہ آسمان۔'' ۱۱ بقول مفتی احمد یار ''انہیں متحرک کہنا بکواس ہے۔'' ۱۲

تصحیح: زمین وآسمان کی حرکت مسلمہ ہے۔ قرآن میں کہیں بھی زمین کی بے حرکتی کا ذکر نہیں۔

۱۰۔ مفتی احمد یار کا قول ہے ''دنیا میں پہلا فساد عورت کی وجہ سے ہوا، عورت فتنہ کی جڑ ہے۔ جھگڑے کی بنیاد تین چیزیں ہیں، زن، زر، زمین۔ ۱۳

تصحیح: یہ غیر اسلامی نظریات ہیں۔ قرآن نے عورت کو سکون ومحبت اور رحمت قرار دیا ہے۔ دیکھئے سورہ روم: ۲۱۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات:

۱ تفسیر عثمانی، النحل:۱۶۔

۲ فتاویٰ رضویہ، ۲۰:۲۹۶۔

۳ رسالہ منہاج، دسمبر ۱۹۹۹، دیال سنگھ لائبریری، لاہور۔

۴ ارمغان شاہ ولی اللہ، ۴۳۶۔

۵ ملفوظات، ۴:۱۲۷۔

۶ ازفتاویٰ رضویہ، ۲۹:۵۱۶۔

۷ ملفوظات، ۱:۱۱۲۔

۸ تفسیر عثمانی، الکہف:۸۳۔

۹ تفسیر نعیمی، البقرہ:۶۷۔

۱۰ فتاویٰ محمودیہ، ۱:۱۱۰۔

۱۱ فتاویٰ رضویہ، ۳۰:۱۱۳۔

۱۲ تفسیر نور العرفان، الانبیاء:۳۳۔

۱۳ تفسیر نور العرفان، المائدہ:۵۔

Marfat.com

انسداد تکفیر کے اصول

تمام اسلامی شعائر بالخصوص انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم وتوقیر، مذہب اسلام کا اہم جزو ہے، اس بارے میں قرآن وحدیث کی واضح نصوص اور فقہا کے بیان کردہ واضح اصول ہیں۔اس تعظیم کے منکر کو گستاخ کہا جاتا ہے۔اس کی سزا میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے ہاں ایسا شخص کافر ہے۔امام مالک اور امام احمد کے ہاں یہ شخص واجب القتل ہے۔ پھر ایسے شخص کی توبہ قبول ہونے میں بھی اختلاف ہے۔احناف کے ہاں ایسا شخص مقبول التوبہ ہے۔مزید تفصیل کے لئے فقہ کی کتب ملاحظہ کریں۔

کوئی مسلمان دیدہ دانستہ توہین کا تصور نہیں کرسکتا، البتہ لاشعوری طور پر سہواً کوئی کلمہ صادر ہوسکتا ہے۔محاورہ ہے ''تیز رو گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے اور ہر عالم کے لئے لغزش ہے۔

تکفیر سخت سزا ہے اور قتل اس سے بھی سخت ہے۔ان نازک اور پیچیدہ مسائل کو علماء نے احکام المرتدین کے باب میں ذکر کیا ہے۔مثلاً البحر الرقائق، فتاویٰ ہندیہ، شامی وغیرہ نے ان احکام کو خاصی تفصیل سے کلیات وجزئیات کی شکل میں بیان کیا۔

مسلم قوم اپنے شعائر کے بارے میں کافی حساس و بیدار ہے۔اس بناء پر تکفیر و ارتداد کے یہ مسائل عموماً پڑھنے سننے میں آتے ہیں۔اس لئے انہیں اس جگہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔اس کا دوسرا رخ یعنی تکفیر میں احتیاط کی بحث بھی اگرچہ مختلف کتب میں موجود ہے، مگر اس کا عمومی تذکرہ نہیں کیا جاتا اور نہ ہی تفصیل کے ساتھ ایک جگہ موجود ہے۔اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس بحث کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے۔یہ ایک علمی خدمت ہوگی۔نیز عالمی حالات بالخصوص پاکستان میں فرقہ واریت اور شدت پسندی کے خلاف وقت کا تقاضا بھی۔

Marfat.com

اصول:

۱۔ تکفیر لازمی فریضہ نہیں:

غلطی وخطا پر پہلا حکم تفہیم اور پھر تردید کا ہے۔ کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو شرعی حکم ہے مگر تکفیر علی المنکر، شریعت کا حکم نہیں۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں **فی لعن الاشخاص خطر فلیجتنب ولا خطر فی السکوت عن لعن ابلیس فضلاً عن غیرہ**۔ ''افراد پر لعنت کرنے میں خطرہ ہے لہٰذا اس سے بچے، ابلیس پر لعنت سے خموشی میں خطرہ نہیں تو کسی اور پر خموشی کرنے سے خطرہ کیسے ہوسکتا ہے۔''

مجدد الف ثانی کا قول ہے ''اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہو، جس کا ظاہر علوم شرعیہ سے مطابقت نہیں رکھتا تو تھوڑی سی توجہ کے ساتھ اس کو ظاہر سے پھیر دینا چاہئے اور ایک مسلمان کو متہم نہ کرنا چاہئے۔ جب شریعت میں فاحشہ کا رسوا کرنا اور فاسق کا خوار کرنا حرام ومنکر ہے تو پھر صرف اشتباہ ہی سے ایک مسلمان کو خوار کرنا کیا مناسب ہے۔ اور شہر شہر اس کی منادی کرنا کونسی دین داری ہے۔ مسلمانی اور مہربانی کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسہ کلمہ صادر ہو جو بظاہر علوم شریعہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہئے کہ اس کا کہنے والا کون ہے۔ اگر ملحد وزندیق ہے تو اس کا رد کرنا چاہئے اور اس کی اصلاح میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے اور اگر اس کا قائل مسلمان ہو، خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس کی اصلاح میں کوشش کرنی چاہئے۔ اس قول کے واسطے صحیح محمل پیدا کرنا چاہئے۔ نرمی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنی چاہئے۔[۲]

۲۔ سبقت لسانی پر تکفیر نہیں:

اگر غلطی سے کوئی کلمہ کفر زبان سے نکل جائے تو اس کا قائل گنہگار بھی نہیں۔ کافر ہونا بہت دور کی بات ہے۔ جیسا کہ البحر الرائق وغیرہ نے لکھا۔ جس نے کفر کا حکم کیا، محض غلطی کی۔[۳] اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ ''اگر فرط مسرت سے یہ الفاظ نکل گئے **اَللّٰھُمَّ اَنْتَ**

Marfat.com

عَبْدِی و اَنَا رَبُّکَ ۔۴ ''اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں'' تو اس سے خطا ہوئی۔ اسی مفہوم کو پیر کرم شاہ نہیں اس طرح لکھا ''اگر دانستہ بدنیتی سے حضور اکرم علیہ السلام کی خداداد شان کا انکار کیا تو گمراہ ہوگیا۔۵ یعنی دانستہ اور بدنیتی کی شرط بھی ہے، اور پھر بھی تکفیر نہیں کی، صرف گمراہ کہا۔

۲۔ اعتقاد ہونا:

اگر کسی شخص نے کلمہ کفر کہا، مگر کفر کا عقیدہ نہیں اپنایا، ہمارے بعض اصحاب کے خیال میں وہ کافر نہیں ہوا، کیونکہ کفر کا تعلق ضمیر سے ہے اور ضمیر نے کفر کا عقیدہ نہیں اپنایا۔ بعض کے قول میں وہ کافر ہوجائے گا۔ میرے نزدیک یہی صحیح ہے، کیونکہ اس نے دین کو معمولی سمجھا۔۶

معلوم ہوا کہ ایسے شخص کی تکفیر میں اختلاف ہے۔ مگر اختلاف کے وقت فائدہ ملزم کو پہنچتا ہے، جیسا کہ خود ابن نجیم نے بحث کے آخر میں وضاحت کی۔

البتہ یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آیت ہے ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون ۔اس سے معلوم ہوا کہ عدم شعور اور عدم اعتقاد کی حالت میں بھی اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ قرطبی کی طرف سے جواب ہے، ''اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کافر ہوجائے اور اسے پتہ بھی نہ ہو، کیونکہ جس طرح کافر شخص کے ایمان اختیار کرنے سے وہ مؤمن بنتا ہے۔ اسی طرح مومن، قصداً کفر کو اختیار کرے گا تو کافر ہوگا۔۷

حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ کا واقعہ ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر نبی اکرم علیہ السلام کی فوج کشی کا راز افشاء کیا۔ مگر اس کے باوجود تکفیر نہیں کی۔ حالانکہ ملک وقوم اور نبی کی جاسوسی کرنا سنگین جرم، بلکہ غداری ہوسکتا ہے۔ عدم تکفیر کی یہ وجہ تھی کہ کفر کا اعتقاد نہیں تھا، جیسا کہ خود آپ نے وضاحت کی تھی۔

۴۔ ایک فیصد تاویل کا امکان:

Marfat.com

اگر کسی قول یا عبارت میں ۹۹ وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ عدم کفر کی، تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ تکفیر نہ کرے اور اچھے مفہوم کو اپنائے۔ یہ مسئلہ فقہ کی عام کتب میں مذکور ہے۔ مثلاً شرح فقہ اکبر، فتاویٰ رضویہ۔۸ اس اصول کی بنیاد نبی اکرم کا قول ہے ادرؤا الحدود ما استطعتم۔ ''ممکن حد تک حدود کو ہٹاؤ۔ یعنی نکلنے کا راستہ دو۔

۵۔ محتمل ومتشابہہ کلام پر تکفیر نہیں:

بقول فاضل بریلی، اگر تاویل ممکن نہ ہو مگر محتمل ہو تو اسی پر تحمل کر دیں گے اور اس سے استفادہ ناجائز نہ ان پر اعتراض۔۹ پھر لکھا ''اسلام کا احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو، کفر کا حکم نہ لگایا جائے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کلام کو متشابہات سے ٹھہرائیں گے کہ طعن نہ کریں اور اس سے بحث گمراہ ہے۔

بقول ابن نجیم لایکفر بالمحتمل .....۔۱۰ محتمل کلام پر تکفیر نہیں، کیونکہ کفر انتہائی سزا ہے۔ احتمال کی موجودگی میں جرم وسزا نہیں بقول حطی ''بلتعہ کا واقعہ مثال ہے کہ ممنوع کام کے ارتکاب پر محتمل تاویل کا دعوی کرے تو عذر قبول ہے۔۱۱

۶۔ مباحثہ ومناظرہ کلام پر تکفیر نہیں:

بحث ومناظرہ کے وقت علماء ضمناً جو کچھ لکھ جاتے ہیں، اس پر نہ اعتراض نہ اعتماد، نہ خود ان علماء کا اعتقاد۔۱۲ شاہ عبدالعزیز کا تحفہ اثناء عشریہ میں قول ہے، جو کچھ میں اس میں لکھوں، میرا مذہب نہ سمجھا جائے۔ مباحث وکلام ومناظرہ کا کچھ اعتبار نہیں۔۱۳

۷۔ جاہلانہ کلام پر تکفیر نہیں:

جس شخص نے کلمہ کفر بولا، مگر وہ اس بات سے جاہل تھا کہ یہ کلمہ کفر ہے تو اس بارے اختلاف ہے۔ مگر یہی ثابت ہے کہ مسلم کی تکفیر نہ کی جائے۔۱۴ اس کی مثال بنو اسرائیل کا واقعہ

Marfat.com

ہے کہ فرعون کی غرقابی کے بعد بنواسرائیل نے ایک جگہ لوگوں کو بت پرستی میں مشغول دیکھ کر حضرت موسیٰ سے مطالبہ کیا ''ہمارے لئے بھی ایسا معبود بنا جیسا ان کے لئے ہے۔'' ۱۵؎ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جاہل کہہ کر بات ختم کردی، کافر نہیں کہا۔

۸۔ عملی گناہ پر تکفیر نہیں:

بقول ابوحنیفہ **لا نکفر مسلما بذنب**۔ ۱۶؎ ''کسی گناہ پر مسلمان کی تکفیر نہیں کریں گے۔'' جب تک وہ اسے جائز نہ سمجھے۔ اسی لئے تارک نماز کی تکفیر نہیں، جبکہ حدیث ہے جس نے قصداً نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔ بقول خان بریلی ''مومن کسی کبیرہ کے سبب اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ایسی جگہ نصوص کو علیٰ اطلاقہا کفر وشرک مصطلح پر حمل کرنا اشقیائے خوارج کا مذہب مطرود ہے۔ ۱۷؎

۹۔ غیر تشریعی امر میں تکفیر نہیں:

نبی اکرم علیہ السلام کے بعض فرمودات کا تعلق غیر تشریعی امور یعنی دنیوی یا ذاتی معاملات سے تھا۔

ان کے انکار یا عدم تعمیل پر کسی مسلم کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ یہ اصول قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے۔ آپ علیہ السلام نے حضرت زید بن حارثہ کو تاکیدی حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دیں۔ مگر انہوں نے طلاق دے دی۔ ۱۸؎ اس پر کوئی وعید نہیں۔ اسی طرح تابیر نخل کا واقعہ ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے مدینہ میں صحابہ کو تابیر سے روکا مگر اس سال پھل کی پیداوار کم ہوئی۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا **انتم اعلم بامور دنیاکم** ۔ اپنے دنیوی معاملات کو تم زیادہ جانتے ہو۔ امام مسلم نے اس واقعہ کو اصولی شکل دی اور یہ عنوان قائم کیا۔ **باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ماذکرہ من معایش الدنیا علی سبیل الرأی**۔ ۱۹؎

Marfat.com

۱۰۔ تکیہ کلام:

اگر کسی شخص سے تکیہ کلام کے طور پر کفریہ جملہ صادر ہوا تو اس پر تکفیر نہیں۔ مثلاً ایک سائل کے جواب میں مفتی شفیع کراچی نے جواب لکھا ''یہ کہنا مسجد کو گولی مار، توہین مسجد پر مشتمل ہے اور کلمہ کفر ہے، لیکن جملہ کا کفر ہونا اور چیز ہے اور اس کے قائل کو کافر قرار دینا اور چیز ہے۔[۲۰]

یعنی تکیہ کلام کے طور پر صادر ہونے کی وجہ سے یہ الفاظ ارادہ توہین سے خالی ہونے کا امکان رکھتے ہیں۔ کفر اور تکفیر کے اس فرق کو خان بریلی نے اس طرح لکھا ''لزوم اور التزام میں فرق ہے۔ قول کا کلمہ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر کہنا اور بات۔ ہم احتیاط کریں گے۔ سکوت کریں گے۔[۲۱]

۱۱۔ اختلافی مسئلہ میں تکفیر نہیں:

اگر کسی کلمہ کے کفریہ ہونے میں علماء کے مابین اختلاف ہو تو اس کلمہ کی ادائیگی پر تکفیر نہیں کی جائے گی۔ خواہ اختلافی روایت ضعیف ہی ہو۔[۲۲]

۱۲۔ عوارض زدہ کی تکفیر نہیں:

شرعی احکام کے نفاذ کے لئے انسان کا مکلّف ہونا ضروری ہے یعنی کہ وہ عاقل بالغ، آزاد اور خود مختار ہو۔ چنانچہ مجذوب، مجنون مدہوش اور مکرہ شخص کی تکفیر نہیں۔

۱۳۔ شدت تحیر سے عدم تسلیم پر تکفیر نہیں:

اگر کوئی شخص شدت تحیر سے حکم کی تعمیل یا تسلیم نہ کرے یا متذبذب ہو تو اس کی تکفیر نہیں ہوگی، مثلاً صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ احرام کھول دیں۔ مگر انہوں نے تعمیل نہ کی۔ جس پر نبی اکرم ﷺ خود حیران ہوگئے۔ پھر جب اپنی بیوی ام سلمہ کی تجویز پر آپ نے خود احرام کھولا اور صحابہ نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو انہوں نے بھی

Marfat.com

احرام کھول دیئے۔ ۲۳

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی بیوی کو حالتِ زنا میں دیکھ کر بھی کسی کو اجازت نہیں کہ وہ اسے قتل کرے، بلکہ چار گواہ لائے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ نے کہا، بیوی کو اس حالت میں دیکھ کر وہ شخص گواہ تلاش کرنے نکلے۔ یعنی شدت غیرت سے انہیں یہ بات عجیب سی لگی۔ نبی اکرم نے فرمایا ''دیکھو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے۔'' ۲۴ یعنی مان نہیں رہا۔

آج بھی اگر کوئی شخص، کسی اسلامی حکم پر شدت حیرت سے متذبذب ہو جائے تو تکفیر میں تعجیل نہ کی جائے۔

۱۴۔ مسلم کی تکفیر پر وعید:

کسی مسلمان کو کافر کہنا بذات خود جرم ہے، کیونکہ نبی اکرم علیہ السلام کا فرمان ہے۔ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو 'اے کافر' کہا تو ان میں سے ایک اس کا مستحق ہو گیا۔ چنانچہ اگر کسی مسلمان کو برائی کی نیت سے نہیں بلکہ کافر سمجھ اس حکم سے مخاطب کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ ۲۵

۱۵۔ رب کے لئے غضب:

اللہ کے لئے جوش غضب سے اگر خطا ہو گئی تو اس پر تکفیر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام توراۃ لے کر واپس آئے اور اپنی قوم بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا کرتے دیکھا تو غصے میں توراۃ کی تختیاں ڈال دیں پھر ہارون علیہ السلام کو سر اور داڑھی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچا۔ اس پر مفتی احمد یار کا تبصرہ ہے ''اس ڈالنے سے تختیوں کی بے حرمتی مقصود نہ تھی۔ بلکہ جوش و غضب میں ہوا، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑنا اور انہیں مارنا، ورنہ کتاب اللہ کی اہانت اور نبی کی اہانت کفر ہے۔ آپ کا یہ غضب رب کے لئے تھا نہ کہ نفس کے لئے۔ معلوم ہوا غضب کی حالت میں انسان معذور ہو جاتا ہے۔ بے خود پر شرعی احکام نافذ نہیں۔'' ۲۶ جوش غضب سے مراد توحید سے سرشاری اور شرک سے بیزاری ہے، کیونکہ شرک بدترین کفر ہے۔ اسی

Marfat.com

پر قیاس ہے کہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا مدعی شخص اگر ایسا نعرہ لگاتا ہے۔ دوسرا توحیدی شخص، شدت غضب میں مردہ باد کا نعرہ لگاتا ہے تو وہ کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا مقصد حضرت علیؓ کی توہین نہیں بلکہ اس نظریہ کی تردید ہے۔

۱۶۔ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی:

اہم ترین بحث جماعتی تکفیر ہے، امام ابوحنیفہ کا قول ہے لا نکفر اهل القبلة ۔اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ ضروریات دین کا انکار نہ کریں۔ ۲۷ فقہ کی کتاب ھدایہ کی عبارت ہے تقبل من اهل الهواء ای اصحاب بدع لا تکفر کجبر و قدر و رفض ۔ ''اہل ہواء کی گواہی قبول کی جائے گی، جیسے جبریہ، قدریہ رافضہ، یعنی یہ لوگ کافر نہیں۔'' ۲۸

علم کلام کے امام ابوالحسن اشعری کا قول ہے، اسلام کا لفظ روافض کو بھی شامل ہے۔ ۲۹ یعنی فقہاء سے ہٹ کر علم کلام کے ائمہ کا مسلک بھی عدم تکفیر ہے۔ اس کے برعکس جن فقہاء نے تکفیر کی، ان کا مسلک شدت پر محمول کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے عقائد تو کافرانہ ہیں، مگر کافر نہیں کہا جائے گا۔

پھر اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ اگر روافض کافر نہیں تو پھر سب شیخین پر کفر کا فتویٰ کیونکر ہے؟

جواب یہ ہے کہ سبّ شیخین پر کفر کا فتویٰ مجہول طریقے سے منقول ہے نہ قائل معلوم نہ اس کے دلائل معلوم۔ ۳۰ لہٰذا یہ فتویٰ غیر معتبر ہے۔

مجدد الف ثانی لکھتے ہیں چونکہ یہ بدعتی فرقے سب اہل قبلہ ہیں، اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہیں کرنی چاہئے۔ جب تک دینی ضروریات کا انکار اور احکام شرعیہ کے متواترات کو رد نہ کریں۔ یہ بدعتی لوگ جہنم میں جائیں گے مگر ہمیشہ کے لئے نہیں، کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے۔ ۳۱

Marfat.com

۱۷۔ فقہاء کی تکفیر غیر معتبر ہے:

تکفیر کے لئے امام مجتہد کا قول ضروری ہے۔ بقول ابن نجیم والحق ان ماصحّ عن المجتهد فهو علیٰ حقیقةٍ..... ۳۲ ''حق یہ ہے کہ جو کچھ امام مجتہد سے ثابت ہو وہ درست ہے اور جو غیر مجتہد سے ثابت ہو تو تکفیر جیسی بحث میں اس پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے فتح القدیر کے باب البغاۃ میں ہے کہ مجتہدین سے خوارج کی عدم تکفیر ہی ثابت ہے۔ اہل مذہب کے کلام میں بہت سی تکفیر موجود ہے، لیکن یہ مجتہد فقہاء کا کلام نہیں، بلکہ غیر مجتہدین کا کلام ہے۔ ۳۳

احمد رضا خان بریلی نے بھی اس درجہ بندی کو بیان کیا ہے۔ متون، شروح فتاویٰ کا درجہ صحاح، سنن اور مسانید کی طرح ہے۔ ۳۴ نیز آپ کا قول ہے ''اختلاف کے وقت متون پر عمل ہوگا۔ ۳۵ یعنی جس طرح صحاح کا درجہ زیادہ ہے، اسی طرح متون کا درجہ زیادہ ہے، کیونکہ وہ مجتہدین کی عبارات ہیں۔

۱۸۔ تکفیر اہل سنت کا طریقہ نہیں:

بقول ابن نجیم۔ اہل سنت کی دس علامات میں سے دسویں علامت یہ ہے کہ وہ جماعت (اتحاد) کو رحمت اور تفریق کو عذاب خیال کرتے ہیں۔ یریٰ الجماعة رحمة والفرقة عذاباً۔ ۳۶

درحقیقت تکفیر کا آغاز خوارج جیسے متشدد گروہ نے کیا۔ پھر غالی فرقہ رافضہ نے بھی یہ روش اپنائی، جبکہ صحابہ اور اہل سنت نے احتراز کیا۔ تکفیر سے اصلاح میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے تکفیر کی بجائے حکمت اور وعظ حسنہ کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

۱۹۔ تہدیدی تکفیر:

مفتی عبدالحئ سے سوال ہوا کہ شیخین کو گالی دینا، نبی اکرم کی پسندیدہ غذا کدو کو ناپسند کرنا، معتزلی نظریات رکھنا، حضرت آدم علیہ السلام کے گندم کھانے پر اعتراض کرنا، وغیرہ کا کیا

Marfat.com

حکم ہے۔آپ نے جواب لکھا، اس قسم کے کلمات کہنے والے کے کفر سے مراد تہدیدی کفر ہے نہ کہ حقیقی کفر۔ بحر الرائق میں اس کی تشریح موجود ہے۔ ۳۷ اسی لئے ابن نجیم نے آخری فیصلہ یہی لکھا ''میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ ایسے قول پر میں کسی کی تکفیر نہیں کروں گا۔''

۲۰۔ تکفیر کے لئے اس بات کے کفر ہونے پر اجماع شرط ہے:

عملی زندگی کے مسائل کو فقہ کا نام دیا جاتا ہے، جبکہ قلبی وفکری مسائل کی بحث کو عقائد کا نام دیتے ہیں۔ تکفیر کے لئے فاضل بریلی کی عبارت ہے۔ کفر واسلام فقہ کا نہیں بلکہ عقائد کا مسئلہ ہے۔ ۳۸ اسی بناء پر دوسرا قول ہے۔ عقائد میں کتاب وسنت واجماع وسوادِ اعظم کا اتباع ہے۔ ۳۹ یعنی فقیہ کا اجتہاد کارآمد نہیں کیونکہ وہ عملی زندگی سے بحث کرتا ہے پھر یہ بھی آپ کی ہدایت ہے ''لا الہ الا اللہ کہنے والوں سے زبان روکو، کسی گناہ پر کافر نہ کہو، جو کافر کہے وہ خود کفر کے قریب ہے۔'' ۴۰

فقہاء کو ایک طرف ہٹانے کے بعد پھر آپ نے یہ اصول بھی لکھا ہے۔ تکفیر کے لئے اس بات کے کفر ہونے پر اجماع شرط ہے۔ ۴۱ آپ کا یہ جملہ نہایت اہم اور قابل غور ہے۔ اس سے عمومی تکفیر کا انسداد ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ صرف اسی بات پر تکفیر معتبر ہے۔ جس پر اجماع ہو چکا ہو۔ مثلاً ختم نبوت کے انکار پر مرزائی فرقہ کی تکفیر۔

جبکہ وہابی کے متعلق آپ کا قول ہے ''ان میں سے جو کسی ضروری دین کا منکر نہیں۔ نہ ضروری دین کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے، اسے کافر نہیں کہتے احتیاطاً۔'' ۴۲

خلاصہ یہ کہ کفر کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ بقول امام بخاری ''کفر دون کفر۔'' تو صرف ٹھوس اور مجمع علیہ کفر پر ہی تکفیر کرنی چاہئے۔ ۴۳

تقارب:

بیس اصولوں پر مشتمل اس بحث سے معلوم ہوا کہ تکفیر اور عدم تکفیر کے کلیات میں

Marfat.com

دونوں جماعتیں مکمل طور پر متفق ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں۔

تاہم پھر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ خان بریلی نے دیوبندیوں کی صرف تکفیر ہی نہیں بلکہ پرزور تکفیر کی ہے۔ اگر اصولوں میں اتفاق ہے، تو ان کے اطلاق میں کیونکر اختلاف ہوا۔

اس سوال کا جواب میرے لئے مشکل ہے۔ تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ علماء میں باہمی اختلافات ہوتے ہیں۔ جن کی وجوہات مختلف ہو سکتی ہیں۔ کبھی ذاتیات ابھر آتی ہیں۔ مثلاً معاصرانہ چپقلش، رقابت، تعلّی وتفوق، مزاج کی شدت، تعصب وتنگ نظری، غلط فہمی، پس پردہ خفیہ ہاتھ وغیرہ۔

بریلی علماء کے خیال میں یہ تکفیر نیک نیتی پر مبنی تھی۔ دیوبندی نقطہ نظر کے مطابق اس کے پس پردہ ذاتیات اور غیروں کی سازش تھی۔ مزید بحث آگے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ شرح فقه الاکبر، ۸۷۔
۲ مکتوبات مجدد، ۳: ۳۸۔
۳ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۲: ۱۲۵۔
۴ صحیح مسلم، کتاب التوبہ۔
۵ ضیاء القرآن، ۲: ۱۱۰۔
۶ البحر الرائق، ۵: ۱۲۳۔
۷ الجامع للاحکام القرآن، الحجرات۔
۸ فتاویٰ رضویه، ۳۰: ۳۴۵۔
۹ ایضاً، ۵۱۸۔
۱۰ البحر الرائق، ۵: ۱۲۵۔
۱۱ روح البیان، الممتحنہ: ۱۳۔
۱۲ فتاویٰ رضویه، ۱۵: ۵۱۴۔
۱۳ ایضاً، ۱۵: ۵۱۶۔
۱۴ البحر الرائق، ۵: ۱۲۵۔
۱۵ الاعراف: ۱۳۸۔
۱۶ شرح فقه اکبر، ۹۔
۱۷ فتاویٰ رضویه، ۲۱: ۱۳۱۔
۱۸ الاحزاب: ۳۷۔
۱۹ صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔
۲۰ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۲: ۱۲۸۔

Marfat.com

۲۱ فتاویٰ رضویه،۳۰:۳۵۴۔
۲۲ البحر الرائق،۵:۱۲۵۔
۲۳ ابن کثیر،سیرت النبی،صلح حدیبیہ۔
۲۴ صحیح مسلم،کتاب اللعان۔
۲۵ فتاویٰ هندیه،۳:۴۷۶۔
۲۶ تفسیر نور العرفان،الاعراف:۱۵۰۔
۲۷ شرح فقه اکبر،۹۔
۲۸ هدایه،کتاب الشهادة۔
۲۹ شرح فقه اکبر،۱۹۰۔
۳۰ شرح فقه اکبر،۸۶۔
۳۱ مکتوبات مجدد،۴:۳۸۔
۳۲ البحر الرائق،۵:۱۲۵۔
۳۳ ایضاً۔
۳۴ فتاویٰ رضویه،۴:۲۱۰۔
۳۵ ایضاً۔
۳۶ البحر الرائق،۵:۱۸۲۔
۳۷ مجموعه فتاویٰ عبدالحئی،۱:۳۔
۳۸ فتاویٰ رضویه،۹:۹۴۲۔
۳۹ ایضاً،۹:۹۴۰۔
۴۰ ایضاً،:۱۳:۳۱۸۔
۴۱ ایضاً،۹،۹۴۲۔
۴۲ ایضاً،۱۳:۵۱۴۔
۴۳ بخاری،کتاب الایمان۔

Marfat.com

نفاذ

تکفیر وارتداد کے بعد اگلا مرحلہ سزا کے نفاذ کا ہوتا ہے۔ یعنی مرتد کو سزا دینا۔ اس کے بارے میں چند مختصر امور قابل ذکر ہیں۔

۱۔ **ایک مغالطہ:** احناف کے ہاں گستاخ کافر ہے، مگر مقبول التوبہ ہے، یعنی واجب القتل نہیں۔ جیسا کہ متقدمین سے یہی حکم ثابت ہے۔ البتہ متاخرین کی بعض کتب میں اسے واجب القتل کہا گیا۔ مگر انہیں مغالطہ ہوا، یعنی اس معاملے میں پہلے ابن بزاز سے غلطی ہوئی کہ غیر حنفی کا قول اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ پھر ابن ہمام نے ابن بزاز کی پیروی کر لی۔ آگے چل کر فتاویٰ ہندیہ نے بھی اسی حکم کو نقل کر دیا، کیونکہ فتاویٰ ہندیہ بذات خود کتاب نہیں بلکہ دوسری کتب کے منتخبات کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح ابن نجیم کو بھی دوہرا مغالطہ ہوا۔ [1]

۲۔ **قوتِ نافذہ:** نبی اکرم ﷺ نے مکی زندگی میں مخالفین کو قتل نہیں کرایا کیونکہ آپ کے پاس قوت نافذہ یعنی اقتدار نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ سزا دینا اور قتل کرنا ریاست کا کام ہے۔ ہر شخص کو اختیار نہیں۔

۳۔ **تعزیری قتل:** آپ علیہ السلام نے مدنی زندگی میں گستاخوں یعنی کعب بن اشرف، ابو رافع، عصما بنت مروان وغیرہم کو قتل کرایا۔ کیونکہ یہ لوگ سازشی، عادی مجرم اور ناقابل اصلاح تھے۔ ان کا قتل بطورِ حد نہیں (یعنی لازمی) بلکہ بطور تعزیر تھا۔ تعزیر کرنا، حکمران کا صواب دیدی اختیار ہوتا ہے۔

۴۔ **فتنہ کا خوف:** فتنہ کے خوف سے کسی بھی سزا کو معطل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً نبی اکرم علیہ السلام نے عبداللہ بن ابی کی مسلسل سازشوں پر خاموشی اختیار کی۔ بالخصوص غزوہ بنی مصطلق اور

Marfat.com

قذف کے واقعہ میں آپ اسے قتل کرانا چاہتے تھے۔ نبی اکرم نے برملا اس کا اظہار کیا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے، وہ مجھے ایذا دے رہا ہے۔ (عبداللہ بن ابی کی طرف اشارہ)۔ اس موقعہ پر اُسید بن حضیر نے کہا، اگر وہ شخص اوس قبیلہ سے ہے تو ہم اس کا خاتمہ کرتے ہیں اور اگر خزرج سے ہے تو آپ فیصلہ دیں۔ تب سعد بن عبادہ اٹھے اور کہا تم جھوٹ بولتے ہو، ان کی گردن نہیں اڑائی جاسکتی۔ اوس اور خزرج کا پرانا تعصب بیدار ہوا تو نبی اکرم نے معاملہ دبا دیا۔[۲] اس پر ابن تیمیہ کا تبصرہ ہے۔

''نبی اکرم، عبداللہ بن ابی کو قتل کرانا چاہتے تھے۔ مگر فتنہ کے خوف سے معاملہ کو ٹال دیا۔ یعنی عدم قتل کی وجہ سے نہیں کہ آپ کو معافی کا اختیار تھا اور معاف کردیا۔ بلکہ فتنہ کے خوف سے معاملہ کو ٹال دیا۔''[۳]

آیت ہے الفتنة اشدّ من القتل۔ ''فتنہ، قتل سے زیادہ شدید ہے۔

۵۔ **بین الاقوامی قانون کا لحاظ:** نبی اکرم کے آخری ایام میں مسیلمہ کذاب کے سفیروں نے آپ کو مسیلمہ کی نبوت کی دعوت دی، آپ نے فرمایا ''اگر قاصدوں کے قتل کا قاعدہ ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کروادیتا۔''[۴] یعنی قانون کے نفاذ میں بین الاقوامی حالات کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ مسلم کمزور ہیں اور غیر مسلم طاقتور ہیں۔

❀◆❀

حواشی وحوالہ جات:

۱ در مختار شامی، ۲:۵۹۸۔ ۲ سیرت ابن هشام، ۲:۳۵۸۔

۳ الصارم المسلول، ۱۵۸۔ ۴ سیرت النبی لابن ہشام، ۲:۴۹۵۔

❀◆❀

Marfat.com

تکفیر کا پس منظر

بھارت کے شہر بریلی کے ایک نامور عالم احمد رضا خان نے چند ہندوستانی علماء کی سات عبارات کو اپنے انداز جمع کیا اور پھر ۱۳۲۴ھ میں استفسار کے لئے علماء عرب کی طرف روانہ کیا، جنہوں نے ان عبارات پر تکفیر کی۔ پھر خان بریلی نے اس فتویٰ کو حسام الحرمین نامی کتاب کی شکل میں شائع کیا، جس سے دیوبندی مکتب فکر میں تہلکہ مچ گیا۔ جواباً ان کے ایک بزرگ خلیل احمد نے اپنے عقائد ونظریات مرتب کر کے علماء عرب کی طرف روانہ کیے۔ عرب علماء نے ان کے عقائد کی تصحیح وتوثیق کی۔ پھر ان عقائد کو المہند علی المفند نامی کتاب کی شکل میں شائع کیا۔ مگر خان بریلی اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور معاملہ شدید تر ہوگیا۔ وہابی اور دیوبندی تکفیر کی صدائیں محراب ومنبر سے گونجنے لگیں۔ نفرتوں، مناظروں اور فسادات کا سلسلہ چل پڑا۔ مسلکی کتب، جوابی کتب اور الزامی جوابات چھپنے لگے۔ قیام پاکستان کے بعد اس شدت میں بتدریج کمی آنی شروع ہوئی۔

تعارف:

فتویٰ زدہ اصل عبارات کی بحث شروع کرنے سے پہلے ان کا مختصر تعارف مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ کل سات عبارات ہیں، جن میں سے پہلی چار کا تعلق سیّد محمد اسماعیل دہلوی سے ہے۔ آپ شاہ عبدالغنی کے اکلوتے بیٹے، شاہ ولی اللہ کے پوتے۔ ۱۷۷۹ء کو ولادت ہوئی، ۱۸۲۱ء کو آپ نے حج کا سفر کیا۔ اور واپسی کے بعد تقویۃ الایمان نامی کتاب لکھی۔ ۱۸۲۶ء میں جہاد بالسیف شروع کیا اور ۱۸۳۱ء کو میدان جنگ میں، اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔ [1]

Marfat.com

آپ مزاج کے اعتبار سے نسبتاً متشدد تھے۔ جس کی ایک وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ اہل حدیث تھے۔ اہل حدیث حضرات توحید اور رد شرک میں نسبتاً سخت ہوتے ہیں۔ آپ کی کتاب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ سیّد محمد اسماعیل دہلوی کے اہل حدیث ہونے کے دلائل یہ ہیں کہ آپ نے رفع یدین پر رسالہ لکھا۔ آپ تقلید پر بھی معترض ہیں۔ مثلاً آپ کی عبارت ہے، قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے پیر ومشائخ اور اماموں کے اقوال کو پیش کرے، تو ان باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ [۲]

جبکہ مقلدین حضرات، ائمہ کرام کو شارع نہیں بلکہ شارح سمجھتے ہیں۔ اس حیثیت سے ائمہ کی بات کو حجت ماننا شرک نہیں۔ چاروں ائمہ کی تقلید اسی انداز سے ہوتی ہے۔ بہت سی باتوں کو ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو غلط معلوم ہوتی ہیں۔ مگر دوسرے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں۔ اسی طرح سید محمد اسماعیل دہلوی نے بہت سی رسوم کو شرک لکھا۔ کسی رسم کو رسم سمجھ کر اختیار کرنا غلط تو ہوسکتا ہے مگر شرک نہیں۔ آپ کی عبارت ہے ''کسی کے سامنے ادب وتعظیم کی غرض سے کھڑا ہونا ناجائز اور شرک ہے۔'' [۳]

آپ کے متشدد ہونے کی دوسری جہ یہ ہے کہ آپ عسکری مزاج کے مالک تھے۔ تحریکی زندگی گزارنے والے متشدد ہوجاتے ہیں تحریک مجاہدین کی ناکامی کی ایک وجہ مؤرخین نے یہ بتلائی کہ شرعی احکام کے نفاذ میں سختی کی۔ جس کی وجہ سے علاقہ کے لوگ مخالف ہوگئے۔

تکفیر زدہ اگلی تین عبارات کا تعلق دیوبندی مسلک کے علماء سے تھا۔ یہ لوگ اہل حدیث یا غیر مقلد نہیں، بلکہ حنفی مسلک کے حامل، عقیدہ توحید اور رد شرک میں معتدل، اولیاء کے معتقد، قبور پر حاضری اور ایصال ثواب کے قائل تھے۔ اس طرح عمومی مسائل میں دیوبندی اور بریلوی ایک دوسرے کے قریب ٹھہرتے ہیں۔

تاہم پھر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ خان بریلوی نے دونوں کی یکساں تکفیر کیوں کی اور جواب میں دیوبندیوں نے اپنے دفاع کے ساتھ اسماعیل دہلوی کا دفاع کیوں کیا؟

غالباً اس کا جواب یہ ہے کہ تکفیر کے وقت خان بریلی نے ان دونوں کو اکٹھا کردیا۔

Marfat.com

لہٰذا جواب دیتے وقت یہ تفریق کرنا مشکل ہوا۔ دوسرے یہ کہ دیوبندی خیال میں اس تکفیر کا مقصد عوام کو جہادی تحریک سے باز رکھنا اور مجاہدین سے متنفر کرنا تھا۔ سیّد اسماعیل دہلوی نہ صرف جہادی تھے، بلکہ اس تحریک کے بانیوں میں سے تھے۔ لہٰذا جہادی تحریک کے دوام کے لئے دیوبندیوں نے سیّد اسماعیل دہلوی کا بھی دفاع کیا۔ جنگی ماحول میں حمایت کا معیار بدل جاتا ہے۔ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں میں قرب پیدا ہوگیا، جبکہ عقائد اور فقہ میں دیوبندی و بریلوی قریب تھے۔

دیوبندی علماء کی تین عبارتوں میں سے ایک کا تعلق مولوی اشرف علی تھانوی سے ہے۔ اس عبارت میں غلطی کا جونہی انہیں علم ہوا، آپ نے اسے تبدیل کردیا۔ بذاتِ خود میں نے دیوبندی مسلک کے ایک بڑے عالم سے سرعام اس عبارت کی تغلیط سنی۔ بقیہ دو عبارتوں کا حال نیز تمام عبارتوں پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

سیّد محمد اسماعیل نے اپنی کتاب اس دور کے عمومی جاہلی ماحول کی تردید میں لکھی، مگر آپ نے نام لے کر کسی کی تکفیر نہیں کی نہ کسی کو مشرک کہا۔ یہ ایک عمومی اور علمی انداز ہوتا ہے، جبکہ فاضل بریلی کی کتاب حسام الحرمین میں نام لے کر تکفیر کی اور پھر ساری عمر اس کا چرچا کیا۔ یہ ناصحانہ انداز کی بجائے جارحانہ اقدام تھا۔ پھر جس طرح ہر ملزم شخص اپنے دفاع کا قانونی حق رکھتا ہے، اسی طرح دیوبندیوں نے جوابی طور پر ورق گردانی کی اور الزامی جواب کے لئے بہت سی شدید نوعیت کی عبارتیں ڈھونڈ نکالیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چھینٹے بہتوں کے دامنوں پر موجود ہیں۔

تکفیر زدہ عبارات مباحثہ و مناظرہ کی کتب سے مأخوذ ہیں نہ کہ عقائد و فتاویٰ کی کتب سے۔ لہٰذا انہیں عقائد نہیں کہا جاسکتا۔ اس بناء پر خان بریلوی کا انہیں عقائد مان کر تکفیر کرنا غلط تھا۔ دیکھئے اصول ٦۔ ذیل میں وہ عبارات درج ہیں، جن کی تشریح میں بریلوی مکتب کی نمائندگی اور جواب میں دیوبندی فکر کی نمائندگی کی گئی ہے۔

اعتراضات:

Marfat.com

ا۔ اسماعیل دہلوی کی عبارت ہے۔ ہر شخص خواہ وبڑے سے بڑا انسان ہو یا مقرب فرشتہ، اس کی حیثیت شان الوہیت کے مقالبے پر ایک چمار سے زیادہ نہیں۔ ۴

اعتراض: اس میں بڑے سے مراد نبی اکرم ہیں، ان کو چمار کہہ کر توہین کی ہے۔

جواب: مذکورہ بالا عبارت میں نبی کا لفظ سرے سے موجود ہی نہیں، پھر زبردستی اس سے نبی کی ذات مراد لینے کا مقصد، اس کے سوا کیا تھا کہ خان بریلوی ان کی تکفیر کرنا چاہتے تھے اور یہ شوق انہوں نے پورا کرلیا۔ درحقیقت یہ کتاب برصغیر کے ان مزارات اور ہستیوں کی رد میں ہے، جن کی طرف خدائی کمالات منسوب تھے۔ مثلاً شیخ سدو وغیرہ، یعنی بڑے انسانوں کی عبادت ان کی روح کی شکل میں اور ملائکہ کی عبادت دیوی کے ناموں سے ہوتی۔ چنانچہ خود فاضل بریلی سے سوال ہوا۔ شیخ سدو کے نام سے مرغ وغیرہ ذبح ہوا اور میلاد بھی پڑھایا تو اس میلاد اور کھانے کا کیا حکم ہے۔ ۵

دوسری جگہ خان بریلی نے لکھا ''شیخ سدو روح خبیث ہے۔'' ۶ اس سے اندازہ کریں کہ اس دور کے مسلمان کس قدر جاہل اور گمراہ تھے۔ کہ ارواح خبیثہ کے لئے نذرانے دیتے اور میلاد بھی پڑھتے۔

پھر بھی اگر کسی کو لفظ چمار پر اعتراض ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ محاورے میں اس لفظ کا معنی ہے حقیر اور معمولی۔ یہ مفہوم دیگر بزرگوں کی عبارات میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا ان کی اصلاح وتصحیح بھی ہونی چاہئے۔ مثلاً

(ا) ابوالحسن خرقانی کا قول ہے ''جو شخص لا الٰـــہ الا اللہ کہتا ہے وہ دل سے کہتا ہے اور جو محمد رسول اللہ کہتا ہے وہ کان کی بالی یعنی غفلت سے کہتا ہے، کیونکہ غیر اللہ کی قدر ومنزلت، اللہ کی قدر ومنزلت کے مقابلے میں یقیناً حقیر اور معمولی ہے۔'' ۷

اس عبارت میں صراحتاً نبی اکرم ﷺ کا نام ہے اور حقیر ومعمولی کا لفظ بھی ہے۔

(۲) ابوبکر واسطی کا قول ہے، ''مخلوق کتنی ہی عظیم المرتبت ہو۔ رب کے دربار میں پہنچ کر نیست ونابود ہوجاتی ہے۔'' ۸

(۳) خواجہ نظام الدین کا قول ہے ''کسی کا ایمان کامل نہیں ہوتا حتیٰ کہ تمام مخلوق ایسی دکھائی

Marfat.com

نہ دے، جیسے اونٹ کی مینگنی۔۹

یہ تینوں عبارتیں نامناسب بھی ہیں اور الزامی جواب بنائی جاتی ہیں۔ان کی مناسب تاویل یا تصحیح کرنی چاہئے۔

۲۔ اسماعیل دہلوی نے نبی اکرم کے حوالے سے لکھا ''ایک نہ ایک دن میں بھی فوت ہوکر خاک میں مل جاؤں گا۔

اعتراض: انبیاء علیہم السلام قبور میں زندہ ہوتے ہیں، مگر اس عبارت میں ان کی برزخی حیات کا انکار ہے، جو کہ کفر ہے۔ کیونکہ خاک میں ملنے کا مطلب ہے گل سڑ کر ختم ہو جانا۔

جواب: جس وقت یہ عبارت لکھی اس وقت اردو محاورے ''خاک میں ملنا اور خاک سے ملنا'' میں ایک مفہوم ادا ہوتا، مثلاً اردو شعر ہے

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خام میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

یہاں ''خاک میں'' کا مطلب ہے خاک سے، یعنی یہ قدیم اردو تھی۔ اس بناء پر اعتراض نہیں بنتا۔ مگر اب اس سلسلے میں اچھی اور اہم بات یہ ہے کہ تقویۃ الایمان نامی کتاب کے جدید ایڈیشن میں یہ عبارت تبدیل کر کے اس طرح لکھی ہے:

''ایک نہ ایک دن میں بھی فوت ہوکر آغوش لحد میں سو جاؤں گا۔۱۰ نیز اس جگہ حاشیہ میں وضاحت ہے کہ غالباً مؤلف کو کتاب پر نظر ثانی کا موقعہ نہیں ملا، جس کی وجہ سے ایک حرف کا فرق، خطا کا باعث بن گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سہواً اور بلا قصد یہ خطا سرزد ہوئی، لہٰذا اس معذرت کو قبول کرنا چاہئے۔ پھر بھی اگر کوئی شخص تکفیر پر ہی مصر ہے، تو اسے مطمئن کرنے کے لئے دوسری عبارات کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے۔

(۱) ایک مرتبہ ابوبکر شبلی چند افراد کے ہمراہ جنگل میں گئے۔ وہاں ایک کھوپڑی دیکھی، جس پر تحریر تھا خسر الدنیا والاخرۃ۔ ''دنیا اور آخرت میں گھاٹا پایا۔'' آپ نے ضرب لگائی اور

Marfat.com

فرمایا، یہ کھوپڑی کسی نبی یا ولی کی ہے۔[۱۱] کھوپڑی کا مطلب ہے کہ گوشت گل گیا، اور پھر اس پر خسارے والی آیت کا ہونا بھی توہین ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہ نے خواب دیکھا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی ہڈیاں جمع کر رہا ہوں۔[۱۲] پھر اس کی تعبیر بتلائی، احادیث جمع کرنا۔ احادیث جمع کرنے کا مفہوم اچھے طریقے سے اور اچھے الفاظ سے ہوسکتا تھا، نبی کی ہڈیاں جمع کرنا اچھا فقرہ نہیں۔

(۳) خان بریلوی لکھتے ہیں ''حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر، حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے ہے اور حطیم کے پاس حجر اسود اور زمزم کے درمیان ستر انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں ہیں۔[۱۳] اس کا مطلب یہ ہوا کہ طواف کے وقت حاجی لوگ انبیاء کی قبور کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہیں اور توہین کرتے ہیں۔ یہ ایک وحشتناک تصور ہے۔ اس کی تصحیح یہ ہوسکتی ہے کہ یہ ضعیف روایت ہوگی۔

۳۔ سیّد محمد اسماعیل دہلوی کی عبارت ہے ''تمام انسان بھائی بھائی ہیں، جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرو۔ باقی سب کا مالک اللہ ہے، عبادت اسی کی کرنی چاہئے۔'' تقویۃ الایمان، ۹۶۔

اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو بھائی کہنا یا بڑے بھائی کا درجہ دینا آپ کی توہین ہے۔ آپ کا مقام اس سے بلند ہے۔

جواب: سیّد اسماعیل نے اس جگہ حدیث لکھی اور اس کا ترجمہ کیا ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ، مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ نے آکر سجدہ کیا۔ صحابہ نے کہا، یا رسول اللہ! آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں، ان سے زیادہ تو ہمارا حق ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ فرمایا، اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو۔''

(۱) اسماعیل دہلوی نے اپنی تشریح میں تقریباً حدیث کے الفاظ ہی دہرائے۔ صرف لفظ 'بڑا' کا اضافہ کیا، جو تکفیر کا باعث نہیں بنتا۔ پھر بھی اگر نبی کے لئے لفظ 'بھائی' پر اعتراض

Marfat.com

ہے تو وہ سورہ شعراء پڑھے، جس میں مختلف انبیاء علیہم السلام کو بھائی کے لفظ سے ذکر کیا، مثلاً الی عاد اخاھم ھوداً. و الیٰ ثمود اخاھم صالحاً وغیرہ۔ نیز نبی کو بھائی کہنے کا یہ طریقہ یک طرفہ نہیں، بلکہ سورہ ق میں ہے و اخوان لوط۔

(۲) حدیث ہے، حضرت عائشہ کا رشتہ طلب کرنے کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے، نبی اکرم ﷺ سے فرمایا انما انا اخوک۔ یعنی یہ رشتہ کیسے ہوسکتا ہے، کیونکہ میں آپ کا بھائی ہوں اور بھتیجی سے رشتہ درست نہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا انت اخی فی دین اللہ و کتابہ ۔۱۴ یعنی تو میرا نسبی بھائی نہیں بلکہ دینی بھائی ہے، لہٰذا رشتہ درست ہے۔

(۳) بابا فرید الدین شکر گنج نے حدیث نقل کی۔ اگر قیامت کے دن مجھ کو اور میرے بھائی نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے تو اسے کون روکنے والا ہے، وہ مالک الملک ہے۔ ۱۵

معلوم ہوا کہ لفظ 'بھائی' بذات خود قابل اعتراض نہیں البتہ نبی کو بھائی کا درجہ اور مقام دینا بالکل غلط ہے۔ اس کی قطعاً گنجائش نہیں۔ نبی کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے لئے بھائی کا لفظ جو قرآن وحدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے، غالیانہ معیار عقیدت کو ہرگز گوارا نہیں اور قرآن وحدیث پر اعتراض ممکن نہیں۔ لہٰذا سارا غصہ سیّد اسماعیل دہلوی پر نکال دیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ جاہل اور غالی لوگ نبی اکرم کو دیوتا کا درجہ دینا چاہتے تھے، مگر بھائی کا لفظ حدیث کے حوالے سے منظر عام پر آنے سے وہ منصوبہ ناکام ہوگیا۔

۴۔ اسماعیل دہلوی نے نماز میں غیر اللہ یعنی نبی کے تصور کو بدتر قرار دیا۔

اعتراض: اعتراض یہ ہے کہ نماز میں نبی کے خیال کو جانوروں کا خیال آنے سے برا قرار دیا۔ یہ نبی کی توہین اور کفر ہے۔

جواب: یہ سیّد احمد شہید کی عبارت ہے اور صراط مستقیم نامی کتاب میں درج ہے۔ آپ

Marfat.com

مجذوب قسم کے صوفی تھے، جو نماز تو کیا، عام حالت میں بھی غیر اللہ کے تصور کو برا خیال کرتے ہیں۔ مثلاً جنید بغدادی کا قول ہے۔ عبادت الٰہی اس طرح کرنی چاہئے کہ خدا کے سوا کسی کا خیال تک نہ آئے۔[16]

(۱) بہر حال نماز میں غیر اللہ کی طرف توجہ بلاشبہ ہو جائے گی۔ قرأت قرآن کے وقت ملائکہ، شیطان اور دیگر مخلوق کا ذکر آئے گا تو نمازی کا ذہن لاشعوری طور پر ادھر منتقل ہو جائے گا۔ مگر صوفی کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کا ذہن چونکہ حقیقی ہستی کی طرف مضبوطی سے وابستہ ہوتا ہے، اس لئے غیر اللہ کی طرف اس کی توجہ صرف ایک آن کے لئے ہوتی ہے، یعنی معمولی سی۔ اس کے بعد پھر اس کی توجہ خالق حقیقی کی طرف مڑ جاتی ہے۔ یعنی اللہ کی طرف توجہ میں استمرار ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ توجہ نبی کی طرف منتقل ہو گئی تو ممکن ہے کہ نبی کی عظمت کی وجہ سے اس کی توجہ میں اس جگہ استقرار پیدا ہو جائے۔ چونکہ نماز عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے اس لئے نبی کی طرف توجہ میں استقرار، اللہ کی عبادت اور توجہ میں خلل کا باعث بن جائے۔

(۲) مؤلف نے اس جگہ صرف ہمت کا لفظ بولا تھا، یعنی قصداً توجہ پھیرنا۔ نماز میں کوئی شخص قصداً اپنی توجہ مخلوق کی طرف نہیں پھیرتا، مگر فنافی الرسول کے درجے کا شخص، یہ شغل اختیار کر سکتا ہے۔ صرف اسی کو اس عمل سے روکا۔ عام شخص کے لئے مندرجہ بالا عبارت ناراضگی کا باعث ہے، مگر یہ عبارت عوام الناس کے لئے نہیں، کیونکہ خیال آنا، غیر ارادی چیز ہے اور صرفِ ہمت یعنی توجہ پھیرنا ایک ارادی کوشش ہے۔ عوام اس فرق کو نہیں سمجھتے۔

(۳) صوفیا سے اس قسم کی عبارات سرزد ہو جاتی ہیں، اور ہوئیں۔ مثلاً

الف۔ محمود غزنوی نے ایک مرتبہ ابوالحسن خرقانی کو بلایا مگر وہ نہ آئے تو محمود خود آیا اور یہ آیت پڑھی اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ ''اللہ، رسول اور حکمرانوں کی بات مانو (اطاعت کرو)۔'' تو ابوالحسن خرقانی نے کہا میں اطیعوا اللہ میں ایسا غرق ہوں کہ اطیعوا الرسول سے شرم آتی ہے۔[17] (شرم کا معنی برا ہوتا ہے)

Marfat.com

ب۔ ابوبکر شبلی ایک مرتبہ ظہر کی اذان کہنے لگے، جب اشہدان محمد رسول اللہ پر پہنچے تو کہا، اے اللہ اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو میں یہ لفظ ادا نہ کرتا۔ ۱۸ (اس میں کلمہ کے دوسرے حصے سے بیزاری کا اظہار ہے۔)

خلاصہ یہ کہ صوفیا کی ان عبارتوں کو متشابہ کلام قرار دے کر ان سے درگذر کی جائے، جیسا کہ اصول نمبر ۵ گزر چکا ہے۔ ورنہ ان بزرگوں کی تکفیر کے وقت خود قلم لرز جائے گا۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ فقہ اور تصوف کی راہیں الگ الگ ہیں، فقہ میں بہت کچھ دیکھنے اور کر لینے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی ۱۹ یعنی فقہ میں وسعت ہے۔

۵۔ محمد قاسم نانوتوی نے لکھا ''اگر بالفرض بعد زمانہ نبی علیہ السلام، کوئی نبی پیدا ہو، تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

اعتراض: تحذیر الناس کے مؤلف نے اس عبارت میں نبی اکرم علیہ السلام کی ختم نبوت زمانی کا انکار کیا جو کہ کفر ہے۔

جواب: مؤلف نے اس عبارت میں ختم نبوت کی دو قسمیں بنائیں۔ ختم نبوت زمانی، اس کو اپنا عقیدہ لکھا اور اس قسم کا تعلق موجودہ زمین سے ہے۔ دوسری قسم ختم نبوت مرتبی، یعنی مرتبہ میں اعلیٰ۔ یہ دراصل حل نکالا تھا کہ اگر نئی زمین دریافت ہو، اس پر انسان ہوں اور ان میں نبی آئے تو ہمارے نبی کی نبوت متاثر نہ ہوں۔ بلکہ وہاں ہمارے نبی مرتبہ میں اعلیٰ متصور ہوں گے۔ اس دوسری قسم کا تعلق موجودہ زمین سے نہیں بلکہ نئی زمین کے لئے مفروضہ قائم کیا اور مفروضہ محال چیز کا بھی ہوسکتا ہے۔

خاتم بمعنی اعلیٰ وافضل کوئی نیا مفہوم نہیں، بلکہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے دور سے رائج ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں، بعض حضرات نے بطور اعتبار کے خاتم کے معنی اعلیٰ وارفع کیے ہیں، جس کے مرتبہ میں کوئی اس کا ہم سر نہ ہو۔ ۲۰ بلکہ یہ مفہوم مسلم ہے، مثلاً خاتم الشعراء۔ نیز آپ نے تو روز قیامت بھی رسول پیدا ہونے کا قول نقل کیا ہے۔ ۲۱

Marfat.com

خان بریلی نے ایک حدیث لکھی، لو عاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً ۔۲۲ ابراہیم زندہ رہتے تو ضرور نبی ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم کے نبی بننے میں، زندگی کا نہ ملنا ہی رکاوٹ تھی، ختم نبوت رکاوٹ نہ تھی۔ خان بریلی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد بطور نبی تسلیم کی۔ عبارت یہ ہے ''انبیاء کی خصوصیت یہ ہے کہ نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا۔'' علامہ قہستانی نے لکھا کہ انبیاء کا دور گزر چکا ہے۔ اس بحث کی ضرورت نہیں۔ اس پر خان بریلی تعجب کر کے لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی ضرورت ہے، کیونکہ بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ ۲۳

قاسم نانوتوی کی عبارت صرف مفروضہ تھی، جبکہ خان بریلوی کی عبارت بطور وقوعہ ہے، بلکہ اس عبارت سے مرزا غلام احمد کو موقعہ مل گیا کہ وہ خود کو مسیح اور نبی کہلائے اور ختم نبوت کے مفہوم کو صاف کر دے۔ اگر اب بھی مخالفین کو اعتراض ہے تو مزید عبارتیں دیکھیں۔

یحییٰ منیری کا قول ہے ''اگر خواہد در ہر لحظہ صد ہزار چوں محمد بیافرید۔'' ۲۴ اگر اللہ چاہے تو ہر لمحہ محمد جیسے لاکھ پیدا کر دے۔ بایزید بسطامی سے سائل نے کہا اللہ کے اور بھی مقرب بندے ہیں۔ مثلاً ابراہیم، حضرت محمد۔ آپ نے کہا وہ بھی میں ہوں۔ ۲۵

دوسری بحث یہ ہے کہ مولوی قاسم نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کو اصلی وذاتی قرار دیا، دوسروں کی نبوت کو ظلی کہا۔ جواب یہ ہے کہ مفتی احمد یار کا بھی یہی قول ہے۔ ''سارے پیغمبر ظل ہیں، حضور علیہ السلام اصل۔ سارے پیغمبر تیمّم ہیں، حضور علیہ السلام وضو۔'' ۲۶

یاد رہے کہ ختم نبوت زمانی کے تحفظ میں اور مرزا احمد قادیانی کے رد میں اس جماعت کی بے مثال قربانیاں ہیں۔ پھر بھی ان پر اعتراض کرنے کا مقصد اس کے سوا کیا ہے کہ بالواسطہ مرزائیوں کی حمایت کی جائے، کیونکہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔

۶۔ مولوی رشید احد گنگوہی نے اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب کو جائز قرار دیا۔

اعتراض: اس کا مطلب ہے کہ اللہ جھوٹا ہوسکتا ہے۔ جھوٹ ایک عیب ہے اور اللہ کی طرف عیب کی نسبت کرنا کفر ہے۔

Marfat.com

جواب: پہلے یہ معلوم کرتے ہیں کہ جھوٹ محض برائی اور عیب ہے یا اس میں اچھائی بھی موجود ہے۔ فقہاء نے تین مواقع پر جھوٹ کی اجازت دی ہے۔ صلح کرانے کے لئے، بیوی کو خوش کرنے کے لئے، بے قصور کو بچانے کے لئے۔ پھر فاضل بریلوی لکھتے ہیں ''اگر مطلوب حاصل کرنا واجب ہو تو جھوٹ بولنا واجب، نیز اگر سچائی سے فساد کا اندیشہ ہو تو جھوٹ اختیار کرے۔'' ۲۷

مفتی احمد یار کا قول ہے ''جھوٹ بذات خود برا نہیں، کبھی جھوٹ عبادت ہوتا ہے، جیسے گنہگار کہے میں بڑا گنہگار ہوں۔'' ۲۸ بلکہ آپ نے ایک جگہ سچ پر اعتراض کر دیا ''کبھی سچ بولنا کفر ہو جاتا ہے'' گمراہ کرنے والا رب ہے، مگر یہ کہنا کفر ہے کہ بے ادبی ہے۔'' ۲۹ خلاصہ یہ کہ جھوٹ وہ برا ہے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے۔ اگر اس سے فائدہ پہنچے تو وہ جائز، بلکہ بعض اوقات واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ حوالہ گزر چکا ہے۔ تو پھر جب جھوٹ بذات خود برا نہیں تو ساری بحث از خود ختم ہو جاتی ہے۔ مفتی احمد یار کی مندرجہ بالا عبارت میں اللہ کی طرف عیب کی نسبت بھی ہے، اور اعتراف جرم بھی ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ مقدس ہستیوں کی طرف جھوٹ کی نسبت درست ہے یا نہیں۔ مفتی احمد یار کی عبارت ہے ''انبیاء علیہم السلام کا جھوٹ بولنا ممکن بالذات، محال بالغیر ہے۔'' ۳۰ اسی طرح خان بریلوی، صدق کے درجہ نمبر ۶ میں لکھتے ہیں ''معصوم من اللہ ومؤید بالمعجزات ہو کہ کذب کا امکان وقوعی نہ رہے، مگر بنظر نفس ذات، امکانِ ذاتی ہو۔ یہ رتبہ انبیاء ومرسلین کا ہے۔ ۳۱

دونوں عبارتوں کا مطلب ہے کہ نبی کے لئے کذب کا امکان ذاتی ہے مگر وقوعی نہیں، لیکن اگر مزید بڑھیں تو حدیث میں الفاظ ہیں **ما کذب ابراھیم الا ثلاث** ۔۳۲ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے۔ یہاں صرف امکان ہی نہیں بلکہ وقوع کا ذکر ہے۔ وہ بھی تین مرتبہ۔

خان بریلوی کا فتویٰ ہے ''جس نے نبیوں پر جھوٹ کو جائز رکھا، وہ کافر ہو گیا۔'' ۳۳ اگر اس فتویٰ کے ظاہر پر عمل کریں تو متعدد افراد اس کی زد میں آتے ہیں۔ کیونکہ یہ صدائے بازگشت ہے، یعنی فتویٰ واپس آ رہا ہے، انہی کی طرف۔

بہرحال مولوی رشید احمد کی مراد تھی کہ اللہ چونکہ ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا کذب پر بھی

Marfat.com

امکان ہے نیز وہ ذات عیوب سے پاک ہے۔اس لئے کذب متمنع بالغیر ہے، جیسے کذب کے امکان ذاتی کی بنا پر نبی کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔اسی طرح اللہ کے لئے بھی یہ لفظ نہیں بول سکتے۔

پھر بھی اگر کسی کو تکفیر کا شوق ہو تو وہ سلطان المشائخ کا قول دیکھے۔ مذہب اشعری میں جائز ہے کہ حق تعالیٰ حضرت موسیٰ کو دوزخ میں لے جائے اور ہمیشہ دوزخ میں رکھے اور کافر کو ہمیشہ جنت میں رکھے۔۳۴ یہاں بھی کذب کے امکان کا ذکر ہے کیونکہ نیکوں کے لئے جنت کا وعدہ اور بروں کے لئے دوزخ کی وعید ہے مگر اس عبارت میں وعدہ اور وعید دونوں کے خلاف کا بیان ہے اور یہی امکان کذب ہے۔

۷۔ اشرف علی تھانوی کی عبارت ہے ''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے۔ایسا علم تو زید، عمرو، بکر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ حیوانات کو حاصل ہے۔

اعتراض: اس عبارت میں نبی اکرم علیہ السلام کے علم کو جانوروں کے علم کے ساتھ ملا کر، نبی اکرم ﷺ کی توہین کی ہے، جو کہ کفر ہے۔

جواب: جب آپ کو اس مضمون کی طرف متوجہ کیا گیا تو آپ نے عبارت تبدیل کی۔اس اعتراض کے جواب میں بسط البنیان نامی رسالہ لکھا اور یہ بھی لکھا کہ یہ مضمون میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔ بلکہ میں ایسے مضمون کو کفریہ سمجھتا ہوں۔آپ نے یہ عبارت مخاطب کو بطور التزام کہی تھی۔یعنی مخاطب کا عقیدہ خیال کر کے اس پر اعتراض کیا تھا، نہ کہ اپنا عقیدہ۔گویا یہ عبارت مباحثہ ومناظرہ کے انداز میں تھی۔خان بریلی کا فتویٰ ہے کہ مباحثہ ومناظرہ کے وقت جو لکھا جائے وہ اعتقاد نہیں ہوتا۔۳۵ مگر خان بریلوی نے اسے عقیدہ بنا کر، تکفیر کر دی۔اس طرح اپنا اصول اور فتویٰ توڑ دیا۔ نیز خان بریلوی کا یہ فتویٰ بھی ہے کہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب نہیں، جس کا کچھ حصہ متروک نہ ہو۔۳۶ لہٰذا اس جگہ تکفیر کی بجائے مجدد الف ثانی اور پیر کرم شاہ کا اصول لاگو ہوتا ہے۔کیونکہ جس شخص نے اپنی ساری زندگی، دین اسلام کی خدمت اور نبی اکرم کی عظمت اور اطاعت میں صرف کی۔ وہ قصداً اس قسم کا لفظ کیسے لکھ سکتا ہے۔اس

Marfat.com

لیے یہاں جوش کی بجائے ائمہ مجتہدین کی بصیرت اور علمیت کی ضرورت ہے، ورنہ غیروں کے لئے برق خرمن والا تکفیری شعلہ اپنے گھر کو بھی خاکستر کرسکتا ہے۔

اصلاح طلب چند عبارات:

۱۔ ابوبکر شبلی نے مرید کو کہا ''حجرے میں بلند آواز سے چالیس روز یہ وظیفہ کرے، لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ۔'' پھر وظیفہ کی تکمیل پر کہا ''میں نے تمہاری عقیدت آزمانے کے لئے یہ وظیفہ کروایا۔'' ۳۷

۲۔ سلطان المشائخ کا قول ہے ''حضرت محمد ﷺ امام حسن اور حسین کو کندھوں پر بٹھا کر اونٹ کی طرح آوازیں کرتے، گھر کے صحن میں پر رہے تھے۔'' ۳۸

۳۔ حضرت عبدالقادر جیلانی کی تحریر ہے ''جب شیطان نے ان کلموں (ہٰذا الغرانیق العلی) کو مشہور کردیا تو نبی اکرم ﷺ رنجیدہ ہوئے۔ رات کو جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا ''میرے رب نے یہ کلمات نازل نہیں کیے۔'' نبی اکرم ﷺ نے غمگین ہوکر فرمایا ''میں نے شیطان کی اطاعت کی۔ اس کے کہنے کے مطابق اللہ کے کاموں میں شریک کیا۔'' ۳۹

حواشی وحوالہ جات:

۱ تقویۃ الایمان، ۲۰۔
۲ ایضاً، ۷۴۔
۳ ایضاً، ۷۵۔
۴ تقویۃ الایمان، ۴۳۔
۵ فتاویٰ رضویہ، ۲۰:۲۶۶۔
۶ ایضاً، ۲۶۷۔
۷ رسالہ قشیریہ، باب الغیرت، ۳۹۷۔
۸ تذکرۃ الاولیاء، ۳۲۸۔
۹ فوائد الفوائد، ۶۱۔
۱۰ تقویۃ الایمان، ۹۷ جدید ایڈیشن، دارالسلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ریاض-کراچی، ۱۹۹۷۔

Marfat.com

۱۱ تذکرۃ الاولیاء،۱۸۷۔

۱۲ ایضاً،۱۵۴۔

۱۳ فتاویٰ رضویہ،۵:۳۵۳۔

۱۴ صحیح بخاری، ۲:۷۶۰۔

۱۵ ملفوظات فرید،۱۶۰۔

۱۶ تذکرۃ الاولیاء،۲۴۶۔

۱۷ ایضاً،۳۵۲۔

۱۸ رسالہ قشیریہ،۴۷۹۔

۱۹ فتاویٰ رضویہ،۱:۳۵۴۔

۲۰ فصوص الحکم،۲۶۔

۲۱ ایضاً،۲۳۶۔

۲۲ فتاویٰ رضویہ،۲۸:۴۱۵۔

۲۳ ایضاً،۱:۴۳۵۔

۲۴ مکتوب یحییٰ منیری،نمبر۳۵۔

۲۵ تذکرۃ الاولیاء،۱۳۱۔

۲۶ تفسیر نعیمی،آل عمران:۸۱۔

۲۷ فتاویٰ رضویہ،۲۴:۳۵۴۔

۲۸ تفسیر نور العرفان،مریم:۴۱۔

۲۹ ایضاً،الاعراف:۱۶۔

۳۰ تفسیر نعیمی،البقرہ:۲۰۔

۳۱ فتاویٰ رضویہ،۱۵: ۳۵۸۔

۳۲ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء۔

۳۳ فتاویٰ رضویہ،۱۵:۱۸۱۔

۳۴ سیر الاولیاء،۸۵۵۔

۳۵ فتاویٰ رضویہ،۱۵:۵۱۴۔

۳۶ ایضاً،۲۰:۲۹۴۔

۳۷ جوامع الکلم،۱۱۱۔

۳۸ سیر الاولیاء،۸۵۰۔

۳۹ غنیّۃ الطالبین،۲۱۲۔

Marfat.com

بریلوی علماء کی چند اصلاح طلب عبارات

بریلوی علماء تعظیم وتکریم میں زیادہ حساس ہیں، مگر اس کے باوجود ان سے بھی غیر معتدل عبارات سرزد ہوگئیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بعض اوقات انسانی ذہن پر کسی مضمون کا خاص پہلو اس قدر غالب ہوتا ہے کہ دوسرے پہلو کے تقاضے نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ بے اعتدالی رونما ہو جاتی ہے۔ ورنہ قصداً کوئی مسلمان عالم تو کجا عام شخص بھی اس قسم کا خیال دل میں نہیں لاسکتا۔

۱۔ مفتی احمد یار خان کی عبارت ہے ''قرآن سے ہدایت بھی ملتی ہے اور گمراہی بھی۔'' [۱]

تفسیر نعیمی کے جدید ایڈیشن میں یہ عبارت تبدیل کر دی گئی، جو کہ اچھی بات ہے۔ مگر تفسیر نور العرفان میں یہ عبارت تین جگہ موجود ہے۔ البقرۃ، آیت ۲۶، الشوریٰ، آیت ۵۲، مائدہ ۶۴ تفسیر نعیمی۔

۲۔ محمد عمر اچھروی کی عبارت ہے ''کسی دیوانے یا کتے کے نازل شدہ قرآن پر ایمان لے آئے اور آؤ آؤ کرتا پھرے۔ [۲]

شاید غصے یا چڑچڑاہٹ کی کیفیت میں یہ الفاظ لکھ دیئے گئے۔ انہیں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ مفتی احمد یار کی تشریح ہے ''اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کے گھر، حضرت یوسف کو شاہ مصر کے گھر، ہمارے حضور علیہ السلام کو ابو طالب کے گھر برسوں رکھا۔ وہاں ان کی پرورش ہوئی، حالانکہ ان لوگوں کی آمدنی وکمائی خالص حلال نہ تھی۔'' [۳]

انبیاء کی پرورش میں حرام مال کا خیال پیدا کرنا یا بحث اور توجہ ادھر موڑنا مناسب

Marfat.com

نہیں۔

۴۔ خان بریلوی نے قول نقل کیا ''حدیث بہت گمراہ کرنے والی ہے مگر فقہا کو۔''۴

بظاہر اس کا مطلب ہے کہ عام لوگ حدیث نہ پڑھیں، مگر یہ تو درست نہیں۔ اس لئے یوں کہنا چاہئے تھا، بعض احادیث عوام کے فہم سے بالاتر ہوتی ہیں۔

۵۔ خان بریلوی کی عبارت ہے ''حضور کا رب، حضور کی اطاعت کرتا ہے۔''۵

اطاعت وہ کرتا ہے جو چھوٹا ہو، لہٰذا یوں کہنا چاہئے۔ حضور کا رب، حضور کی دعا قبول کرتا ہے۔

۶۔ آپ کی مزید عبارت ہے ''بزرگوں کا بول وہ ہدایت کرتا ہے جو دوسروں کا قول نہیں کرتا۔''۶

قول اور بول میں یہ موازنہ مناسب نہیں۔ غالباً اسی لئے جدید ایڈیشن میں یہ عبارت صاف کردی اور اچھا کیا۔

۷۔ آپ کا قول ہے ''یہ قرآن صامت ہے، حضرت علی قرآن ناطق ہیں۔''۷

حضرت علی کا یقیناً مقام ہے، مگر وہ قرآن کے پابند ہیں، قرآن کے برابر یا اعلیٰ نہیں۔

خان بریلی کے بقول ''ایک مرتبہ حضرت ادریس علیہ السلام نے جنت کی سیر کی فرمائش کی۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ کی روح قبض کر کے جنت میں لے گئے۔ سیر کے بعد واپسی کے لئے عرض کی تو حضرت ادریس نے فرمایا، جنت میں آکر بھی کوئی واپس آتا ہے۔''۸

اس واقعہ میں نبی کی طرف سے وعدہ خلافی اور فریب کاری ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی تردید کرنی چاہئے۔ خان بریلی لکھتے ہیں ''شب معراج حضور اقدس ﷺ نے ملاحظہ کیا۔ کوئی اپنے رب کے حضور بلند آواز سے کلام کر رہا ہے۔ پوچھنے پر حضرت جبرئیل نے بتلایا، یہ موسیٰ ہیں۔ فرمایا اپنے رب پر تیزی کر رہے ہیں۔ عرض کی ان کا رب جانتا ہے کہ ان کا مزاج تیز ہے۔ خیر ان کو بھی جانے دیجئے، وہ جو رب سے عرض کرتے ہیں ان ھی الا فتنک ''یہ سب

Marfat.com

تیرے فتنے ہیں۔'' یہاں کیا کہیے گا۔''[9]

آگے لکھتے ہیں ''ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو الفاظ شان جلالی میں ارشاد کر گئیں، دوسرا کہے تو گردن ماردی جائے۔[10]

مندرجہ بالا دونوں بیانات میں خان بریلی نے معاملہ کی شدت کا اظہار کیا، مگر فیصلہ دینے سے بظاہر گریز کیا، گو اشارتاً فیصلہ بھی دیا۔ اس طرح دوگونہ انداز سے اپنی بے بسی یا سلامتی کا طریقہ اپنایا۔

چند ایسی عبارات جو شدید بھی ہیں اور قدیم بھی۔ مگر ان کی عدم تکفیر سے احتیاط کا پہلو بھی سامنے آتا ہے۔

۱۔ سورہ یوسف کی آیت ۸، ۹۵ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں نے اپنے والد کی طرف تاکید کے ساتھ ضلالت بمعنی خطا کا لفظ بولا۔ جس پر تفسیر روح المعانی، ابن کثیر، تفسیر کبیر و مظہری نے شدید گرفت کرتے ہوئے کہا، ''یہ سخت کلمہ ہے جو نبی کے لئے بولنا جائز نہیں۔'' مگر تکفیر نہیں کی۔ صرف تردید پر اکتفا کی۔

۲۔ بریلویوں کے ترجمہ کی حامل روح البیان کے مطابق، دیدار الٰہی کے مطالبہ کے موقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے، تو ملائکہ آئے۔ انہیں سر کے بالوں سے پکڑا اور کہا ''اے حیض والی اولاد اور مٹھی بھر، کہاں تم اور کہاں وہ رب الارباب۔''[11]

۳۔ جنت سے نکلنے کے موقعہ پر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا تخت اٹھایا۔ فرشتوں نے کہا ''اے اللہ! ہم لوگ آدم کی برائیوں کی بو سے سخت اذیت اور پریشانی میں ہیں۔[12]

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں بھی نامناسب اور غلط الفاظ لکھے ہیں۔[13]

میرے یقین کے مطابق انبیاء کے بارے میں یہ روایات بے بنیاد ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں پڑھ یا سن کر کوئی منچلا شدت غیرت میں آکر کوئی انتہائی اقدام کر گزرے۔ بلکہ وہ فقہ حنفی کا یہ اصول سامنے رکھے۔

من شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال اصحابنا یعزر ولا

Marfat.com

یقتل۔۱۴

یعنی ایسے مجرم کو حاکم وقت کے حوالے سے کیا جائے، وہ صواب دیدی اختیار بروئے کار لا کر قانون بنائے، نرم سزا سے مجروں کو شہ ملتی ہے اور سخت سزاؤں سے بین الاقوامی سطح پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ حنفی فقہ کی گہری بصیرت تھی کہ اس نے لچک دار قانون بنایا، یعنی حد کی بجائے تعزیر مقرر کر کے حکمران کے لئے آسانی پیدا کر دی تا کہ وہ وقت کی نزاکت دیکھ کر معاملہ حل کرے اور قانون وضع کر کے سزا دے۔

تکفیر سے بیزاری ونفرت:

۱۔ عدم تکفیر میں امام ابوحنیفہ کا وہی کردار ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا، کہ گئو سالہ کی پرستش کے باوجود اپنی قوم کو خاتمہ سے بچایا۔ ورنہ قوم کا اکثر حصہ قتل ہو جاتا۔ اس لئے ابوحنیفہ نے لکھا، اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کریں گے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

۲۔ امام شافعی نے ربیع الجیزی کو کہا ''علم کلام سے بچ اور حدیث وفقہ کی مشغولیت اختیار کر۔ تجھے یہ کہا جائے کہ غلطی کی (فقہ میں) تو یہ بہتر ہے بجائے اس کے کہا جائے، تو نے کفر کیا۔۱۵

۳۔ امام ابوالحسن اشعری نے بوقت وفات کہا، تم گواہ رہو کہ میں اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر کا قائل نہیں کیونکہ میں دیکھتا ہوں۔ وہ سب ایک معبود کو مانتے ہیں، تو اسلام ان سب کو شامل ہے۔۱۶

مولوی خلیل احمد کی عبارت:

۸۔ مولوی خلیل احمد کی عبارت ہے ''شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر، علم محیط زمین کا، فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل، محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں

Marfat.com

تو کونسا ایمان ہے۔'' ۱۷

اعتراض: معلوم ہوا کہ یہ لوگ، ابلیس کے علم کو حضور اقدس کے علم سے وسیع تر مانتے ہیں۔

جواب: دیوبندی حضرات، ابلیس کی صرف اتنی ہی حیثیت، قدرت اور علم مانتے ہیں، جو قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ مثلاً قرآن کے مطابق، شیطان نے رب العزت سے مہلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کی مہلت دے دی۔ اس قدر طویل عمر اور مہلت کسی اور کو نہیں دی۔ تمام انبیاء کرام حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی قیامت سے قبل فوت ہو جائیں گے۔

نیز اس مہلت یا قدرت کا یہ مطلب نہیں کہ ابلیس بذات خود ہر جگہ حاضر ہے، بلکہ اس کے کارندے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور ابلیس ان کا سردار ہے۔ مگر ہر جگہ حاضر نہیں، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

دوسری طرف بریلوی مولوی عبدالسمیع تو نبی کی بجائے، شیطان کی وسعت حاضری کے قائل ہیں۔ مثلاً:

''اصحاب میلاد تو زمین کی تمام پاک وناپاک، مجالس مذہبی وغیرہ میں حاضر ہونا رسول اللہ کا دعویٰ نہیں کرتے، ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا، اس سے بھی زیادہ تر مقامات، پاک وناپاک، کفر وغیر کفر میں پایا جاتا ہے۔ ۱۸

مفتی احمد یار کا قول ہے ''رب نے شیطان کو اتنا وسیع علم اور قدرت بخشی کہ وہ بہکانے کے طریقے جانتا ہے۔'' ۱۹

آپ کا دوسرا قول ہے ''رب نے شیطان کو علم غیب دیا۔'' ۲۰

آپ کا تیسرا قول ہے ''جب شیطان مردود کی دعا سے عمر میں زیادتی ہوگئی، تو اگر انبیاء واولیاء عظام کی دعاؤں یا بعض نیک اعمال کی برکت سے عمر لمبی ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے۔'' ۲۱

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ شیطان کی وسعت قدرت اور علم، دراصل بریلوی مسلک ہے۔ ان کے پاس قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں، بلکہ نبیوں اور بزرگوں کے علم اور قدرت کو ثابت کرنے کے لئے شیطان کا سہارا لیتے ہیں۔ ابلیس کے اوصاف کو مقیس علیہ

Marfat.com

بناتے ہیں اوراس کی برتری کے قائل ہیں۔ دیوبندی حضرات اس عمل سے روکتے ہیں، تو الٹا ان کوالزام دیتے ہیں۔ مولوی اشرف علی کوالزام دیا کہ نبی اکرم کے علم کو جانوروں سے ملایا، مگر خود انہوں نے ابلیس کے علم سے ملایا۔

تقارب:

دیوبندی فتویٰ ہے ''یہ خیال کہ شیطان کی وسعت علم نصوص سے ثابت ہے اور حضور کے بارے میں کوئی نص قطعی نہیں۔ سخت بے ادبی ہے، توبہ کرے۔'' ۲۲ یعنی نبی کی وسعت علمی کا کوئی منکر نہیں۔ البتہ دیوبندی لوگ شیطان کی بذات خود حاضری نہیں مانتے اور نہ ہی اس پر قیاس کرتے ہیں۔

اشکال:

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلاف کی کتب میں اس قسم کی گستاخانہ عبارات موجود تھیں تو پھر علماء نے ان عبارات پر تکفیر کیوں نہ کی۔ یعنی ان عبارتوں پر عدم تکفیر اور اس جگہ تکفیر کا راستہ اختیار کیا۔ اس دوہرے معیار کی کیا وجہ بنتی ہے؟ حسد، تعصب، سازش۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سابقہ دور میں انبیا کرام کی تعظیم وتکریم کا معیار کم تر تھا اور اب اسے بڑھا دیا ہوا گر یہی بات ہے تو پھر حرمت کا پیمانہ کسے ٹھہرائیں۔ شاہ ولی اللہ ایک واقعہ لکھتے ہیں ''ایک شخص نے مسجد نبوی میں سورہ تبت پڑھی۔ ایک سیّد صاحب اس پر ناراض ہوئے کہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔ ہمارا یہ مقام نہیں۔'' پھر شاہ صاحب لکھتے ہیں ''ان چیزوں میں معیار صحابہ اور تابعین ہیں۔'' ۲۳

یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی افتادطبع اور مشرقی ماحول کے مطابق زیادہ حساس ہو یا رام چندر اور کرشن وغیرہ کے لئے مفروضہ دیوتائی درجات سے متاثر ہوا ہو اور پھر انبیاء کی عظمت کا درجہ اسی معیار سے ناپنا پسند کیا ہو۔ اگر ہم ان مفروضات کو تسلیم کریں تو پھر یہ اشکال ابھرتا

Marfat.com

ہے کہ آخران بریلی علماء سے ایسی عبارات کیونکر سرزد ہوگئیں۔جن سے توہین کا پہلونکلتا ہے۔

میرے خیال میں اس کا جواب پھروہی ہے کہ لغزش ہرایک سے ہوجاتی ہے۔لہٰذااس جگہ وہی فقہی اصول کارگر ہوتا ہے۔جسے مفتی احمد یار نے لکھا۔بہت دفعہ کفر کی بات بولنے پرانسان کافر نہیں ہوتا،کفر بولنااور ہے،اور کافر ہونا کچھ اور۔(تفسیر نعیمی، توبہ:۷۴۔)فاضل بریلوی نے بھی یہ اصول لکھا"قول کا،کلمہ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر کہنا اور بات ہے۔ہم احتیاط کریں گے، سکوت کریں گے۔[۲۴] دیوبندی حضرات کے خیال میں خان بریلی کا یہ اصول محض تصوراتی تھا۔

حواشی وحوالہ جات:

[۱] تفسیر نعیمی،البقرہ:۲۶۔ [۲] مقیاس حنفیت،۶۔

[۳] تفسیر نعیمی،المائدہ:۴۲۔ [۴] فتاویٰ رضویہ،۲۶:۴۹۹۔

[۵] ایضاً،۳۰:۴۸۹۔ [۶] ملفوظات،۱۲۲،قدیم ایڈیشن۔

[۷] فتاویٰ رضویہ،۱۵:۲۷۰۔ [۸] ملفوظات،۴:۵۰۔

[۹] ایضاً،۳:۶۔ [۱۰] ایضاً،۳:۷۔

[۱۱] تفسیر روح البیان،طٰہٰ:۹۴۔ [۱۲] جوامع الکلم،۴۸۹۔

[۱۳] ایضاً،۳۰۸۔ [۱۴] احکام القرآن لجصاص،۳:۱۱۱۔

[۱۵] الیواقیت و الجواہر،۱:۱۷۔ [۱۶] ایضاً،۱:۲۴۔

[۱۷] براہین قاطعہ،۵۱۔ [۱۸] انوار ساطعہ،۵۷۔

[۱۹] نور العرفان،النساء:۱۱۸۔ [۲۰] ایضاً،النساء:۱۱۹۔

[۲۱] ایضاً،الاعراف:۱۵، [۲۲] فتاویٰ دار العلوم کراچی،۱:۲۳۲۔

[۲۳] انفاس العارفین،۲۹۱۔ [۲۴] فتاویٰ رضویہ،۳۰:۳۵۴۔

Marfat.com

تکفیر کے نقصانات

تکفیر یعنی کسی شخص کے ایمان کے بارے میں فیصلہ دینا اور اسے غلط ٹھہرا کر دائمی طور پر دوزخی قرار دینا، قتل سے بھی سخت عمل ہے۔ دنیا و آخرت میں اس کے بہت سے جلی و خفی مفاسد مرتب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ تکفیر زدہ شخص کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔ وہ بذات خود بھی اور معاشرے کے اعتبار سے قابل نفرت بن جاتا ہے۔ (شودر)

۲۔ تکفیر سے اسلامی معاشرہ تقسیم ہوتا ہے، ان کے اتحاد کا خاتمہ اور قوت کمزور ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا یہ داخلی انتشار، غیروں کے لئے باعثِ مسرت وسکون ہوتا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو کمزور کرنے کی چال اور کامیاب حربہ ہے۔

۳۔ سادہ لوح لوگ حیران ہوتے ہیں کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔ پھر دین سے بیزاری اور الحاد کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔

۴۔ تکفیر سے دو طرفہ شدت پسندی جنم لے سکتی ہے۔ تکفیر زدہ شخص انتقامی کارروائی کر سکتا ہے۔ دوسری طرف کوئی کٹر مذہبی شخص اس کے قتل کو نیکی خیال کر سکتا ہے مثلاً عبدالوہاب ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ''طبرستان کے ایک علاقے جیلان کے حنبلیوں کے ہاں جب کوئی حنفی داخل ہوتا تو اسے قتل کر دیتے۔ اس کا مال، مال فئے تصور کرتے، اس پر کفار کا حکم لگاتے۔[1]

۵۔ اس تکفیر سے، اسلامی شعائر کی توہین و تنقیص شروع ہو جاتی ہے۔ مساجد کی بندش، تالا بندی وغیرہ۔ مثلاً ماوزاء النہر کے حنفی علاقوں میں ایک مسجد تھی (شافعیہ کی)۔ علاقے کا

Marfat.com

گورنر فجر کی نماز کے لئے نکلتا، تو کہتا، اس کنیسہ (گرجا گھر) کو بند کرنے کا وقت نہیں آیا۔ پھر ایک دن اس مسجد کا دروازہ مٹی اور اینٹوں سے بند کر دیا گیا۔ [۲]

۶۔ اس تکفیری شدت پسندی کے نتیجہ میں اپنے مسلک کی حمایت اور دوسروں کی مخالفت میں روایات گھڑی جاتی ہیں، یا کسی سابقہ روایت کا مصداق اسے ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ مثلاً ماضی میں روایت گھڑی گئی، کہ امام شافعی محمد بن ادریس میری امت کے لئے ابلیس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔ [۳]

یہ کسی خاص قوم، علاقہ یا دور کا منظر نامہ نہیں بلکہ ہر قوم کی تاریخ کے آئینہ میں ایسے چہرے نکل آئیں گے۔

۷۔ دین میں استہزاء منع ہے اور اسے روکنا ضروری ہے۔ دوسرا پہلو یہ بھی ملحوظ رہے کہ تکفیر بذات خود مذاق بن سکتی ہے۔ مثلاً شیخ اکبر محی الدین کی تکفیر و تردید۔ ذی النون مصری، عزالدین، تاج الدین سبکی، ابوبکر شبلی وغیرہم کی تکفیر بھی ہوئی اور تردید بھی۔ [۴] لہٰذا ایسی صورت پیدا نہ ہو کہ دین کھلونا بن جائے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱ مصادر التشریع الاسلامی، ۱۳۰۔

۲ ایضاً۔

۳ ایضاً، ۱۳۱۔

۴ الیواقیت و الجواہر فی بیان عقائد الاکابر، ۱:۱۱-۱۵۔ از عبدالوہاب شعرانی۔

Marfat.com

محرکات

دیوبندی موقف:

دیوبندی موقف کے مطابق اس تکفیری فتویٰ کے محرکات واسباب مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے دس سال بعد دارالعلوم دیوبند کی تاسیس ہوئی۔ مختصر سی مدت میں یہ ادارہ ترقی کرتا ہوا مستحکم بنیادوں پر استوار ہوگیا۔ ہزاروں ملکی وغیر ملکی طلباء محو تدریس تھے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ پر کتب کی تصنیف ہورہی تھیں۔ اس ترقی پر حسد کا شعلہ اٹھا، علماء میں معاصرانہ چپقلش ہوتی ہے اس لئے معاصر علماء کی جرح قبول نہیں ہوتی۔ خان بریلی میں تعصب، تعلّی اور ریا کے اوصاف جمع تھے۔ غیر معمولی ذہانت کے حامل اشخاص خود کو نمایاں کرنے کے لئے کوئی بڑا کام کرنا چاہتے ہیں، خواہ وہ کام مثبت ہو یا منفی۔

تاریخ کی ایک شخصیت کا نام عبداللہ بن سبا ہے۔ ایرانی شکست اور اسلامی فتوحات پر جذبہ انتقام وحسد سے مغلوب ہوکر اس نے تحریک چلائی۔ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو ظالم و غاصب قرار دیا۔ حضرت علیؓ کے حق خلافت اور باغ فدک کا مسئلہ کھڑا کیا اور اہل بدعت کی عظمت کے گن گائے، اس طرح اہل سنت کو بدنام اور ان پر جھوٹے الزامات لگا کر انہیں دفاعی پوزیشن میں لا کھڑا کیا کہ وہ جواب دیں۔ اس طرح مسلمان پہلی مرتبہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئے۔

کسی بڑی اور متفق علیہ شخصیت کی عظمت کو دوگنا اور چوگنا کر کے پیش کرنا، خود اس کے محافظ بننا اور اس فرضی معیار سے اترنے والوں کو بدنام کر کے ایک طرف ہٹا دینا شکاریوں کا پرانا جال ہے۔ عوام الناس عقیدت کے جال میں جلد پھنس جاتے ہیں۔ ہندوستان دیوتاؤں کی سرزمین ہے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ یہاں کے رہنما اسی طرح دیوتا بن گئے۔ گوتم بدھ اور حضرت

Marfat.com

عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت میں بھی یہی عقیدت وعظمت کارفرما تھی۔ جبکہ دین اسلام میں توحید کی شوکت وقوت، ایسی الوہیت کے سامنے دیوار بن جاتی ہے۔ اگرچہ یہاں بھی رافضہ فرقہ کے نصیریہ گروہ نے حضرت علیؓ کی الوہیت کا دعویٰ کیا۔ نبی اکرم کے لئے بھی خدا کے الفاظ نعمتوں میں گونجے۔ مگر یہ آواز دب گئی۔

تاریخ نے خود کو دہرایا۔ برصغیر میں خان بریلی نے معاصر علماء کو نیچا دکھانے کے لئے تین دیوبندی علماء اور سیّد اسماعیل دہلوی کی چار عبارات کو اپنی مرضی کا مفہوم پہنایا اور پھر اس ترجمہ کو علماء عرب کی طرف بھیجا۔ جہاں اس وقت شریف مکہ کی حکومت تھی۔ یہ شخص ترکوں کا باغی اور انگریزوں کا وفادار تھا۔ ایسے حکمران علماء کو بھی خرید لیتے ہیں۔ ان علماء کی مدد سے تکفیر کا فتویٰ حاصل کیا۔ اپنے جذبہ حسد کو تسکین دی اور پھر علماء دیوبند کو بدنام کرنے کے لئے پورے برصغیر میں اس فتویٰ کی تشہیر کی۔

قبل ازیں سوڈانی حکمران مہدی کے خلاف بھی انگریزوں نے مصری علماء سے اسی طرح تکفیر فتویٰ حاصل کیا تھا۔

۲۔ انگریزی حمایت:

شاہ عبدالعزیز نے خان بریلی سے ایک عرصہ قبل فتویٰ دیا تھا ''غیروں کی عمل داری اور انگریزوں کی عمل داری کی وجہ سے (ہندوستان) بلاشبہ دارالحرب ہے۔ [۱] مفتی محمد شفیع کا فتویٰ تھا، ''ہندوستان دارالحرب ہے۔'' [۲]

مگر خان بریلوی کا فتویٰ تھا ''ہندوستان دارالاسلام ہے۔'' [۳] خان بریلوی نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو غدر لکھا۔ [۴] یعنی آزادی کی جنگ لڑنے والے غدار تھے۔ آپ کا فتویٰ تھا ''ہم مسلمانان ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں۔ اس کا واجب بتلانے والا مسلمانوں کا بدخواہ ہے۔'' [۵] اس کی وجہ بتلائی ہر کام بقدرِ استطاعت واجب ہوتا ہے اور ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

مگر تاریخ بتلاتی ہے کہ آزادی کی تحریکیں کمزور اقوام چلاتی ہیں اور غالب آجاتی

Marfat.com

ہیں۔ بیسویں صدی میں تقریباً سارا عالم اسلام محکوم ہو چکا تھا۔ آزادی کی تحریکوں سے انہیں کامرانی ملی۔ اگر خان بریلی کا نظریہ اپنائیں تو کوئی تحریک نہ چلائے، آج کشمیری اور فلسطینی بھی خاموشی سے بیٹھ جائیں۔ افغان کمزور تھے، مگر انہوں نے روس کو نکال دیا۔

خان بریلی سے سوال ہوا ''اماکن مقدسہ بے حرمت کیے گئے، خصوصاً حرمین شریفین میں خون بہایا گیا، غلاف کعبۃ اللہ میں آگ لگی، ہم کو ان سے نفرت وعداوت رکھنی چاہئے یا نہیں؟'' ۶ جواب ''ان سے بدتر اور خبیث تر دیوبندیت اور ان کا ہندوؤں سے اتحاد۔''

سوال ہوا ''شریف مکہ نے حرمین شریفین کی بے حرمتی کی یا کرائی، جزیرۃ العرب میں کفار ومشرکین کا داخلہ قبول کیا۔ اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟ مقامات مقدسہ کفار کے قبضہ میں ہیں، کیا کرنا چاہئے؟'' آپ نے کہا ''فتنہ وفساد پھیلانا مناسب نہیں، سوائے ذلت کے کیا حاصل۔'' ۷

دوسری جگہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے جواب دیا ''حرمین کی بے حرمتی کا مجھے علم نہیں۔'' ۸

ہزاروں کی تعداد میں آپ کی کتب بلامعاوضہ تقسیم ہوئیں۔ ۹ یہ فنڈز کہاں سے آتے اور کیا مقصد تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہزاروں مسلمان قتل ہوئے۔ درختوں پر سولیاں دی گئیں، ہزاروں مساجد ومدارس تباہ ہوئے، جلیانوالہ باغ میں سینکڑوں افراد کا قتل ہوا، مگر کبھی انگریز کی مذمت نہیں کی، اس کے مقاصد انگریز کی حمایت، مسلمانوں کی تفریق اور جہادی گروہ سے نفرت پیدا کرنے کے علاوہ کیا تھے۔

برصغیر کے مسلمان کم تعداد کی وجہ سے کمزور تھے۔ اکیلے رہ کر آزادی کا حصول ناممکن تھا۔ اس لئے ہندوؤں سے اتحاد مجبوری تھی، مگر خان بریلوی نے اس سیاسی اتحاد کو مذہبی اتحاد کا رنگ دے کر اس کی مذمت شروع کر دی۔ آزادی حاصل کرنے کا کوئی متبادل منصوبہ بھی نہ دیا۔ تو کیا مسلمان انگریز کی دائمی غلامی قبول کر لیتے۔ کفار سے معاہدہ کرنا یا مدد لینا بذات خود برا نہیں۔ نبی اکرم علیہ السلام نے ہجرت کے وقت کافر کی رہبری قبول کی۔ جنگ احزاب میں

Marfat.com

بنوغطفان سے معاہدہ کرلیا تھا۔ مقصد یہ کہ اضطراری کیفیت میں احکام بدل جاتے ہیں۔

محرکات: بریلوی مؤقف:

حضرت احمد رضا خان کو بدنام کرنے اوران پر الزام لگانے کا سلسلہ ان کی زندگی میں شروع ہوگیا تھا۔ بہت سی غلط باتیں ان کی طرف منسوب کردی جاتیں۔ حتیٰ کہ کتب میں تحریف کردی جاتی، جس سے حقیقت مسخ ہوجاتی۔ اس قسم کی خرافات کی تردید متعدد مواقع پر خود خان بریلی نے کی۔ ان کے فتاویٰ میں اس کا ذکر موجود ہے، مثلاً۔

''سب کلمہ گوحق پر ہیں۔ خدا سب سے راضی ہے۔ سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے۔ اس معاملے کو دیکھ کر خدا کی ناراضی کا مال کھل سکتا ہے.....۔''

یہ کلمات اوران کے امثال خرافات کو اہل ندوہ کی جو روداد ہے۔ جو مقال ہے، ایسی باتوں سے مالا مال ہے، سب صریح وشدید نکال وعظیم وبال، موجب غضب ذی الجلال ہیں۔[۱۰]

خان بریلوی نے جو فتویٰ دیا۔ اس وقت کی مذہبی ضرورت تھی۔ اس کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کی عظمت وحرمت کی حفاظت کی۔ گستاخوں کی عبارتوں پر گرفت کرنا، ان کے منصب کا تقاضا تھا۔ اولیاء سے عقیدت اسلامی شریعت کا حصہ ہے۔ دوسروں کو بدعتی اور مشرک کہنے والوں کو جواب دینا ضروری ہے۔ خان بریلی بے شک مزاج کے تیز تھے، مگر درحقیقت یہ تیزی دینی حمیت وغیرت کے لئے ضروری تھی اور یہ جذبہ ان میں پوری طرح موجزن تھا۔ آپ نے کسی خاص فرقہ یا مذہب کی بجائے تمام مذاہب باطلہ اور فرقوں کی پرزور تردید کی۔ یہود ونصاریٰ کی کتب سے بھی حوالے دیئے۔ ان کا مقصد محض اسلام کی حقانیت وصداقت کا پرچم بلند کرنا تھا۔

بالخصوص نبی اکرم ﷺ کی عقیدت ومحبت آپ کے رگ وریشہ میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ اس لئے مخالفین کی تردید میں آپ نے حضرت حسانؓ بن ثابت کا کردار ادا کیا۔ اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کا دفاع کیا۔ آپ کے کمالات واوصاف کو اجاگر کرکے

Marfat.com

مسلمانوں کے دل میں عشق نبی کا شعلہ روشن کیا۔ مسلمانوں کے دامن کو ان کی عقید سے بھرا۔ شعائر اسلام اور دین سے سچی لگن پیدا کی۔ خان بریلوی کے طفیل آج ہر طرف عظمت نبوی کے ترانے گونجتے ہیں۔ صلاۃ وسلام کی روح پرور آوازیں دماغوں کو مسحور کرتی ہیں۔

بیسویں صدی کے شروع میں مسلمان سیاسی، مالی وعسکری اعتبار سے نہایت کمزور تھے۔ انہیں جنگ پر ابھارنا خودکشی کی دعوت کے مترادف تھا۔ آپ نے وقت کی نزاکت کو بھانپا اور سلامت روی کی تلقین کی۔ اپنے وقت کی سپر پاور سے جنگ کرنا، دیوار سے ٹکرانے کی حماقت کرنا تھا۔ خان بریلوی سیاسی نہیں بلکہ مذہبی رہنما تھے۔ لوگ انہیں تحریکوں میں کھینچنا چاہتے تھے مگر سیاست میں الجھنا انہیں ناپسند تھا۔ اس لئے مکمل کنارہ کشی کی کوشش کی۔

دوسرے یہ کہ ہندو مسلم اتحاد سے مسلم تشخص مجروح ہو رہا تھا۔ اپنی انفرادیت کو گم کرنا اور دوسری قوم میں کھو جانا، تباہی کا پیغام ہوتا ہے۔ ان حالات میں اگر آزادی کی تحریک کامیاب بھی ہو جاتی، تو مسلمان انگریز کی بجائے ہندوؤں کے غلام بن جاتے۔ ہندو بذات خود نہایت متعصب قوم ہے، ان سے خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

کانگریس سے اتحاد کی مخالفت خود علماء دیوبند کے ایک گروہ نے بھی کی۔ مفتی محمد شفیع اور تھانوی گروپ اس اتحاد سے الگ رہا۔ تحریک خلافت سے الگ رہنے کی بناء پر بعض علماء نے خان بریلی پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ بدایونی خطبہ صدارت کانفرنس ۱۹۲۰ء میں ہے ''اگر کوئی مسلمان مسئلہ خلافت کی امداد سے گریز کرے اور اس میں دلچسپی لینے سے احتراز کرے، مجھے اسے کافر کہنے میں کوئی پس وپیش نہ ہوگا۔'' [11]

خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے ہندو سے اتحاد کی مخالفت کر کے مسلمانوں کو علیحدہ قومیت کا احساس دلایا جو آگے چل کر دوقومی نظریہ کی بنیاد بنا۔ پھر مسلم لیگ نے اسے اپنا نصب العین بنایا اور پھر یہی نظریہ قیام پاکستان کی بنیاد بنا۔ اس طرح آپ اس نظریہ کے بانی ٹھہرتے ہیں۔ خان بریلی کا یہ انداز فکر ان کی سیاسی بصیرت کی دلیل، مذہبی غیرت کا ثبوت اور مسلم قوم پر عظیم احسان تھا۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات:

۱ فتاویٰ عزیزی، ۵۸۵۔
۲ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۲:۸۹۹۔
۳ فتاویٰ رضویہ، ۱۴:۴۱۴۔
۴ ملفوظات، ۲:۸۹۹۔
۵ فتاویٰ رضویہ، ۱۴:۴۵۰۔
۶ ایضاً، ۱۳۳۔
۷ ایضاً، ۴۱۷۔
۸ ایضاً، ۴۱۸۔
۹ ایضاً، ۲۹:۵۹۶۔
۱۰ فتاویٰ رضویہ، ۱:۲۰۔
۱۱ ایضاً، ۱۴:۲۲۴۔

Marfat.com

منافرت کے خاتمے کے لئے تجاویز

برصغیر کی تاریخ بتلاتی ہے کہ اس کی بیسویں صدی کا نصف اول مذہبی منافرت سے پُر تھا۔ یہ نفرتی مہم اس قدر پُر زور تھی کہ اسلامی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے مگر اب ہمیں اس کی تفصیل یا اسباب میں، الجھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ غلامی کا دور تھا اور غلامی میں قوموں کا مزاج بدل جاتا ہے۔ لہٰذا اب ماضی میں جھانکنے کی بجائے قومی تعمیر کے جذبے سے سرشار ہوکر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے، اس مقصد کے لئے چند تجاویز زیبِ قرطاس ہیں، جنہیں مثبت سوچ کے ساتھ نافذ کیا جائے تو روشن مستقبل کی امید کی جاسکتی ہے۔

۱۔ منافرت کا پہلا ذریعہ سٹیج کی خطابت تھا، جہاں کوئی مقرر اپنی شعلہ نوائی سے عوامی جذبات کو برانگیختہ کرتا اور فرقہ واریت کی آگ بھڑکا دیتا۔ ایسی خطابت پر مستقل پابندی ہونی چاہئے۔

۲۔ منافرت کا دوسرا ذریعہ فرقہ وارانہ کتب کی اشاعت تھا۔ ایسی نئی کتب کی اشاعت بند کردی جائے اور ایسے مواد پر مشتمل سابقہ کتب کی دوبارہ اشاعت کے وقت ان عبارات پر تنبیہی حواشی درج کیے جائیں کہ یہ مؤلف کی ذاتی رائے ہے، یعنی جن لوگوں نے مخالفین کو مشرک، کافر یا گستاخ کہا، اسے ان لوگوں کا انفرادی فیصلہ قرار دے کر معاملہ سمیٹ دیا جائے۔ تاکہ سابقہ تلخی کو فراموش کیا جاسکے۔

یاد رہے کہ جیسے بیماریاں چھوٹی اور بڑی ہوتی ہیں، مگر ہر بیماری مہلک نہیں ہوتی، نہ ہی کوئی ڈاکٹر کسی مریض کی حتمی ہلاکت کی رائے دے سکتا ہے۔ اسی طرح اہانت، کفر اور شرک کے چھوٹے بڑے درجے ہیں۔ ہر درجے پر تکفیر نہیں ہوسکتی۔ حدیث ہے،

Marfat.com

''جس نے قصداً نماز چھوڑی، وہ کافر ہوگیا۔'' کوئی ظاہر پسند مفتی، اس حدیث کی بناء پر تارکِ نماز کی تکفیر کرسکتا ہے، مگر ہمارے آئمہ ایسے شخص کو کافر نہیں کہتے، کیونکہ گناہ کبیرہ پر تکفیر نہیں ہے۔

۳۔ منافرت کا تیسرا ذریعہ فتویٰ تھا، جس کے ذریعہ مخالف کی تذلیل کی جاتی۔ اس جگہ فتوے اور فیصلے کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ فتویٰ یکطرفہ عمل ہوتا ہے جس میں سیاق و سباق سے قطع نظر کرکے، ظاہری مفہوم پر غلط فتویٰ کی گنجائش ہوتی ہے اور تکفیری بھی ہوسکتی ہے، مگر یہ تکفیر غیر مسند ہوگی۔ نیز یہ تکفیر صرف عبارت یا قول کی ہوگی، قائل کی نہیں، بالخصوص گروہی تکفیر تو زیادہ مشکل ہوتی ہے۔

جبکہ فیصلے کے وقت مدعیٰ علیہ کے موقف کو سامنے رکھا جاتا ہے اور صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ غیر جانبدارانہ عمل ہوتا ہے۔ جیسے ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی نے مرزائیت کی تکفیر کی۔ یہ ایک اجتماعی اور ٹھوس طریقہ تھا۔

۴۔ منافرت کا ایک ذریعہ لاؤڈ سپیکر کا غلط استعمال ہے، اسے محدود رکھنا چاہئے۔

۵۔ چوکوں، سڑکوں اور دیواروں پر نصب بورڈوں کی فرقہ وارانہ تحریریں کشیدگی کا باعث بنتی ہیں، انہیں ختم کرنا چاہئے۔

۶۔ اصلاحی مضامین کی اشاعت اور اتفاق واتحاد پر مشتمل مضامین کو فروغ دینا چاہئے۔

۷۔ دونوں جماعتوں کا تدریسی نصاب تقریباً یکساں ہے، اس لئے امتحانی نظام کو بھی ایک ادارے کے تحت متحد کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

مراجع ومصادر

۱۔ آلوسی، محمود شہاب الدین، روح المعانی، مکتبہ امدادیہ، ملتان۔

۲۔ ابن عربی، محی الدین، فصوص الحکم، نذیر سنز پبلشرز، ۴۰ اے، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۳۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، کراچی-لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۴۔ ابن تیمیہ، الصارم المسلول علی شاتم الرسول، مجلس دائرۃ معارف النظامیہ، حیدرآباد دکن۔

۵۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر، کتاب الروح، طبع دار الکتب العربی، بیروت۔

۶۔ ابن کثیر، البدایۃ و النہایۃ، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۸۔

۷۔ .....، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور۔

۸۔ ابن ہشام، سیرت النبی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔

۹۔ ابوالفضل سردار احمد، محدث اعظم، مکتبہ قادریہ، لاہور، ۱۹۸۹۔

۱۰۔ احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، دار صادر، بیروت، لبنان۔

۱۱۔ اقبال، حافظ محمد اقبال، بدعت اور اہل بدعت، دار المعارف، اردو بازار، لاہور۔

۱۲۔ اسماعیل، محمد اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان، دار السلام پبلشرز، ریاض-لاہور۔

۱۳۔ امجد علی، بہار شریعت، زاویہ پبلشرز، داتا مارکیٹ، لاہور۔

۱۴۔ حاجی امداد اللہ، کلیات امدادیہ، دار الاشاعت، اردو بازار، ایم۔اے۔ جناح روڈ، کراچی۔

۱۵۔ حقی، محمد اسماعیل، فیوض الرحمن ترجمہ روح البیان، مکتبہ اویسیہ، بہاول پور۔

۱۶۔ جیلانی، عبدالقادر شاہ، غنیّۃ الطالبین، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔

۱۷۔ خلیل احمد، المہند علی المفند، المیزان ناشران وتاجران، اردو بازار لاہور۔

۱۸۔ .....، براہین قاطعہ، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی۔

۱۹۔ رازی، محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، مکتبہ تجاریہ، دار الفکر بیروت۔

Marfat.com

۲۰۔ رضا احمد خان بریلی، کنز الایمان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور-کراچی۔

۲۱۔ .....، فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لوہاری بازار، لاہور۔

۲۲۔ .....، ملفوظات، مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، کراچی، قدیم ایڈیشن۔

.....، .....، مکتبۃ المدینہ باب المدینہ، کراچی، جدید ایڈیشن۔

۲۳۔.....، احکام شریعت، طبع مراد آباد، بھارت۔

۲۴۔ رفیع، محمد رفیع عثمانی، فتاویٰ دار العلوم، ادارۃ المعارف، کراچی، نمبر ۱۴، ۲۰۱۰ء۔

۲۵۔ زین العابدین، ابن نجیم، البحر الرائق، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ۔

۲۶۔ سیوطی، جلال الدین، تفسیر جلالین، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۸ء۔

۲۷۔ شفیع، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی۔

۲۸۔ .....، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، دارالاشاعت، کراچی۔

۲۹۔ شیخ ابوطاب مکی حارثی، قوت القلوب، غلام علی اشرفی پارک، فیروز پور، لاہور۔

۳۰۔ شیخ عبدالرحمٰن، مراۃ الاسرار، غلام علی اشرفی پارک، فیروز پور، لاہور۔

۳۱۔ صدرالافاضل، خزائن العرفان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور-کراچی۔

۳۲۔ عالم گیر، فتاویٰ ھندیہ، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔

۳۳۔ عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور۔

۳۴۔ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، مدینہ پبلشنگ، ایم۔اے۔ جناح روڈ، کراچی۔

۳۵۔ عبدالسمیع، انوار ساطعہ، دارالاشاعت، اردو بازار، لاہور۔

۳۶۔ عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس۔

۳۷۔ عزیز، عبدالعزیز محدث، تفسیر عزیزی، مطبع مجتبائی، دہلی۔

۳۸۔ .....، فتاویٰ عزیزی، مطبع مجتبائی، دہلی۔

۳۹۔ عزالدین ابن اثیر جوزی، اسد الغابہ، مکتبہ خلیل یوسف مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔

۴۰۔ غازی، محمود احمد، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران وتاجران، اردو بازار لاہور۔

۴۱۔ غلام اللہ، تفسیر جواھر القرآن، کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ، راولپنڈی۔

۴۲۔ الفخری، محمد علی بن علی بن طبابا، ادارۃ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔

Marfat.com

۴۳۔ فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، مشتاق بک کارنر، کریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔
۴۴۔ فرید، بابا فرید، ملفوظات، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور۔
۴۵۔ قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری، ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، کراچی۔
۴۶۔ قاضی خان، حسن بن منصور، فتاویٰ قاضی خان، نولکشور، لکھنؤ۔
۴۷۔ قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ۔
۴۸۔ قشیری، عبدالکریم ابوالقاسم، رسالہ قشیریہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، فیصل مسجد، اسلام آباد، ۱۹۸۲ء۔
۴۹۔ کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور۔
۵۰۔ .....، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور۔
۵۱۔ گجراتی، مفتی احمد یار خان، تفسیر نعیمی، مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار، لاہور۔
۵۲۔ .....، تفسیر نور العرفان، ادارہ کتب اسلامیہ، چوک پاکستان، گجرات۔
۵۳۔ خلاف، عبدالوہاب، مصادر التشریع الاسلامی، الطابعۃ والنشر والتوزیع، کویت، ۱۹۸۷ء۔
۵۴۔ گیسودراز، جوامع الکلم، نفیس اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۹ء۔
۵۵۔ لون، ڈاکٹر غلام قادر، مطالعہ تصوف، دوست ایسوسی ایٹس پبلشرز، اردو بازار، لاہور۔
۵۶۔ مالک، امام مالک، موطاء امام مالک، فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور۔
۵۷۔ محمد، امام محمد، موطاء امام محمد، فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور۔
۵۸۔ مجدد، مکتوبات، ادارہ اسلامیہ لاہور۔
۵۹۔ مبارک، علوی کرمانی، سیر الاولیاء، اردو سائنس بورڈ، اپر مال، لاہور۔
۶۰۔ مرغینانی، علی بن ابی بکر، ھدایہ، کلام کمپنی، کراچی، ۱۳۸۱ھ۔
۶۱۔ محمود حسن، فتاویٰ محمودیہ، کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال نمبر۲، کراچی۔
۶۲۔ ملا علی قاری، شرح فقہ اکبر، مطبع مجتبائی، دہلی۔
۶۳۔ ہیکل، محمد حسین، عمر فاروق اعظم، مکتبہ میری لائبریری، لاہور۔
۶۴۔ ولی اللہ، شاہ، حجۃ اللہ البالغہ، الفیصل ناشران، اردو بازار، لاہور۔
۶۵۔ .....، انفاس العارفین، نوری بک ڈپو، لاہور۔
۶۶۔ .....، فیوض الحرمین، سندھ ساگر اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۶ء۔

Marfat.com

اہل شریعت و اہل عقیدت

محمد اسلم

قرطاس

Marfat.com